سید مکی مدنی العربی

سید مکی مدنی العربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تصنیف : ایتی این دینے سلیمان بن ابراہیم

ترجمہ : ڈاکٹر تصدق حسین راجا

مکتبۂ جدید

نام کتاب : سید مکی مدنی العربی ﷺ

تصنیف : ایچ این دیسنے و سلیمان بن ابراہیم

ترجمہ : ڈاکٹر تصدق حسین راجا

طبع اول : ۱۹۹۸ء

سرورق / خطاطی : اسلم کمال۔ خالد یوسفی

ناشر : رشید احمد چوہدری
مکتبہ جدید
9-ریلوے روڈ۔ لاہور
فون : 7657151
پی۔او بکس 456 لاہور

کمپوزنگ / لے آوٹ : حسن رشید

قیمت : 150-00 روپے (پاکستان میں)
10-00 ڈالر (بیرون پاکستان)

ISBN- 969 - 8325 - 02 - 6

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ جلّ جلالہٗ

مرحبا سیدِّ مکی مدنی العربی ﷺ

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

محمد جان قدسی مشہدی

من زخورشیدِ قیامت چہ خطر داشتہ ام
سایۂ صاحبِ بے سایہ بہ سر داشتہ ام

میر محمد علی رائج سیالکوٹی
(۱۱۵۰ھ)

ترتیب

تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے
اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے (۴ : ۱۰۳)

باب ۔۲

کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور
آپ سے آپ کا بوجھ اتار دیا۔ (۹۴ : ۱۔۲)

تم زاد راہ لے لیا کرو، پس بیشک بہتر زاد راہ تقویٰ ہے (۲ : ۱۹۷)

باب ۔ ۳

بیشک ہم نے یہ (قرآن) اتارا، لیلۃ القدر میں (۹۷ :۱)

اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے محمد ﷺ! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو۔ (۷۴ :۱۔۳)

باب ۔ ۴

تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے۔ (۳ :۱۸۶)

اور ہم نے کر دی ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار، پھر ہم نے انہیں ڈھانپ دیا۔ پس وہ دیکھتے نہیں۔ (۳۶ : ۹)

باب ۔ ۵

اور تم اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں (۲ : ۱۹۰)

اے ایمان والو! جب کسی جماعت (کفار) سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تاکہ تم فلاح (دو جہاں میں کامیابی) پاؤ (۸ : ۴۵)

باب ۔ ۶

اور تم سست نہ پڑو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو (۳ : ۱۳۹)

باب ۔ ۷

عرض مترجم

آج دنیا بھر کے ایک ارب پچیس کروڑ مسلمان مکہ مکرمہ کو اپنا قبلہ مانتے ہوئے خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں۔ یہی وہ مقدس شہر ہے جہاں وجہ تخلیق کائنات، رحمتہ اللعالمین ﷺ، محبوب خدا ﷺ، شافع محشر ﷺ، نبی آخر الزمان ﷺ، تسکین جسم و جان مومنین اس دنیا میں تقریباً ساڑھے چودہ سو سال پہلے تشریف لائے تھے۔ یہ بے مثال انسان بیک وقت ایک اعلیٰ قانون دان، منصف، منتظم اور عسکری مہارت سے آراستہ تھے۔ آپ پر قرآن حکیم نازل ہوا اور اللہ نے اپنے اس منتخب بندے کو منصب نبوت سے نوازا۔ اللہ کا پیغام عام کرنے کے ساتھ ساتھ آپ نے کفر والحاد کے خلاف جسمانی اور روحانی جنگیں لڑیں۔ قرون اولیٰ میں سیرت نگاری کا آغاز غزوات کے تذکروں سے ہوا۔ اس میدان میں اولین دور کا ذکر ہو تو سیرۃ ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام کے نام آتے ہیں۔ آنحضور ﷺ کی سیرت طیبہ پر تقریباً دنیا بھر کی بڑی زبانوں میں بہت سی کتب شائع ہو چکی ہیں اور یہ سلسلہ ابدالآباد تک قائم رہے گا، نہ سیرت نگاروں کے قلم تھکیں گے نہ اس موضوع پر کسی وقت لکھنے والے یہ اعلان کر پائیں گے کہ اب مزید اس موضوع پر لکھنے کی گنجائش نہیں رہی۔ دنیا کی ان بیشمار زبانوں کا جائزہ لیا جائے تو جن تین زبانوں میں سیرت طیبہ پر زیادہ کتابیں لکھی گئیں وہ عربی، فارسی اور اردو نظر آتی ہیں۔ انگریزی اور عربی سے اردو میں تراجم بھی ہوئے ہیں۔ مجھے یقین کامل ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ان تراجم میں "سید مکی مدنی العربیؐ" ایک خاص مقام حاصل کرے گی۔

آنحضرت ﷺ کے بارے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں زیادہ سے زیادہ علم رکھنے کے آرزو مند تھے۔ اسی ضرورت کے پیش نظر سیرۃ النبی ﷺ پر سینکڑوں کتب شائع ہوئیں۔ "دی لائف آف محمد ﷺ۔ دی پرافٹ آف اللہ" کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۸ء میں ترکی میں چھپا جو انگریزی میں تھا۔ یہ کتاب ای این دینے اور سلیمان بن ابراہیم کی مشترکہ کاوش کا نتیجہ تھا اول الذکر کا تعلق ترکی سے تھا اور موخر الذکر ایک معروف فرانسیسی مصور تھے جو کم و بیش ۳۰ سال تک شمالی افریقہ میں مقیم رہے۔ کتاب کے مصنفین نے قرآن حکیم اور مستند علمائے دین کے مسلمہ نظریات و عقائد پر انحصار کرتے ہوئے یہ کتاب لکھتے وقت کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کے حالات و واقعات تحریر کرتے وقت اساسی تفصیلات کو محفوظ کر لیا جائے اور معجزات رسول اللہ ﷺ کے ذکر میں غیر مستند روایات، قصص اور غیر ضروری تفصیلات سے گریز کیا جائے۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن میں ۴۷ رنگین پلیٹیں استعمال ہوئی تھیں جن میں اسلامی فن

مصوری کے نامور مصوروں کی پیروی کی گئی۔ ایرانی قالین سازی کے نمونوں سے لے کر مغل فن مصوری تک کو سامنے رکھ کر تصویر چے (Miniatures) تیار کیے گئے جو طبع اول میں شامل تھے۔ کتاب کے اردو ترجمہ کے بعد اس کی اشاعت کی بات ہوئی تو مختلف احباب کے مشورے کے بعد راقم نے فیصلہ یہ کیا کہ وہ تصاویر بوجوہ کتاب میں نہ دی جائیں۔ "سید مکی مدنی العربی ﷺ" کے مصنفین نے ضروری سمجھا کہ آنحضرت ﷺ کے سوانحی حالات کا تذکرہ کرتے وقت آپ ﷺ کی ذات کو براہ راست پیش کرنے کے بجائے صحابہ کرامؓ کی روزمرہ زندگی اور اسلامی احکامات کی پیروی کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو قلمبند کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے قسطنطنیہ (ترکی) کی فتح کی بشارت کے وقت اس کے فاتحین کے متعلق بھی بشارت دے دی تھی۔ قسطنطنیہ اس دور میں مسیحیت کا گڑھ تھا۔ ۹۹ھ میں قسطنطنیہ کی فتح کے لئے مسلمانوں نے جب حملہ کیا تو اس جہاد میں کئی صحابہ کرامؓ شامل تھے۔ ان میں میزبان رسول حضرت ابو ایوب انصاریؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ بن عباسؓ قابل ذکر ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مزار مبارک استنبول میں ہے، مقبرہ عثمانی ترکوں نے تعمیر کرایا تھا اور اس کے ساتھ ایک مسجد بنوائی تھی جس میں عثمانی ترک خلفاء کی رسم تاجپوشی ہوتی تھی۔

جنگ عظیم اول کے بعد تحریک خلافت کا دور شروع ہوتا ہے اس تحریک کے ذریعے ہندوستان کے مسلمانوں نے سلطنت برطانیہ پر زور دیا کہ ترکوں کی سلطنت بحال کی جائے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے احیائے خلافت کے لئے کروڑوں روپے خرچ کیے۔ نوکریاں داؤ پر لگا دیں، جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور مال وعزت سبھی کچھ نثار کر دیا تھا۔ تحریک خلافت کے ان ہی ایام میں اے دینے اور سلیمان بن ابراہیم نے "دی لائف آف محمد ﷺ۔ دی پرافٹ آف اللہ" کی اشاعت کا اہتمام کیا تھا، یوں اس کتاب کو اس زمانے کے تناظر میں رکھ کر دیکھا جائے تو اس کی قدر و قیمت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

مستشرقین نے بھی اسلام اور سیرت النبی ﷺ پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس سارے کام کو کھنگال کر بہت سی غلط تعبیرات کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مستشرقین نے قدم قدم پر اس لیے ٹھوکر کھائی ہے کیونکہ عربی لغت کے حوالے سے ان کا علم ناقص تھا۔ "دی لائف آف محمد ﷺ۔ دی پرافٹ آف اللہ" اپنے مواد کے لحاظ سے بے حد جامع اور خوبصورت کتاب ہے جو خوبصورت انگریزی میں لکھی گئی، البتہ طباعت کے دوران اس کتاب میں ہجوں کی بے شمار غلطیاں رہ گئیں تھیں۔ جن کی وجہ سے مجھے ترجمہ کے دوران کہیں کہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ شخصیات اور مقامات کے ناموں کے سلسلے میں اصل ناموں تک پہنچنے کے لیے سیرۃ النبی ﷺ پر لکھی گئیں کئی

دوسری کتابیں دیکھنے کی ضرورت پیش آئی۔ اِس کتاب کے مصنفین کتاب کے ۱۹ ابواب کو چھوٹے چھوٹے عنوانات کے تحت تقسیم کر کے زمانی ترتیب کے ساتھ آغاز سے اختتام تک پہنچے ہیں۔ اسلوب بیان دلنشین اور بے حد خوبصورت تھا جسے راقم نے پوری کوشش کے ساتھ سادہ و سہل اور رواں اردو ترجمے کے قالب میں ڈھالنے کی پوری پوری کوشش کی ہے۔ دوران ترجمہ بار بار پروردگار کے خاص فضل اور آنحضور ﷺ کی نگاہ کرم نے جس طرح میری رہنمائی فرمائی اس کے پیش نظر میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ "سید مکی مدنی العربی ﷺ" پڑھنے والوں کے دلوں کو ضرور گرمائے گی۔ حیات انسانی یوں تو آج اکیسویں صدی میں داخل ہونے کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنا رہی ہے اور بیسویں سے اکیسویں صدی میں داخلے کے لیے اسے اپنے ماضی کی کامیابیوں پر بڑا ناز ہے لیکن ملت اسلامیہ کے حوالے سے غور کیا جائے تو فکر مندی میں اضافہ ہو جاتا ہے اس لیے کہ خدائے وحدہ لاشریک کے ماننے والے اس کا در چھوڑ کر در بدر ہو گئے ہیں۔ ان کا قرآن سے اور آنحضور ﷺ سے جو قرآن ناطق ہیں رشتہ بے حد کمزور پڑ گیا ہے۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ ہمارا قرآن سے رشتہ مضبوط کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے اور حاملین قرآن نے قرآن سے اپنا رشتہ مضبوط کر لیا تو خالق کائنات سے ان کی "بندگی" کا رشتہ مضبوط تر ہو جائے گا اور پھر فرقہ واریت کی مسموم ہوائیں اپنا مسکن کہیں اور ڈھونڈنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

ہر باب کے آغاز اور اختتام پر اس باب کے مواد اور عنوانات کے لحاظ سے قرآن حکیم کی آیات شامل کی گئی ہیں۔ پہلے باب میں خانہ کعبہ، مکہ مکرمہ اور آنحضور ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی شادی کا ذکر ہے، دوسرے باب میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش، بچپن مختلف معجزات کا اختصار کے ساتھ ذکر، ملک شام کے دو سفر، حضرت خدیجہ سے شادی اور خانہ کعبہ کی تعمیر نو وغیرہ کی تفصیلات شامل ہیں۔ تیسرے باب کے عنوانات میں نزول وحی، قیامت، اہل مکہ کی طرف سے آنحضور ﷺ پر ظلم و تعدی کا ذکر، سیدنا حمزہؓ کا قبول اسلام وغیرہ شامل کیے گئے ہیں۔ چوتھے باب کے چند ایک عنوانات یہ ہیں: قبول اسلام پر جبر و ایذا، ہجرت حبشہ، عمر ابن خطابؓ کا قبول اسلام، بنوہاشم اور قریش کے درمیان چرمی کاغذ پر معاہدہ، حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات، شب معراج کا سفر وغیرہ۔ پانچویں باب میں آنحضور ﷺ کی ہجرت مدینہ، سراقہ ابن مالک کا افسوناک حادثہ، رسول اللہ ﷺ کی قبا میں آمد، آنحضور ﷺ کی یثرب میں آمد، مسجد مدینہ کی تعمیر، تبدیلی قبلہ، رسم اذان، رمضان المبارک کے روزے، صدقہ و خیرات اور کئی دوسرے عنوانات شامل ہیں۔ جب کہ چھٹے باب میں حضرت علیؓ کی شادی، آنحضور ﷺ کی حضرت حفصہؓ اور ام المساکین سے شادی، غزوہ خندق سمیت چند دوسرے غزوات کا ذکر اور صلح حدیبیہ جیسے موضوعات

قلمبند کیے گئے ہیں۔ ساتویں باب میں مختلف قبیلوں کے خلاف بھیجی جانے والی مہموں کا ذکر ہے اور دیگر عنوانات میں عمرۃ القضا کی ادائیگی، غزوہ موتہ، فتح مکہ اور غزوہ حنین شامل ہیں۔ آٹھویں باب میں آنحضور ﷺ کے فرزند سیدنا ابراہیم کی پیدائش، غزوہ تبوک، ملک ثمود اور قوم ثمود کا ذکر، آنحضور ﷺ کی مدینہ واپسی اور حجتہ الوداع کے علاوہ کئی دوسرے عنوانات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ آخری باب میں آنحضور ﷺ کی علالت اور وصال، حضرت ابو بکر صدیق کا بطور خلیفہ اول انتخاب اور پیغمبر خدا ﷺ کی تجہیز و تکفین کی تفصیل مذکور ہے۔

مجھے اپنے رب رحیم و کریم سے پوری امید ہے کہ وہ میری اس سعی کو جس میں میری صلاحیت و قابلیت سے کہیں زیادہ اللہ کے خاص فضل اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کو دخل حاصل ہے شرف قبولیت بخشے گا اور "سید مکی مدنی العربی ﷺ : بارگاہ رسالت میں میری باریابی کا وسیلہ بنے گی۔

"سید مکی مدنی العربی ﷺ" کی اشاعت میں جن احباب نے میری رہنمائی فرمائی اور مجھے جن کا تعاون حاصل رہا ان کا شکریہ ادا کرنا بہت ضروری ہے ان میں جناب افتخار عارف، ڈاکٹر محمود الرحمن صاحب، ڈاکٹر گوہر نوشاہی صاحب، منظور احمد انجم شامل ہیں۔ برادر عزیز و محترم اعجاز حسین راجا اور ان کے برخوردار (میرے بھتیجے) نصر اللہ راجا نے ترجمہ کے کام میں قرآن پاک کے حوالہ جات کو تلاش کرنے میں میری بڑی مدد کی۔ برادرم جناب اسلم کمال اور محبی برادرم خالد یوسفی صاحب نے سرورق کی تیاری اور خطاطی میں اپنے اپنے ہنر کے کمالات دکھائے، عزیز محترم چوہدری حسن رشید پورے خلوص اور محبت کے ساتھ کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرنے میں اپنے تمام تر تجربے کو کام میں لائے اور میرے بہت ہی پیارے بھائی جن کا ذکر اظہار تشکر میں سب سے پہلے آنا چاہئے تھا، نوید ظفر نے ایک بار پھر "دی لائف آف محمد ﷺ۔ دی پرافٹ آف اللہ" کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کا نہ صرف مشورہ دیا بلکہ کتاب بھی لے آئے اور وقتاً فوقتاً اپنی قیمتی آراء سے بھی نوازتے رہے۔ ان سب احباب کا تہ دل سے ممنون ہوں اور اپنے اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس نہایت اہم کام میں جس خلوص نیت سے انہوں نے میری معاونت فرمائی اس کو شرف قبولیت بخشتے ہوئے رب رحیم و کریم ان پر اپنی خاص رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

اسلام آباد (پاکستان)
یکم رمضان المبارک ۱۴۱۸ھ

ڈاکٹر تصدق حسین راجا

عرض ناشر

مکتبہ جدید کا نام بر صغیر کے علمی وادبی حلقوں میں ایک معتبر نام ہے۔ اس ادارے نے مدتوں علم وادب کی خدمت کر کے نیک نامی حاصل کی۔ پھر وہ وقت بھی آیا جب نئے تجارتی رجحانات کا ساتھ نہ دے سکنے کی بناء پر یہ ادارہ اشاعتی میدان سے کچھ عرصہ علیحدہ رہا۔ اور اپنی سرگرمیاں صرف بطور پرنٹر محدود کر لیں۔

میں گنہگار بھی ہوں اور دنیادار بھی۔ اس کے باوجود میری ہمیشہ یہی خواہش رہی کہ کبھی اپنے ادارے سے سیرت نبوی ﷺ اس طرح شائع کروں کہ مدتوں یاد رہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ آج میری یہ آرزو پوری ہو رہی ہے اب میں بڑے فخر سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آقائے دو جہاں ﷺ سے میری بھی کوئی نسبت ہے۔ اس اعزاز پر بارگاہ الٰہی میں سجدہ شکر بجالاتا ہوں۔

یہ کتاب ایچ این دینے و سلیمان بن ابراہیم کی انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اور کتاب کے مصنفین نے جو کچھ لکھا بلاشبہ وہ سیرت رسول ﷺ کا قیمتی سرمایہ ہے۔ اور مترجم نے جس عقیدت و محبت سے اس کا ترجمہ کیا۔ وہ بھی انتہائی قابل قدر ہے۔

سیرت کی دوسری کتابوں کی نسبت سید مکی مدنی ﷺ میں قدرے مختلف اور اہم معلومات نظر آئینگی۔

میں آج جو کچھ لے کر حاضر ہوا ہوں یہ توفیق ایزدی بھی ہے اور انعام بھی سیرت آقا ﷺ کی طباعت سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے میں نے تو نہ جانے کتنی دعائیں اس گھڑی کے لئے مانگی تھیں۔ میں نے اپنی کاروباری زندگی میں بہت سے کام فخریہ بھی کئے مگر یہ کتاب انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ بقول کسے دل کے معاملات ایسے ہی ہوتے ہیں کبھی اُس طرح خوش کبھی اس طرح خوش :

اللہ کے رسول ﷺ کی معیت ایمان والوں کو مطلوب تھی۔ مطلوب ہے اور مطلوب رہیگی۔ حضور سے تعلق کے حوالے سے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے قول کو حضور کے قول سے نسبت ہو۔ ہمارے عمل کو حضور کے عمل سے نسبت ہو اور ہمارے علم کو حضور کے علم سے نسبت ہو۔ اس کتاب کے مطالعہ سے فراغت کے بعد اپنے حال پہ نظر کیجئے اور دیکھئے کہ آپ کس مقام پر تھے اور اب کس مقام پر ہیں اگر آپ مقصود کے قریب ہوں تو میرے لئے آپ کی ذات میں مثبت تبدیلی یقیناً بخشش کا باعث ہو گی۔ میری سعی اللہ کے یہاں مشکور ہو گی۔ اس سے بڑا اعزاز میرے لئے ہو بھی کیا سکتا ہے.

حسن رشید

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے جو بہت مہربان ، رحم کرنے والا ہے

باب : ۱

مسلمانوں کی نماز

روشنی کی ایک گلابی کرن نے افق کو تاحد نظر منور کر دیا تھا۔ ستاروں کی چمک ماند پڑ گئی تھی اور صبح کے سکوت کو ایک آواز نے اپنے لحن و آہنگ سمیت یوں توڑا تھا :

"اللہ بہت بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز پڑھنے کے لئے آؤ نجات پانے کے لئے آؤ!"

مکانوں کی چپٹی چھتوں سے بہت بلندی پر اور نخلستان میں کھڑے کھجور کے درختوں سے بہت اوپر مؤذن کی پکار کے آخری الفاظ پتلے سے مینار کی بالکونی سے خوشبو کے جھونکے کی مانند نکل کر صحرا کی لامتناہی پہنائیوں میں گم ہو گئے تھے۔

محمد ﷺ کے پیروکار جو ابھی تک ڈھیلی ڈھالی چادروں کی مانند بے آستین چغوں میں اپنے جسم لپیٹے گہری نیند کے مزے لے رہے تھے، یوں جاگ اٹھے تھے جیسے مردہ جسموں میں جان پڑ گئی ہو۔ وہ تیزی کے ساتھ پانی کے چشموں تک پہنچے جہاں انہوں نے وضو کیا اور پھر صاف ستھرے جسموں اور پاکیزہ خیالات کے ساتھ صفیں باندھے، کہنی سے کہنی ملائے، محمود و ایاز کی تفریق اور امتیاز سے بالاتر ہو کر ایک ہی سمت اپنا رخ کئے کھڑے تھے۔ مکہ مکرمہ کے کعبہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے۔

سب کے سب سیدھے کھڑے تھے، سر معمولی سے جھکے ہوئے، نگاہیں زمین پر ' لمبے لمبے چغوں میں جو ان سب کا لباس تھا یہ لوگ بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے یہ زندہ انسانوں سے بے جان مورتیوں میں بدل گئے ہوں۔ یہ اس امام کی پیروی کر رہے تھے جو ان کی صفوں کے آگے کھڑا تھا اور جس کا رخ بھی اسی قبلہ کی طرف تھا اور جو نماز کی ہر رکعت مکمل ہونے پر "اللہ اکبر" کہتا تھا۔ یہ سب کے سب اپنے کھلے ہاتھ اپنی پیشانیوں کی بلندی تک اٹھاتے تھے اور دونوں جہانوں کے مالک و خالق کے حضور حاضری کے وقت اپنی بے خودی کی شہادت دیتے تھے۔ پھر ہر نمازی ایک جیسی حرکات و سکنات کے ساتھ رب عظیم کے سامنے جھک جاتا تھا۔

لیکن اسے وہ اپنی بندگی کے عجزو انکسار کے لئے ناکافی سمجھتے تھے جبھی تو پھر وہ زمین بوس ہو جاتے تھے، سجدہ ریزی میں اپنی پیشانیاں زمین پر رکھ دیتے تھے۔ وہ چند لمحوں کے لئے اس عاجزانہ حالت میں رہتے تھے، اللہ کے حضور گڑگڑاتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے گنبد افلاک کے بوجھ تلے دب کر وہ بالکل بے دست وپا ہو گئے ہوں۔

آخر کار انہوں نے سجدے سے اپنے سر اٹھائے اور گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئے۔ احساس بندگی کے بوجھ سے ان کے سر جھکے ہوئے تھے۔ سلام پھیرنے کے ساتھ نماز مکمل ہو گئی تھی۔ پہلے دائیں طرف، پھر بائیں طرف منہ موڑ کر ان دو فرشتوں (کراما کاتبین) کو مخاطب کیا جاتا ہے جو ہر مومن کے ساتھ لگا دیئے گئے ہیں کہ ان کے اعمال لکھتے رہیں اور لمحے لمحے کا ریکارڈ رکھیں۔

تاہم عام طور پر وہ اہل ایمان جو اللہ سے دعا کے دوران کچھ نہیں مانگتے، یہاں تک کہ نان شبینہ بھی، نماز کے دوران کچھ دیر گھٹنوں پر ہاتھ رکھے جھکے رہتے ہیں اور سینے پر کھلی ہتھیلیاں ایک دوسری پر اس طرح رکھتے ہیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو اور یوں نظر آئے جیسے وہ کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں۔ وہ اللہ سے اس کے رحم و کرم کی استدعا کرتے ہیں تاکہ ان کی روحوں کو نجات حاصل ہو جائے۔ وہ اپنے عزیز اقرباء کے لئے اور اسلام کی سربلندی کے لئے بھی اللہ سے دعا مانگتے ہیں۔

نماز کے صرف چند حصے، تکبیر، فاتحہ اور نماز کے اختتام پر سلام ایسے ہیں جنہیں امام بلند آواز سے ادا کرتا ہے۔ باجماعت نماز دل ہی دل میں پڑھی جاتی ہے۔ صرف "تکبیر" سرگوشی کے انداز میں کہی جاتی ہے جسے دوسرے بمشکل سن سکیں۔

یہ نیم خاموشی ان کے اشارات کو زیادہ پر وقار بنا دیتی ہے۔ ان کی ادائیگی میں ایسی سادگی پائی جاتی ہے جس میں عجزو انکسار ایک وقار اور تمکنت کے بہت قریب محسوس ہوتا ہو۔ اس میں تصنع یا ریاکاری کا شائبہ تک نہیں ملتا اور تعظیم احترام اور پرستش کا ایک تیکھا تصور پایا جاتا ہے۔

بلاناغہ سورج کی شعاعیں مختلف اوقات میں اپنا رنگ بدلتی رہتی ہیں: طلوع آفتاب کی کرنیں گلابی، دوپہر کے وقت شعلہ بار، غروب آفتاب ملمع سازی کا منظر پیش کرتا ہے اور افق کے اس پار اترتے وقت چھپ جانے کی اداسی کو زرد کرنوں میں پیچھے چھوڑ رہا ہوتا ہے اور رات کے نیلگوں پردے کو لپیٹتے وقت نہ صرف مساجد میں بلکہ گھروں، گلیوں، کیفوں، بازاروں، مضافات ہوں کہ صحرا، تمام مسلمان تنہا یا باجماعت، جہاں کہیں بھی ہوں مؤذن کی پکار کی ضرورت کے بغیر یا امام کی امامت کی ضرورت محسوس کئے بغیر اپنا اپنا کام درمیان میں بند کر دینے پر مجبور ہوتے ہیں اور چند لمحوں کے لئے اپنے ذہنی سفر میں مخل ہو کر اپنے محسن و مربی، رحیم و کریم کی حمد و ثناء

میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

تیرہ سو سال سے زیادہ عرصے تک بحیرہ اوقیانوس کے افریقی ساحل سے لے کر بحرالکاہل کے چینی ساحل تک دو سو ملین سے زیادہ مومنین مکہ میں واقع خانہ کعبہ کی طرف دن میں پانچ مرتبہ اپنا منہ پھیرتے ہیں، ان کی نمازوں کی تعداد جمع ہو کر کئی ملین بنتی ہے، یہ نمازیں رب عظیم و برتر کی بارگاہ میں نذرانہ بندگی و عبودیت کے طور پر پیش کی جاتی ہیں جو اسلام کے ماننے والوں کے لافانی تشکر کی شہادت دیتی ہیں۔

مکہ مکرمہ کا بیان

یہ پراسرار شہر وہ ہے جسے دیکھنے کے لئے آج بیشمار انسانوں کے دلوں میں آرزو مچل رہی ہوتی ہے مگر زمانہ قدیم میں یہ تقریباً گمنامی کے اندھیروں میں چھپا ہوا تھا۔ یہ شہر کیسا ہے؟

کیا یہ ان شہروں میں سے ایک ہے جس کا حدود اربعہ بہت خوبصورت تصویر پیش کرتا ہو، جہاں خود نمائی اور شہرت کے بھوکے بادشاہوں نے عالیشان محلات تعمیر کرائے ہوں، پھر وہاں قارون کے خزانے جمع کر دیئے ہوں؟ کیا یہ کوئی بہت بڑا تجارتی مرکز تھا جہاں دنیا بھر کا مال تجارت بری و بحری راستوں سے پہنچتا تھا؟ یا یہ کوئی وسیع و عریض دارالسلطنت تھا جس کے بہادر اور نڈر انسانوں نے ہمسایہ اقوام کو اپنی غلامی و محکومی میں لے رکھا تھا؟

ان سب باتوں میں سے مکہ میں کوئی ایک بات بھی نہ تھی۔ یہ تو زمین پر ایک بنجر و ویران مقام تھا اور دور قدیم میں اس کی واحد تجارت یہ تھی کہ اس کے صحرا میں سے تجارتی قافلے گزرتے تھے، چنانچہ نہ تو یہ دولتمندوں کا شہر تھا نہ طاقتور انسانوں کا۔ اس کے باوجود آج بہت سے متمول شہر مکہ کی عظمت سے حسد کرتے ہیں، وہ عظمت و مقام جو اسے اس بات سے حاصل ہوا کہ خانہ کعبہ مکہ مکرمہ میں ہے اور مزید براں یہ کہ اس شہر کو شاہ مرسلان ہمارے آقا حضرت محمد ﷺ کی جائے پیدائش ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

ہمارے عہد میں باوجود اس بات کے کہ دنیا کے دور دراز علاقوں سے آنے والے لاکھوں حجاج کرام اپنے ساتھ تحائف لاتے ہیں مگر مکہ میں آنے کے بعد، خانہ کعبہ میں داخلے کے وقت وہ اپنے آپ کو بے دست و پا محسوس کرنے لگتے ہیں کیونکہ مکہ "شہروں کی ماں" میں کھڑے محلات اور مساجد کی شان و شوکت کے سامنے دنیا کا بڑے سے بڑا شہر بھی ہیچ لگتا ہے۔ مومنین کی نظروں میں اس شہر کے خزانوں کی چمک دمک بے مثال ہے جو ارضی یا زمینی نہیں۔ بھلا انوار و تجلیات کی روشنی سے مزین خانہ کعبہ کا مقابلہ دنیا کا کون سا معبد یا عمارت کر سکتی ہے!

مکہ بظاہر تو دوسرے عرب صحرائی مراکز سے مختلف نہیں لیکن پورے عالم اسلام کے لئے

قبلہ کی حیثیت سے ضرور ممتاز و منفرد ہے۔ یہاں زیادہ عالیشان محلات ہیں فلک بوس پلازے ہیں جنہیں مقابلتاً زیادہ بہتر طور پر سجایا گیا ہے لیکن اس کی انفرادیت کا زیادہ انحصار اس بات پر ہے کہ دنیا بھر سے مسلمان فریضہ حج یا عمرہ ادا کرنے یہاں حاضر ہوتے ہیں۔

اس شہر کے مشرق میں جبل ابی قبیس کی چوٹی پر کھڑا ہو کر دیکھا جائے تو یہ شمال سے جنوب کی طرف پھیلا نظر آتا ہے اور ایک تنگ وادی کی شکل اختیار کر گیا ہے پہلی نگاہ میں یہ اس سرزمین کا حصہ دکھائی دیتا ہے جس زمین پر یہ کھڑا ہے اس لئے کہ وہ بنجر اور چٹیل پہاڑ جو اسے گھیرے ہوئے ہیں وہ کسی نخلستان یا سرسبز و شاداب قطعہ زمین کے ذریعے اس سے جدا نظر نہیں آتے۔ گھروں کی چھتیں ان پتھروں سے الگ نظر نہیں آتیں جو چٹانوں سے لڑھک کر نیچے آ گئے ہوں۔ دیکھنے والوں کی آنکھیں رفتہ رفتہ اس منظر سے مانوس ہو جاتی ہیں اور انہیں تعمیراتی حدیں اپنی اپنی جگہ نظر آنے لگتی ہیں، پھر وہ گھروں کے اندر جانے والے پراسرار راستے بھی پہچان جاتے ہیں، آسمان کی بلندیوں کو چھوتے ہوئے منقش مینار بھی سامنے ہوتے ہیں اور پھر اسے یوں لگتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا تصوراتی شہر اس کی نظروں کے سامنے ہے اور اس کی وسعتوں میں ہر لحظہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پھر چٹانیں مکانوں میں بدلنے لگتی ہیں، اور پہاڑیاں حد نگاہ تک مضافاتی بستیوں میں ڈھل جاتی ہیں۔

دیکھنے والی نظریں ابھی ایک ہیولے میں سے وجود پانے والی تیکھے ڈیزائنوں کی عمارات ہی دیکھ رہی تھیں اور انہیں بلند و بالا چٹانوں اور مکانوں میں امتیاز کرنا مشکل لگ رہا تھا کہ اچانک ایک شش پہلو فن تعمیر کا شاہکار سامنے دیکھ کر دنگ رہ جاتی ہیں۔ یہ شاہکار ایک وسیع چوکور صحن کے وسط میں تعمیر ہوا ہے۔ اس پر سیاہ ریشمی غلاف چڑھا دیا گیا ہے جو پس منظر میں دکھائی دینے والی سورج کی گرمی سے جھلسی ہوئی سرزمین کے ہلکے اور کم روشن رنگوں کے بالمقابل گہرے سیاہ رنگ کی وجہ سے پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔

یہ شش پہلو تعمیر خانہ کعبہ کی شکل میں موجود ہے، اسے اسلام کے حقیقی دل کی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح بہت سی شریانیں خون کی گردش کو دل تک پہنچاتی ہیں تاکہ جسم و جاں کا رشتہ قائم رہے اسی طرح عالم اسلام کی تمام عبادات خانہ کعبہ تک پہنچتی ہیں تاکہ روحوں کے لئے حیات بخش ثابت ہوں۔ روئے زمین پر یہ واحد مقام ہے جہاں مسلمان لافانی خالق کائنات کی عبادت کرتے ہوئے ایک دوسرے سے بالمشافہ مل سکتے ہیں۔

خانہ کعبہ اور حجر اسود 'تاریخی تناظر میں۔

کعبہ روضہ نبی کریم ﷺ نہیں، نہ ہی یہ کوئی ایسی شے ہے جس کی پرستش کی جائے، جیسا کہ بہت سے یورپی باشندوں کا خیال ہے۔ یہ ایک معبد ہے، عبادت گاہ ہے جسے "بیت اللہ الحرام" (اللہ کا

مقدس گھر) کہتے ہیں اس کی ابتداء کے بارے میں جاننے کے لئے ہمیں عہد عتیق میں جانا ہو گا۔

عرب روایت کے مطابق، کعبہ کی تعمیر انسانوں کے جد امجد حضرت آدمؑ نے کی-- سیلاب سے تباہ ہو جانے کے بعد اسے اللہ کے پیغمبر حضرت ابراہیمؑ نے از سر نو پہلے والی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا-- اس کام میں ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیلؑ بھی شامل تھے جو عربوں کے اسلاف میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کی مرمت کا کام جاری رہا۔ خانہ کعبہ کی حدود ایک عرصے تک وہی رہیں اور پورے عرب سے حجاج اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کے لئے یہاں جمع ہوتے ہیں۔ یہ لوگ "طواف" کے نام سے اپنے آباؤاجداد کی پیروی میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگاتے ہیں۔

رفتہ رفتہ جب ایک اللہ کی عبادت میں کمی آنے لگی اور بت پرستی شروع ہو گئی تو خالق کائنات نے پیغمبر آخرالزماں حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تاکہ آپ ﷺ وہ 360 بت توڑ دیں جن کی پوجا ہو رہی تھی اور پھر سے ایک اللہ کی عبادت جاری ہو۔

خانہ کعبہ میں مشرقی سمت مشہور "حجر اسود" چاندی کے فریم میں مڑھا ہوا نصب کیا گیا ہے -- جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی اس وقت یہ پتھر جبریلؑ نے جنت سے لا کر حضرت ابراہیمؑ اور ان کے فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو دیا تھا۔ باپ بیٹے نے اس پتھر کو جس جگہ نصب کیا تھا یہ آج تک وہیں نصب ہے اور حجاج طواف کے سات چکروں کا آغاز یہیں سے کرتے ہیں۔ شروع شروع میں یہ پتھر دودھ کی طرح سفید تھا پھر جب حجاج رب رحیم سے اپنے گناہوں کی معافی کے لئے ملتجی ہوتے اور اسے چھوتے یا بوسہ دیتے تھے تو ان کے گناہوں کی آلودگی سے اس کی سفیدی سیاہی میں بدلتی گئی۔

کعبہ کے بالکل پاس ہی چاہ زم زم ہے۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ شیر خوارگی میں اپنی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہؓ کے ساتھ صحرا میں گم ہو گئے تھے اور پیاس سے نڈھال تھے تو آپ کے زمین پر ایڑیاں رگڑنے سے معجزاتی طور پر جو پانی کا چشمہ جاری ہو گیا تھا یہ وہی آب زمزم ہے۔ عرب قبائل کی غفلت کی وجہ سے ایام جاہلیت کے تاریک دور میں پانی کے اس چشمے کو ریت نے بند کر دیا تھا۔ مگر آنحضور ﷺ کی پیدائش سے چند سال قبل حضرت عبدالمطلب نے اس چشمے کی صفائی کرائی تو آب زم زم پھر سے جاری ہو گیا تھا پھر اس دن سے آج تک حجاج اس پانی کو نہ صرف تقدس کی نظر سے دیکھتے ہیں بلکہ اسے پینے کے ساتھ ساتھ وضو کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور یوں اپنے اسلاف کی یاد تازہ کر کے اپنے لئے تطہیر و تحریم کا سامان مہیا کرتے ہیں۔

"سقایہ" (پانی کی سپلائی کا انتظام) اور "حجابہ" (انصرام کعبہ) دو ایسی اسامیاں تھیں جو اپنے استحقاق کی بنیاد پر بڑی اہم سمجھی جاتی تھیں۔ وہ عہد جس سے ہماری کہانی کا آغاز ہوتا ہے اس عہد

میں یہ دونوں ذمہ داریاں مستقبل کے پیغمبر کے دادا، قبیلہ قریش کے عبد المطلب بن ہاشم کے ہاتھوں میں جمع ہو گئی تھیں۔

نبی کریم ﷺ کے والد محترم حضرت عبداللہ کی شادی خانہ آبادی

ایک روز حضرت عبد المطلب، متولی کعبہ جب حرم سے نکل رہے تھے تو آپ کے پیارے فرزند حضرت عبداللہ آپ کا ہاتھ تھامے ساتھ ساتھ تھے۔

خانہ کعبہ کی دہلیز پر قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون قتیلہ بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑکے کو دیکھنے کے بعد وہ کھڑی ہو گئی اور فوری حیرت واستعجاب کا اظہار کیا۔ اس نے لڑکے کو بغور دیکھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس کی پیشانی سے منعکس روشنی نے اسے بے حد مرعوب کیا تھا، اس طرح کی روشنی اس نے پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔ لڑکے سے مخاطب ہو کر اس نے پوچھا: "تم کہاں جارہے ہو؟" "جہاں میرے ابا مجھے لے جارہے ہیں" لڑکے نے جواب دیا۔ "رک جاؤ اور میری بات بغور سنو۔ میں تمہیں ایک سو اونٹ دوں گی، یہ وہ تعداد ہے جس تعداد میں تمہارے ابو تمہاری زندگی بچانے کے لئے اونٹ قربانی میں دینے کے پابند تھے، صرف اس شرط پر کہ تم فوراً اپنے آپ کو مجھ پر گرا دو۔" --"میں اپنے ابا کے ساتھ ہوں اور میں ان کی حکم عدولی نہیں کر سکتا نہ ہی انہیں چھوڑ سکتا ہوں" عبداللہ نے جواب دیا۔ وہ عبد المطلب جیسے معزز شخص کی موجودگی میں اس خاتون کی بے باکی پر پتھر بن گئے تھے۔

یہ نوجوان تذبذب کی حالت میں مڑا اور دوبارہ حضرت عبد المطلب کے ساتھ ساتھ چلنے لگا جو اسے وہیب ابن عبد مناف کے گھر لے گئے۔ حضرت عبد المطلب کے خیال میں ابن عبد مناف کی بیٹی جس کے ذمہ چاہ زم زم کا انصرام تھا ان کے لڑکے کے لئے اچھی شریک حیات ثابت ہو سکتی تھی۔

وہیب قبیلہ بنی زہرہ کے سرداروں میں سے ایک تھے اور عبد المطلب خاندان قریش کے متمول لوگوں میں شمار ہوتے تھے، یہ قبیلہ بہت معزز سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح بڑی آسانی سے دو بڑے قبیلوں میں اتحاد ہو سکتا تھا اور دو ایسے خاندان جن کا تعلق اشرافیہ سے تھا قریب آ سکتے تھے۔ چنانچہ مزید وقت ضائع کئے بغیر حضرت عبداللہ کی شادی وہب کی بیٹی آمنہ سے کر دی گئی۔

حضرت عبداللہ اپنی دلہن کے ہمراہ اپنے چچا حضرت ابو طالب کے گھر چلے گئے تھے۔ یہ جوڑا اس گھر میں تین دن اور تین راتیں مقیم رہا اور شادی کی دیگر رسمیں یہیں ادا کی گئیں جب یہ نوبیاہتا نوجوان گھر سے باہر نکلا تو اس کا آمنا سامنا ایک بار پھر قتیلہ سے ہوا۔ یہ وہی عورت تھی جس نے اس سے پہلے ایک روز حضرت عبداللہ کا استقبال کرتے وقت ناشائستہ الفاظ استعمال کئے تھے مگر

وہ حیران تھے کہ آج پاس سے گزرتے وقت اس خاتون نے بڑی لاتعلقی کا مظاہرہ کیا تھا۔ عبداللہ کا شمار مکہ کے خوبصورت ترین نوجوان کے طور پر ہوتا تھا۔ ان کی مردانہ وجاہت سے شہر بھر کی کئی خواتین اس قدر متاثر تھیں کہ جب ان کی شادی کا اعلان ہوا تو وہ حسد اور مایوسی سے بیمار پڑ گئی تھیں۔ تاہم قتیلہ کسی سفلی جذبے کا شکار نہ تھی۔ وہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی جو پورے عرب میں آسمانی صحیفوں کے علم کی وجہ سے مشہور تھے۔ اپنے بھائی سے اسے معلوم ہوا تھا کہ ملک کے اس حصے میں ایک نبی تشریف لانے والے ہیں جن کے والد محترم کی پہچان یہ ہو گی کہ ان کا چہرہ موتیوں اور تاروں کی چمک دمک والی روشنی سے منور ہو گا یہی نشانی اس عورت کو حضرت عبداللہ کے چہرے پر نظر آئی تھی اور اس کے دل و دماغ میں یہ تمنا جاگ اٹھی تھی کہ وہ آنے والے رسول کی ماں بن جائے۔ اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا تھا اسی لئے اس نے حضرت عبداللہ کی طرف آج توجہ نہیں دی تھی۔ وہ ان کی پاکیزہ نظروں کی تاب نہیں لا سکتی تھی۔

حضرت عبداللہ اس ساری حقیقت سے ناواقف تھے اس لئے اس خاتون کے اس رویے سے آپ کو تکلیف پہنچی تھی۔ انکی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس عورت کے اشتیاق اور رغبت میں اس قدر جلدی یہ تبدیلی کیوں کر آئی۔ آپ نے قتیلہ سے پوچھا:

"تھوڑی دیر پہلے تم جس خواہش کی تکمیل کے لئے پاگل ہوئی جا رہی تھیں، تم نے دوبارہ مجھے دیکھ کر اس کا اظہار کیوں نہیں کیا؟"۔۔"آپ کون ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"میں عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں"۔

"کیا تم وہی نوجوان ہو جس کی پیشانی مجھے ایک نورانی ہالے کے اندر گھری نظر آئی تھی جو اب غائب ہو چکا ہے؟۔ بتاؤ گے کہ جب ہم دونوں پہلے ملے تھے اس کے بعد سے اب تک کے محدود سے وقت میں تم پر کیا بیتی؟ کیا واقعہ پیش آیا؟"

جب حضرت عبداللہ نے اسے اپنی شادی کے بارے میں بتلایا تو قتیلہ نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جس نور نے آنے والے پیغمبر کو اپنے جلو میں لینا تھا وہ حضرت عبداللہ کی پیشانی سے ان کی اہلیہ محترمہ حضرت آمنہؓ کے رحم مادر میں منتقل ہو چکا تھا۔

"اللہ کی قسم میں نے کوئی غلطی نہیں کی" اس خاتون نے حضرت عبداللہ کو بتایا:

"آپ کی پیشانی پر جو نور مجھے دکھائی دیا تھا میں دل و جاں سے چاہتی تھی کہ وہ میرے جسم کی نہاں خانوں میں اتر جاتا لیکن اب وہ کسی اور خاتون کی ملکیت ہے، اس خوش قسمت خاتون کے پاس ہے جو مستقبل میں افضل البشر، بنی نوع انسان میں افضل ترین انسان کو جنم دے گی اور اب جب کہ وہ نور تیری ملکیت نہیں رہا تو میں تیری پرواہ کیوں کرتی!"

اس علم و فضل سے آراستہ خاتون کی زبان سے جب حضرت عبد اللہ نے یہ الفاظ سنے تو مستقبل میں جس مبارک بچے کی پیدائش آپ کے گھر میں ہونے والی تھی اور جسے آگے چل کر پیغمبری سونپی جانی تھی اس کی خبر مل گئی تھی۔ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہے اور اپنے بیٹے کی پیدائش کی خوشی و مسرت نہ دیکھ سکے کیونکہ محمدؐ کے والد گرامی آپؐ کی پیدائش سے دو ماہ پہلے یثرب میں انتقال فرما گئے تھے۔

حضرت آمنہؓ اللہ کے منتخب بندے کی والدہ محترمہ نے فرمایا:

"میں نے محسوس کیا کہ رحم مادر میں بچے کی موجودگی کے پہلے روز سے لے کر پیدائش تک مجھے کبھی بھی کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوئی، نہ بچے کا وزن محسوس ہوا، نہ زچہ بچہ کے درد سے آشنا ہوئی-- مجھے احساس تک نہ ہوتا تھا کہ میں کچھ عرصے بعد ایک بچے کو جنم دینے والی ہوں۔ میں ایک روز سونے لگی تھی کہ ایک فرشتہ میرے پاس آیا اور کہا:

"کیا آپ کو خبر نہیں کہ آپ کے شکم مبارک میں وہ بچہ ہے جو آپ کی قوم کا سردار ہو گا، پیغمبری کے منصب سے سرفراز ہو گا؟ اس بات کو خوب سمجھ لو"-- اسی لمحے روشنی کی ایک لہر میرے جسم سے تیر کی مانند نکلی، شمالی سمت چلی گئی-- یہاں تک کہ سرزمین شام تک پہنچ گئی-- جب بچے کی پیدائش کی گھڑی قریب آئی، فرشتہ دوبارہ نازل ہوا اور مجھے یہ تنبیہ کی "جب آپ بچے کو جنم دیں تو یہ الفاظ ضرور پڑھیئے: "میں اس کے لئے اللہ کی حفاظت و پناہ طلب کرتی ہوں، اللہ وحدہٗ لاشریک کی، ان کے شر سے اسے محفوظ رکھنے کی جو اس سے حسد کریں گے-- اور آپ اسے محمد ﷺ کے نام سے پکاریں گی جس کا مطلب ہے "تعریف کیا گیا"-- تورات اور انجیل میں اس کا نام یہی دیا گیا ہے-- اور ایسا اس لئے ہے کیونکہ عرش اور زمین پر دونوں جگہ تمام اس کی تعریف کریں گے۔

جب مشتری سیارہ گزرا تو حضرت آمنہؓ کے جسم سے دوسری بار روشنی کی لہر نکلی اور ملک شام کی جانب بہت دور تک چلی گئی، اس سے بصرہ شہر کا محل جگمگا اٹھا تھا۔ اسی وقت اور بھی کئی غیر معمولی باتوں نے دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا: جھیل سواع یکدم خشک ہو گئی تھی، ایک شدید زلزلے نے کسریٰ کے محل کو ہلا کر رکھ دیا تھا، اس کے چودہ کنگرے گر گئے تھے، وہ مقدس آگ جو ہزار سال سے زائد عرصے سے جل رہی تھی بجھ گئی تھی اور اسے ملک فارس کے پجاریوں کی تمام تر کوشش بھی بجھنے سے نہ بچا سکی تھی، دنیا بھر کے بت شرمندگی و ندامت میں زمین بوس ہو گئے تھے۔ ان تمام واقعات نے ان لوگوں کے دلوں میں خوف ڈال دیا تھا جنھوں نے یہ سب باتیں وقوع پذیر ہوتی دیکھی تھیں۔ لیکن ایک پارسی مذہب کی پیشگوئیوں کے باوجود، جسے عالم خواب میں باخبر کیا گیا تھا کہ

عرب میں ایک ایسا واقعہ پیش آئے گا جو کائنات کے مقدر میں ایک انقلاب برپا کر دے گا۔ اس واقعہ کے بارے میں کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ یہ ماننے کے لئے تیار نہ تھے کہ مکہ کے قبیلہ قریش میں ایک بچے کی پیدائش، اس چھوٹے سے شہر میں ممکن ہو سکتی تھی جو صحرا میں گمنام سی حیثیت رکھتا تھا اور مشرق و مغرب کے بڑے بڑے شہنشاہ اس سے واقف نہ تھے اور کسی کو اس کا علم بھی تھا تو اس شہر کو وہ حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

تم نماز ادا کر چکو تو اللہ کو یاد کرو، کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے۔ (۴ : ۱۰۳)
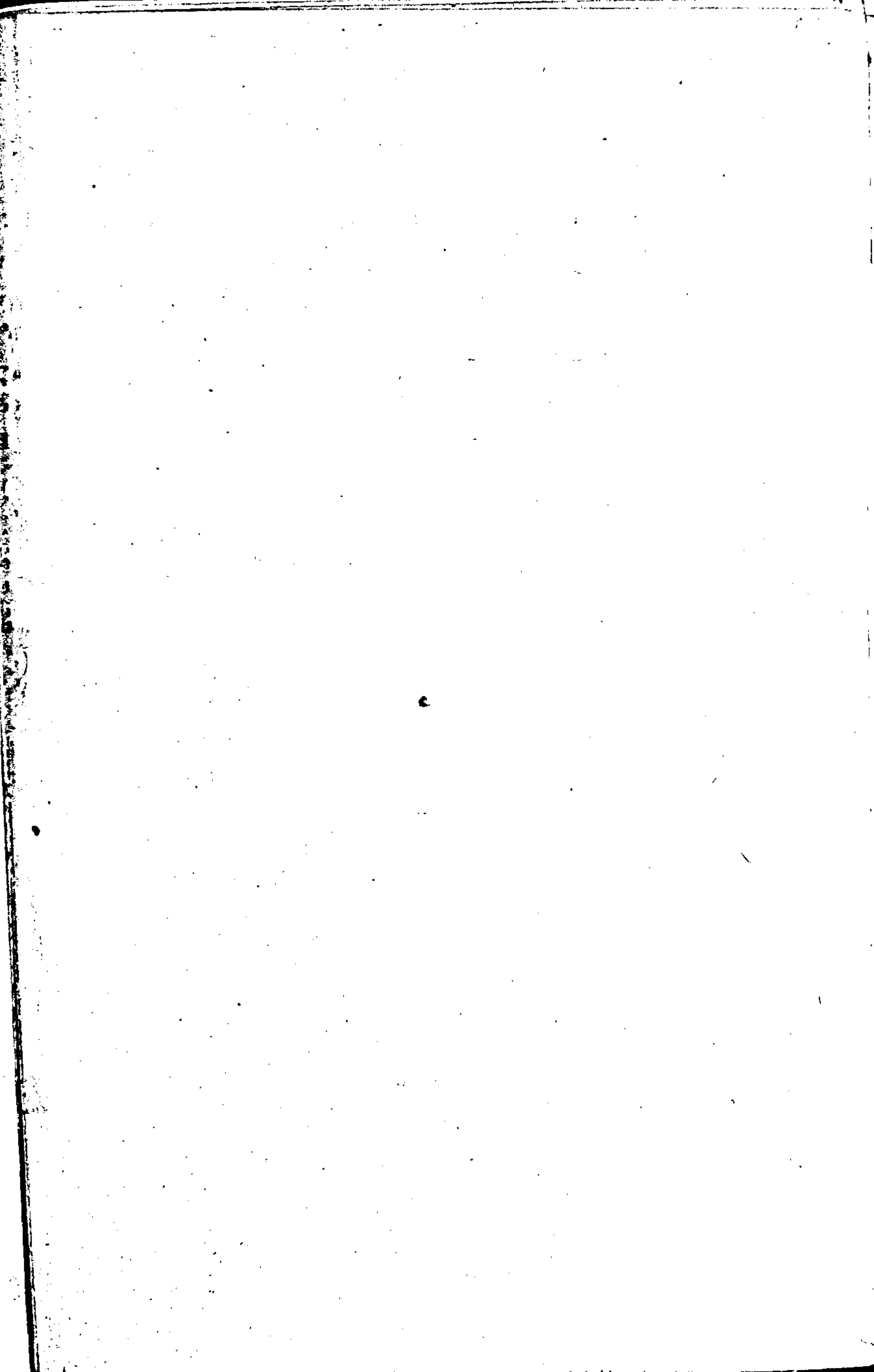
أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ

کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور آپ ﷺ سے آپ ﷺ کا

بوجھ اُتار دیا۔ (۹۴: ۱۔۲)

باب۔۲

حضرت محمد ﷺ کی پیدائش

ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ، صبح کے ستارے کے نظر آنے سے چند سیکنڈ پہلے ۱۲ ربیع الاول واقعہ فیل کے پہلے سال (بمطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء) بروز پیر پیدا ہوئے تھے۔ جب آپ ﷺ ایک نوزائیدہ بچے کی شکل میں اس دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کا جسم اطہر ہر طرح کی آلودگی و آلائش سے پاک تھا۔ ختنہ قدرتی طور پر کیا ہوا تھا اور ناف جبریلؑ کے ہاتھوں سے کٹی ہوئی تھی۔

شہر کی فضا شیر خوار بچوں کے لئے مہلک ہوتی تھی اس لئے سر کردہ شہری اپنے بچوں کو ان دایوں کے سپرد کر دیتے تھے۔ جو دوسروں کے بچوں کو دودھ پلاتی تھیں۔ وہ انہیں شہر سے دور اپنے گھروں میں لے جاتی تھیں۔ یہ ان مضافاتی بستیوں میں رہتی تھیں جہاں بدو یا خانہ بدوش آباد تھے۔

حضرت محمد ﷺ کی پیدائش کے فوراً بعد بنی سعد قبیلے کی کم و بیش بارہ عورتیں، جن کے رنگ گرم ہوا اور دھوپ میں سانولا گئے تھے مکہ پہنچیں تاکہ ایسے شیر خوار بچے حاصل کر سکیں جنہیں وہ دودھ پلا سکتی ہوں۔ ان میں سے ایک کے حصے میں اللہ کے پیغمبر کو دودھ پلانے کی سعادت آئی۔

یہ حضرت حلیمہ تھیں، بمعنی حلیم الطبع۔

حلیمہ بنت ذوئیب فرماتی ہیں:

"اس مرتبہ بڑی خشک سالی تھی، میں اور میرے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ بڑی مشکل میں تھے۔ ہم دونوں نے فیصلہ کیا کہ مکہ چلتے ہیں جہاں میں نے شوہر سے کہا کہ کوئی ایسا بچہ تلاش کرتے ہیں جس کے والدین اسے ہمارے حوالے کر دیں تاکہ میں اسے دودھ پلا سکوں۔ یوں ان کی مدد سے ہم اپنی موجودہ پریشانی سے نجات حاصل کر لیں گے۔ ہم ایک ایسے کاروان میں شامل ہو گئے تھے جس میں پہلے ہی ہمارے قبیلے کی کئی اور عورتیں شامل تھیں اور ہماری طرح اسی مقصد کے لئے یہ سفر کر رہی تھیں۔

قبیلہ بنی سعد میں حضرت محمد ﷺ کا بچپن

جس گدھی پر میں سوار تھی وہ اس قدر کمزور اور ڈبلی پتلی تھی کہ سڑک پر ہانپتے ہوئے گرنے والی تھی۔ ہم نے پوری رات جاگ کر گزاری تھی کیونکہ میرے شیر خوار بچے نے بھوک کی وجہ سے رات رو رو کر گزاری تھی۔ نہ میری چھاتیوں میں ایک قطرہ تک دودھ تھا نہ اس اونٹنی کے تھنوں میں جس پر میرا شوہر سوار تھا۔

تمام رات جاگ کر گزارنے کے بعد میں مایوسی کا شکار ہو گئی تھی۔ میں اس خطرناک حالت میں کیوں کر یہ توقع کر سکتی تھی کہ میں دودھ پلانے کے لئے کوئی شیر خوار بچہ لے آؤں گی۔ میرے تو اپنے بچے کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔

ہم کاروان میں بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ آخر کار ہم مکہ پہنچے۔ ہمارے پہنچنے تک تمام نوزائیدہ بچے پہلے ہی مختلف عورتوں کو دیئے جا چکے تھے، صرف ایک بچہ باقی رہ گیا تھا اور وہ تھے محمد ﷺ۔

آپ ﷺ کے والد محترم انتقال فرما چکے تھے، خاندان غریب تھا۔ باوجود اس بات کے کہ اس بچے کے خاندان کا مکہ میں بڑا اونچا مقام و مرتبہ تھا پھر بھی کوئی دائی اس بچے کو لینے پر رضامند نہ تھی۔

پہلے تو ہم نے بھی اس بچے کو چھوڑ دیا تھا لیکن اس خیال سے کہ خالی ہاتھ واپس جانے پر بڑی شرمندگی ہو گی، دوسری عورتیں جنہیں بچے مل گئے تھے میرا تمسخر اڑائینگی، انہیں اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو گا۔ علاوہ ازیں میں اس خوبصورت گلاب سے بچے کو دیکھ کر بڑی جذباتی ہو چکی تھی اور سوچنے لگی تھی کہ یہ بچہ شہر کے آلودہ اور ضرر رساں ماحول میں رہ گیا تو مرجھا جائے گا۔ کملا جائے گا۔

میرے دل میں ہمدردی کا جذبہ عود کر آیا تھا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے معجزانہ طور پر میری چھاتیوں میں دودھ کے سوتے ابلنے لگے ہوں۔ میں نے اپنے شوہر سے کہا:

"میں اللہ کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ باوجود اس بات کے کہ ہمیں بہت کم امیدیں وابستہ ہیں کہ ہم ایسا کرنے سے کوئی قابل ذکر آمدنی حاصل کر سکیں گے مگر نہ جانے کیوں میرا ذہن اس جانب مائل ہو گیا ہے کہ اس یتیم بچے کو گود لے لیں"۔۔ شوہر نے جواب دیا:

"میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ تم غلطی کر رہی ہو۔ ہو سکتا ہے ایسا کرنے سے ہمارے خیمے پر ایک بار اور اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں"۔

خاوند کی پوری بات سنے بغیر میں اس خوبصورت بچے کی طرف لپکی جو گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے اس کے ننھے منے خوبصورت سینے پر اپنا ہاتھ رکھا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھیں

کھولیں جو روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہی تھیں۔ میں نے دونوں آنکھوں کے درمیان اس کی پیشانی کو چوما۔ پھر اسے مضبوطی سے اپنی آغوش میں لیتے ہوئے میں اس مقام کی جانب چل پڑی جہاں ہمارے قافلے نے ڈیرہ لگایا تھا۔ وہاں پہنچ کر میں نے بچے کو اپنی دائیں چھاتی سے دودھ پلایا جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے اس کی نشو و نما کے لئے اس کا مقدر کر دیا تھا۔ میں حیران تھی کہ اس کی بھوک مٹانے کے لئے اس میں کافی دودھ تھا۔ میں نے بائیں چھاتی سے بھی دودھ پلانا چاہا تو اس نے منہ موڑ لیا۔

اس نے اس حصے کا دودھ اپنے رضائی بھائی کے لئے چھوڑ دیا تھا اور پھر اس نے ہمیشہ ایسا ہی کیا۔ ایک زیادہ بڑا معجزہ اس وقت پیش آیا جب ہماری اونٹنی کے وہ تھن جو اس صبح خشک تھے ان میں سے میرے خاوند نے اتنا دودھ نکالا جس سے میری وہ بھوک ختم ہو گئی تھی جو میری انتڑیاں کتر رہی تھی۔ مہینوں بعد پہلی بار یہ رات ایسی آئی تھی جس کے سایے میں ہم نے میٹھی نیند کے مزے لوٹے تھے اگلی صبح بیدار ہوتے ہی میرے شوہر نے کہا: "اے حلیمہ! پروردگار کی قسم، تم نے ایک ایسے بچے کو گود لیا ہے جو بیشک بڑی برکتوں والا ہے!"

اس معصوم بچے کو لے کر میں اپنی گدھی پر سوار ہوئی تو وہ سرپٹ دوڑنے لگی تھی۔ کافی فاصلے تک وہ میرے قافلے کے باقی ساتھیوں کے جانوروں کے ساتھ ساتھ بھاگتی رہی اور پھر ان سے آگے نکل کر سب کو حیران کر گئی یہ دیکھ کر وہ چلا اٹھے اور کہنے لگے "اے حلیمہ اپنی گدھی کو ذرا سا کھینچ کر رکھ تاکہ ہم سب مل کر واپس گھروں کو پہنچیں۔ کیا یہ وہی جانور ہے جس پر سوار ہو کر تم گھر سے چلی تھیں؟" "ہاں ہاں یہ میری وہی گدھی ہے کوئی دوسرا جانور نہیں۔" "پھر یہ ضرور کسی جادو منتر کے زیر اثر ہے جس کا توڑ ہمارے پاس نہیں۔"

ہم بنی سعد کے خیموں تک پہنچ گئے تھے۔ میں اپنی زمین سے زیادہ بنجر و ویران کسی اور زمین کے بارے میں نہیں جانتی اور ہمارے ریوڑوں کو قحط نے گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اس بار ہمارے جانوروں کی تعداد بہت اچھے موسموں کے دوران والی تعداد سے بھی بڑھ گئی تھی۔ ہماری بھیڑ بکریوں اور اونٹنیوں نے اتنا دودھ دینا شروع کر دیا تھا کہ ہماری سمجھ میں نہ آتا تھا اس کا کیا کریں کیونکہ یہ تو ہماری ضرورت سے بڑھ گیا تھا۔

اس کے برعکس ہمارے پڑوسیوں کے ریوڑ بری حالت میں تھے اور ان کے مالک سارا الزام اپنے گلہ بانوں کو دے رہے تھے۔

"تم پر اللہ کی مار، اے احمق چرواہو!" بھیڑوں کے مالکان نے چیخ چیخ کر کہا۔

"جاؤ اور ہماری بھیڑوں کو حلیمہ کی بھیڑوں کے ساتھ چرنے کے لئے چھوڑ دو۔" چرواہوں

نے تعمیل تو کی مگر بے سود۔۔ سبز سبز گھاس کی طرف ان کی بھیڑیں رخ کرتیں تو وہ فوراً خشک ہو جاتی۔ انہیں مایوس لوٹنا پڑتا۔

خوشحالی اور اللہ کی رحمتوں نے ہمارے خیمے کا رخ کر لیا تھا۔ محمد ﷺ دو سال کے ہو گئے تو میں نے ان کا دودھ چھڑا دیا تھا۔ آپ ﷺ کا فطری میلان یقیناً باقی بچوں سے مختلف تھا۔ نو ماہ کی عمر میں وہ اس قدر خوبصورت اور دلنشیں لب و لہجے میں بات کرتے کہ سننے والوں کے دل موہ لیتے تھے۔ آپ کبھی گندے اور میلے نظر نہ آئے۔ نہ کبھی روتے چلاتے تھے سوائے ایک موقع کے، جب کبھی اتفاقاً آپ ﷺ کے جسم کے کسی حصے سے کپڑا ہٹ جاتا تھا۔ رات کو جب کبھی آپ بے آرام ہوتے تو سونے سے انکار کر دیتے تھے۔ میں انہیں خیمے سے باہر لے آتی۔ وہ فوراً ستاروں کو تعریف بھری نظروں سے دیکھنے لگتے تھے۔ اسطرح وہ بہت خوش ہوتے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ان کی آنکھیں بند ہونے لگتی تھیں اور آپ نیند کی آغوش میں چلے جاتے تھے"۔

دودھ چھڑانے کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ کو محمد ﷺ کو آپؐ کی والدہ ماجدہ کے پاس واپس لانا پڑا کیونکہ وہ اپنے بیٹے کی واپسی کا بڑی بے چینی سے انتظار فرما رہی تھیں۔ دائی غریب کو اس کا کس قدر رنج ہوا ہوگا!۔ وہ اس جدائی کی گھڑی کو کیسے برداشت کرتی۔ مکہ پہنچتے ہی وہ حضرت آمنہؓ کے پاؤں پر آکر گر گئیں اور بڑے عجز و انکسار کے ساتھ پاؤں چومنے لگی تھیں۔

"دیکھئے بادیہ کی طاقت بخش ہوا نے آپ کے بچے کو کس قدر فائدہ پہنچایا ہے اور اب جبکہ بچہ پاؤں پر چلنے لگا ہے وہ ہوائیں اسے اور زیادہ فائدہ پہنچائینگی۔ شہر کی آلودہ اور ضرر رساں ہوا سے آپ کو ڈر نہیں لگتا، جو اس بچے کیلئے نقصان دہ ہے! آپ تو کبھی نہیں چاہیں گی کہ آپ کی نظروں کے سامنے یہ پھول کملا جائے۔ میرے الفاظ یاد رکھیئے گا اور خدانخواستہ خدانخواستہ کوئی ایسی ویسی بات ہو تو مجھے بروقت اطلاع ضرور کر دیں۔"

ان متاثر کن دعائیہ الفاظ کو سن کر اور اپنے بیٹے کی صحت و تندرستی کو اولیت دیتے ہوئے حضرت آمنہؓ نے اپنی مادرانہ شفقت و محبت کے جذبے پر قابو پاتے ہوئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ حضرت حلیمہ، محمد ﷺ کو واپس بادیہ لے جائے۔ آنحضور ﷺ کی نیک دل دائی نے آپ کو اپنی پیٹھ پر باندھ لیا اور خوشی خوشی اس سڑک پر چل پڑیں جو آپ کے ڈیرے کی طرف جاتی تھی۔

بنو سعد قبیلے کی بستی میں جو بادیہ میں تھی دوبارہ آنے کے بعد محمد ﷺ نے بے داغ ریتلی ابھری ہوئی زمین پر اپنے قدموں کے پہلے نشان ثبت کئے۔ آپ ﷺ نے چھوٹی چھوٹی ٹیکریوں پر اگے ہوئے خوشبودار پودوں کی مہک سے اپنی سانسوں کو معطر کیا۔ ایک بار پھر کھلے نیلگوں آسمان کے خیمے تلے، جس کی چھت میں ستارے ٹکے ہوئے تھے، محو خواب ہوئے۔ آپ ﷺ نے

صحرائی راتوں میں صاف و شفاف آلودگی سے پاک ہوا میں سانس لیا۔ خانہ بدوشوں کے ہاں ملنے والی قوت بخش غذا کو خوش آمدید کہا جس میں دودھ اور پنیر کے ساتھ ایسی غیر خمیری روٹی شامل تھی جو گرم راکھ تلے پکائی جاتی تھی کبھی کبھی اونٹ یا بھیڑ بکری کا گوشت بھی کھانے کو ملتا تھا، اس میں اون کی چکناہٹ سے پیدا ہونے والی وہ بو شامل نہیں ہوتی تھی جو بند اصطبلوں میں پرورش پانے والے جانوروں سے آتی ہے۔

بادیہ میں ملنے والی یہ اخلاقی اور جسمانی نعمت آنحضور ﷺ کے لئے مستقبل کے صبر آزما ایام میں بڑی مددگار ثابت ہوئی۔ آپ ﷺ اپنے بچپن کے دنوں کو یاد کر کے بہت خوش ہوتے تھے "اللہ کے مجھ پر دو بڑے احسانات ہیں" وہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ "پہلا تو یہ کہ مجھے عرب قبائل میں سے نہایت شریف اور قابل احترام قبیلہ قریش میں پیدا کیا اور دوسرا یہ کہ مجھے قبیلہ بنی سعد کے علاقے میں پرورش پانے کا موقعہ ملا۔ یہ علاقہ پوری سرزمین حجاز میں آب و ہوا اور غذا کے لحاظ سے سب سے زیادہ صحت بخش تھا"۔

محمد ﷺ اور دو فرشتے

آپ ﷺ کے ذہن پر نقش وہ صحرائی مناظر کبھی ماند نہیں پڑے تھے، جب دوسرے خانہ بدوش لڑکوں کے ساتھ وہ ایک چٹان پر کھڑے ہو کر ایک چرتے ہوئے ریوڑ کو دیکھا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کی قوت متخیلہ بھی تیز تھی اور آپ غور و فکر اور تدبر بھی کرنے والے تھے مگر اس کے باوجود آپ ﷺ اپنے ہم عمر چھوٹے چھوٹے بدو لڑکوں کی سرکشی و فساد انگیزی کے جذبات سے اتفاق نہ فرماتے تھے، اور ان سے الگ تھلگ چھپ رہنے کو ترجیح دیتے تھے۔ آپ ﷺ تنہا اپنے خیموں سے کچھ دور گھومتے رہتے تھے۔ ایک صبح وہ اپنے رضائی بھائی کے ہمراہ اپنے رضائی والد کے ریوڑ لے کر چراگاہ کی طرف گئے ہوئے تھے۔ نصف دن گزر چکا تھا کہ اچانک محمد ﷺ کا ساتھی اکیلا واپس گھر پہنچا۔ اس نے اپنے والدین کو زور زور سے آواز دی: "جلدی آیئے، جلدی آیئے!" اس کی آواز میں خوف و ہراس شامل تھا۔ "میرا قریشی بھائی ہم سے کہیں علیحدہ ہو گیا تھا یہ بات اس کی عادت اور معمول کے مطابق تھی دو آدمیوں نے جو سر سے پاؤں تک سفید لباس میں تھے اسے پکڑ کر زمین پر لٹا لیا اور اس کا سینہ چاک کر ڈالا" -- بے چاری حلیمہ خوف سے ہانپتی کانپتی اپنے شوہر کے ہمراہ اس طرف بھاگی جس سمت نوجوان گڈریے نے اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ ایک پہاڑی کی چوٹی پر تشریف فرما ہیں۔ وہ بالکل خاموش تھے لیکن ان کے چہرے پر اس مٹی کی معمولی سی جھلک موجود تھی جس مٹی میں ہم سب نے لوٹ کر جانا ہے۔ حضرت حلیمہ اور آپ کے شوہر نے آنحضور ﷺ کو چھاتی سے لگایا، پیار کیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

"آپ ﷺ کو کیا چیز پریشان رکھتی ہے اے ہمارے پیارے بچے؟ آپ پر کیا گزری؟"

"میں جب گھاس چرتی بھیڑوں کی نگرانی کر رہا تھا، آپ ﷺ نے جواب دیا، "تو میں نے دو سفید صورتیں دیکھیں۔ پہلے تو میں سمجھا یہ دو بڑے بڑے پرندے ہیں مگر جب وہ نزدیک آئے تو مجھے احساس ہوا کہ نہیں میری غلطی تھی، یہ تو دو آدمی تھے جو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے سفید چغوں میں ملبوس تھے۔ ان میں سے ایک نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے دوسرے سے پوچھا: کیا یہی وہ لڑکا ہے؟"

"ہاں یہ وہی ہے"۔ میں خوفزدہ کھڑا تھا کہ انہوں نے مجھے پکڑ لیا، زمین پر لٹا دیا اور میرا سینہ چاک کر ڈالا۔ پھر میرا سینہ سی کر وہ خیالی ہیولے کی مانند غائب ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں یوں اشارہ فرماتے ہیں،

"کیا ہم نے آپ ﷺ کا سینہ نہیں کھول دیا اور آپ ﷺ سے آپ ﷺ کا بوجھ اتار دیا جس نے توڑ دی (جھکا دی) آپ ﷺ کی پشت"۔ (۹۴: ۱۔۳)

یہ قصہ اور اس طرح کے اور بہت سے قصص جو اس کتاب میں آپ کو ملیں گے انہیں ایک حکایت کے طور پر لیا جائے جو ان کے حوالے سے اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اللہ نے محمد ﷺ کا سینہ اس وقت کھول دیا تھا جب وہ ابھی بہت چھوٹے تھے، تاکہ توحید پرستی کی سچائی کا لطف وسرور اس میں نفوذ کر سکے اور یوں بت پرستی کے بھاری بوجھ سے آپ ﷺ کو نجات مل جائے۔

محمد ﷺ کے رضائی والدین مسلسل گھبراہٹ و پریشانی میں تھے کہ حارث نے اپنی بیوی نے کہا: "مجھے ڈر ہے کہ یہ بچہ بیمار نہ پڑ جائے۔ بظاہر یوں لگتا ہے جیسے پڑوسیوں نے حسد میں ہماری اس خوشحالی اور نعمتوں کی فراوانی کی وجہ سے جو اس بچے کی آمد ہمارے خیمے میں لائی ہے ہم پر کوئی جادو نہ کر دیا ہو۔ کہیں یہ کسی بدروح کا پیدا کردہ فریب نظر نہ ہو یا اس کے برعکس جو کچھ اس بچے نے دیکھا ہے وہ ایک حقیقت ہو اور ہمارے روشن اور خوشحال مستقبل کی طرف اشارہ کرتی ہو، ہماری ذمہ داری کسی طرح بھی کچھ کم نہیں۔ اس سے قبل کہ اس بچے کی حالت دگرگوں ہو کیوں نہ اسے اس کے خاندان میں واپس چھوڑ آئیں"۔

حضرت حلیمہؓ کو اس بات کا افسوس بھی تھا مگر وہ شوہر کے دلائل کے سامنے لاجواب ہو گئی تھیں چنانچہ محمد ﷺ کو اپنے ہمراہ لے کر وہ مکہ کی طرف روانہ ہو گئیں۔

محمد ﷺ چار برس کے ہو گئے تھے اور حضرت حلیمہؓ کے ساتھ ساتھ چلتے جا رہے تھے۔

ابھی وہ شہر سے باہر ہی تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک ہجوم مارکیٹ یا خانہ کعبہ کی طرف جا رہا ہے اور یہ اس ہجوم میں گھر گئے ہیں۔ رات ہو چکی تھی اس بہت بڑے ہجوم کے دھکم پیل میں حضرت حلیمہ اپنے رضائی بیٹے سے جُدا ہو گئی تھیں۔ اندھیرے میں بیٹے کو تلاش کرنا ممکن نہ تھا۔ وہ مایوسی سے بھری آواز میں بیٹے کو تلاش بھی کر رہی تھیں اور بار بار نام لے کر صدا بھی دے رہی تھیں۔ پھر مزید وقت ضائع کئے بغیر وہ اس بات کی اطلاع دینے حضرت عبدالمطلب کے پاس پہنچیں، جن کا معاشرتی مقام و مرتبہ ایسا تھا کہ ان کے لئے اپنے پوتے کی تلاش میں ہوشیار آدمیوں کو بھیجنا بہت آسان تھا۔ وہ خود گھوڑے پر سوار تلاش کرنے والوں کی رہنمائی کر رہے تھے۔

تہامہ کے پانی کے چشمے پر پہنچ کر تلاش میں آنے والوں میں سے ایک نے جلد ہی ایک بچہ دیکھا جو کچھ جھاڑیوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ان جھاڑیوں کی ٹہنیاں اور پتے کھینچنے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اس سے پوچھا گیا۔ "بچے! تم کون ہو؟" جواب ملا: "میں محمد ﷺ ہوں عبداللہ بن عبدالمطلب کا بیٹا"۔ اس شخص نے خوش ہو کر اس بچے کو اٹھا لیا اور اسے دادا کے بازوؤں میں لا کر دے دیا جو گھوڑے پر سوار ابھی کچھ دور تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے محمد ﷺ کو گلے لگا کر پیار کیا، گھوڑے پر اپنے آگے بٹھا لیا اور آپ ﷺ کو مکے واپس لے آئے۔ اپنی خوشی کے اظہار کیلئے دادا نے کچھ بھیڑیں ذبح کر کے ان کا گوشت شہر کے غرباء و مساکین میں تقسیم کر دیا۔ پھر پوتے کو اپنے کندھے پر بٹھا کر آپ نے شکر گزاری کے طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ حضرت حلیمہؓ بھی ساتھ تھیں جو اب اپنے غم اور پریشانی سے نکل آئی تھیں۔ پھر حضرت عبدالمطلب محمد ﷺ کو آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ کے پاس لے آئے۔ انہوں نے ایک محبت کرنے والی ماں کے پیار کا بڑا جذباتی مظاہرہ کیا، پھر حلیمہ سعدیہ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا: "یہ سب کیا ہے؟ اے دائی حلیمہ تم تو میرے بیٹے کو اپنے پاس رکھنے پر مصر تھیں اور اب یہ اچانک اسے میرے پاس واپس کیوں کر لے آئی ہو؟"

"میں نے سوچا کہ آپ کا بیٹا اب اس عمر کا ہو گیا ہے کہ اب میں اس کے لئے شاید وہ کچھ نہیں کر سکتی جو میں نے اب تک کیا۔ پریشان کن حادثات کے ڈر سے میں اس بچے کو واپس آپ کے پاس لے آئی ہوں میں جانتی تھی کہ آپ کی آرزو تھی کہ آپ اسے دوبارہ دیکھیں اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں۔"

تاہم افسردگی اور بے چینی دائی حلیمہ کے چہرے سے عیاں تھی۔ جو کچھ حلیمہ سعدیہ نے کہا اس سے حضرت آمنہؓ کو اطمینان نہ ہوا اور آپ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے پوچھا:

"تم بچے کو واپس لانے کا اصل سبب مجھ سے چھپا رہی ہو، میں تمہاری زبان سے سب پتہ چ

سچ سننا چاہتی ہوں"۔

حلیمہ نے بہتر سمجھا کہ جو کچھ آپ کے خاوند نے کہا تھا وہ دہرا دے اور یہ ساری بات سن کر ایک ماں کو بیٹے پر جو ناز تھا اسے ٹھیس پہنچی۔ "کیا ایسا بھی ممکن ہے کہ تم محض اس بات سے خوفزدہ ہو کہ میرے بیٹے پر کوئی ابلیسی قوت حملہ کر سکتی ہے۔" حضرت آمنہؓ نے تیز تیز الفاظ میں کہا۔ "میں اعتراف کرتی ہوں کہ کچھ ایسا ہی خوف مجھے دامن گیر ہے" حلیمہ نے کہا۔ "تو پھر غور سے سن لو کہ بھوت پریت یا ابلیس بالکل بے بس ہیں اور میرے بیٹے کو ذرہ برابر نقصان بھی نہیں پہنچا سکتے، اس لئے کہ ایک شاندار مستقبل اور خوش بختی تو اس بچے کا مقدر کر دی گئی ہے۔" حضرت آمنہؓ نے دائی حلیمہ کو ان حیران کن واقعات سے آگاہ کیا جو ان دنوں پیش آئے تھے جب یہ بچہ شکم مادر میں تھا۔ حلیمہ کا شکریہ ادا کرنے اور خدمات کے صلے میں انعام واکرام سے نوازنے کے بعد بچے کو اپنے پاس رکھ لیا۔ شہر کی کھلی فضا میں اب اس بچے کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ اس میں قوت برداشت پیدا ہو چکی تھی، اب شہر کی آلودہ اور ضرر رساں آب و ہوا سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

حضرت آمنہؓ کا انتقال (۵۷۶ء)

ایک نہایت شفیق و مہربان ماں کی نظروں کے سامنے محمد ﷺ پروان چڑھ رہے تھے دن بدن ان کی ذہنی و جسمانی خوبصورتی میں اضافہ ہو رہا تھا لیکن ماں کی شفقت و محبت زیادہ طویل عرصے تک ان کے نصیب میں نہ تھی اور یہ ایسی محبت ہے جس کا نعم البدل کوئی نہیں۔ حضرت آمنہؓ یثرب جاتے وقت محمد ﷺ کو ساتھ لے گئی تھیں اور اس سفر سے واپسی پر آپ راستے میں اچانک انتقال فرما گئی تھیں۔ نصف سفر ہی مکمل ہوا تھا کہ سڑک کے کنارے ایک گاؤں ابواء میں جہاں مکانات ایک دوسرے سے فاصلے پر بکھرے ہوئے تھے، آپ کی تجہیز و تکفین ہوئی۔

مغموم یتیم بچہ جو بمشکل سات سال کا تھا اسے سیاہ فام غلام لڑکی امّ ایمن مکہ لے آئیں۔ اس لڑکی نے اپنے کم عمر آقا کی بڑی خدمت کی وہ پانچ اونٹوں کی دیکھ بھال بھی کرتی تھی جو اس کے آقا کا کل ورثہ تھا۔

حضرت عبدالمطلب، جنہوں نے اپنے پوتے کے لئے ہمیشہ بڑی شفقت و محبت دکھائی تھی وہ اسے اپنے پاس لے آئے۔ دادا کے پیار میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ وہ جب پوتے کو جوان ہوتے دیکھتے اور اس میں انہیں اپنے بیٹے عبداللہ کا عکس نظر آتا تو وہ بیک وقت خوش بھی ہوتے اور مغموم بھی ہو جاتے تھے۔

درج ذیل واقعہ بتاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کو اپنے پوتے سے بے پناہ محبت تھی :۔

مکہ میں دوسرے صحرائی شہروں کی مانند گلیاں تنگ اور پر پیچ ہیں۔ البتہ ایک کھلی جگہ ایسی ہے

جو چوکور شکل میں ہے اور اس میں خانہ کعبہ ہے۔ یہاں صبح و شام شہر کے لوگ جمع ہوتے تھے اور بندگی اور عبادت کے ساتھ ساتھ یہاں آرام بھی کرتے تھے اور گپ شپ کے دوران کاروباری معاملات بھی زیر بحث لاتے تھے۔ ایک دن بھی ایسا نہیں گزرتا تھا جس دن حضرت عبدالمطلب کے خدام کعبہ کے سائے میں قالین نہ بچھا دیتے، اس کے اردگرد ان کے بیٹے پوتے اور معززین شہر بیٹھ جاتے تھے اور ان کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔ "کعبۃ اللہ" کے مہتمم کو اس قدر عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ اس قالین کے کنارے پر بھی کسی کو پاؤں رکھنے کی جرأت نہ تھی۔

ایک روز کیا ہوا کہ نوجوان محمد ﷺ اس قالین کے درمیان آکر بیٹھ گئے۔ آپ ﷺ کے چچاؤں نے آپ کو وہاں سے فوراً اٹھا دیا۔ عبدالمطلب نے دور سے ہی یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ وہ تشریف لائے اور کہا: "میرا پوتا فوراً واپس اُسی جگہ چلا جائے جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ تو میرے بڑھاپے کی خوشی ہے۔ اس کی بے باکی اور دیدہ دلیری تو دراصل اس پیش بینی کی وجہ سے ہے جو اس کے مقدر میں ہے اور میرے پوتے کو وہ اعلیٰ مقام ملنے والا ہے جو اب تک کسی عرب باشندے کے حصے میں نہ آیا تھا"۔

یہ کہہ کر دادا نے اپنے پوتے محمد ﷺ کو اپنے ساتھ بٹھالیا اور آپ ﷺ کے رخساروں اور کندھوں کو تھپکی دیتے ہوئے پیار کیا۔ اور اس انبساط کا اظہار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ لڑکے نے کوئی ایسی بات نہ کی ہے نہ کہی ہے۔

ایک بار پھر آنحضور ﷺ کے مقدر کا ستارہ ماند پڑا اور محمد ﷺ دادا کی شفقت و محبت سے بھی محروم ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب ۹۵ برس کی عمر میں انتقال فرما گئے تھے۔ آپ کے انتقال پر پورا شہر سوگوار نظر آتا تھا۔

یہ در یتیم اب اپنے چچا حضرت ابو طالب کے گھر آگئے تھے کیونکہ آپ ﷺ کی دستگیری اس مشکل وقت میں ان کے حصے میں آئی تھی۔ آپ کا کنبہ بہت بڑا تھا اور معاشی حالت بھی زیادہ اچھی نہ تھی، حالانکہ کعبہ کا انتظام بھی ان کے سپرد تھا، چنانچہ ابو طالب یمن اور شام کے ملکوں کے ساتھ تجارت کرنے پر مجبور تھے۔

محمد ﷺ کا ملک شام کی طرف پہلا سفر (۵۸۲ء)

اپنے بھتیجے محمد ﷺ کو اپنے گھر لانے کے بعد جلد ہی ابو طالب نے قریش کے مردوں کا ایک قافلہ ترتیب دیا اور انہیں ان کے خیموں تک رہنمائی بھی خود ہی کرنی تھی۔

تمام تیاریاں مکمل تھیں، سامان تقسیم کر کے اونٹوں پر لادا جا چکا تھا جو حسب عادت بلبلا رہے تھے۔ جبکہ ان کے ساربان چلا چلا کر اور انہیں مار پیٹ کر کھڑا کر رہے تھے۔ وہ اب ڈگمگاتے قدموں

کے ساتھ شمال کی سمت چل پڑے تھے۔اس منظر نے آنحضور ﷺ کے ذہن میں بادیہ کی یاد تازہ کردی تھی جہاں کبھی قافلے آج کے قافلے کی مانند آتے جاتے رہتے تھے۔اپنے پیارے چچا سے اس تازہ جدائی کے لمحے میں قریب تھا کہ آپ ﷺ تنہائی کے تصور سے اداس ہو جائیں۔ آپ ﷺ خاموش، مغموم کھڑے تھے کہ آخر کار شکستہ دل ہو کر وہ حضرت ابو طالب کی بانہوں میں گر گئے اور چچا کے سفید چغے میں اپنا چہرہ چھپالیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ ان کے آنسو دیکھیں جو ارمان اور دل شکستگی کے باعث نکل آئے تھے۔حضرت ابو طالب نے اپنے بھتیجے کی محبت دیکھی تو اندازہ لگالیا کہ وہ چچا کے ہمراہ جانا چاہتا ہے۔انہوں نے اعلان کیا:

"مجھے اپنے پروردگار کی قسم ہے کہ ہم محمد ﷺ کو ساتھ لے کر جائیں گے نہ وہ مجھے چھوڑے گا نہ میں اسے تنہا چھوڑ کر جاؤں گا۔"

محمد ﷺ نے آنسو پونچھ ڈالے اور خوشی خوشی سفر کی تیاری میں لگ گئے۔ چچا کے اشارہ پر آپ ﷺ اس اونٹنی پر بیٹھ گئے جو ان کے پیچھے زمین سے اٹھ رہی تھی۔

اب یہ قافلہ ان راستوں پر چل پڑا جو بدو قبیلوں نے بنائے تھے۔ آپ ﷺ بادیہ کی تازہ وصاف ہوا کے عادی تھے اس لئے گھروں اور گلیوں کی آلودہ ہوا میں بدقت سانس لے رہے تھے مگر پھر بھی خوش تھے۔ بچپن سے ہی آپ بدویانہ زندگی کے شب وروز سے واقف تھے اس لئے حجاز کے صحراؤں میں طے کرنے والے طویل اور نہ ختم ہونے والے سفر کو خندہ پیشانی اور ہمت وحوصلے سے اس کی تمام صعوبتوں سمیت برداشت کر رہے تھے۔

کم وبیش ایک سال سے زائد عرصے تک آپ ﷺ جن ممالک سے گزرے وہ صحراؤں اور چٹانوں کے حوالے سے سبھی ایک جیسے تھے۔بے رحم صحرا میں زندگی کی کوئی دوسری علامت نظر نہ آتی تھی سوائے خالق کائنات کے جو ہر جگہ ہے، لافانی ہے یہ الگ بات کہ انسانی آنکھ اسے دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

آنحضور ﷺ کی بحیرا راہب سے ملاقات

ایک پادری کے گھر کی چھت کا ڈیزائن ایک طویل القامت شخص کے سر پر بندھی ہوئی پگڑی کی مانند تھا۔ یہ گھر ایک عمودی پہاڑی کی چوٹی پر تعمیر کیا گیا تھا یہ پہاڑی جبل حوران کے کم بلند سلسلے کا حصہ تھی۔اس چھت پر سے بحیرا پادری دور ملک شام کے میدانوں کو دیکھا کرتا تھا۔ یہ وسیع و عریض میدان عرب کی جانب لامتناہی فاصلوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ایک روز اچانک اس کی نظر بادل کے ایک ٹکڑے پر پڑی، مستطیل شکل کے سفید بادل کا یہ تنہا ٹکڑا گہرے نیلگوں آسمان کے پس منظر میں دکھائی دے رہا تھا۔کسی بڑے پرندے کی مانند یہ بادل اس چھوٹے سے قافلے پر سایہ

فگن تھا جو شمالی سمت بڑھتا چلا آرہا تھا۔ وہ مسافروں کے ساتھ ساتھ فضا میں تیر تا اونی جسم کی شکل میں اپنے لاجوردی رنگ میں قافلے کو سایہ مہیا کر رہا تھا۔

یہ قافلہ اس پہاڑی کے دامن میں جس پر راہب کی رہائش گاہ تھی آ کر رک گیا تھا ایک پہاڑی نالہ جو خشک ہو چکا تھا اس کے کنارے ایک بڑے درخت کے قریب اس قافلے نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ اس لمحے یہ بادل ایک جگہ ٹھہر گیا تھا اور پھر آسمانی خلاؤں میں نظروں سے اُوجھل ہو گیا تھا۔ درخت کی ٹہنیاں جھکی ہوئی تھیں اور قافلے میں شامل ایک مسافر کو اُس نے اپنی چھاؤں میں لے لیا تھا، اس عجیب و غریب منظر کو دیکھ کر راہب بحیرا نے اندازہ لگایا کہ حجاز سے آنے والے ان مسافروں میں وہ شخص ضرور ہو گا جس کا اسے بڑے عرصے سے انتظار تھا یعنی نبی کریم ﷺ جن کا ذکر آسمانی صحیفوں میں آیا ہے۔ بحیرا چھت سے فوراً نیچے آیا، پر تکلف کھانے کے انتظام کا حکم دیا اور قافلے کے تمام لوگوں کو بغیر کسی امتیاز کے، بوڑھوں، جوانوں، سرداروں اور غلاموں سبھی کو کھانے پر مدعو کرنے کے لئے اپنا قاصد بھیجا۔ بحیرا اپنے گھر کے دالان میں منتظر رہا اور مکہ کے ان مسافروں کا استقبال کیا۔ مہمانوں میں سے ایک نے بحیرا کو مخاطب ہو کر کہا: "لات و عزیٰ کی قسم آپ کی آج کی میزبانی نے مجھے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ ہم آپ کی رہائش گاہ کے قریب سے پہلے بھی کئی بار گزرے ہیں اس سے پہلے تو آپ نے ہماری خاطر و مدارت کبھی نہیں کی، آپ کی طرف سے ماضی میں مہمان نوازی کا کوئی اشارہ تک کبھی نہیں ملا تھا، پھر آج یہ سب کچھ کیوں کیا جا رہا ہے؟ کیا کسی کیڑے نے آپ کو کاٹ لیا ہے؟"۔ "تم سچ کہتے ہو" بحیرا نے جواب دیا۔

"میں جو کچھ کر رہا ہوں اس کے لئے میرے پاس معقول جواز موجود ہے۔ لیکن آج تم سب میرے مہمان ہو اور میں چاہتا ہوں کہ تم لوگ میری عزت افزائی کرو اور میری ضیافت قبول کر لو۔ جس کا اہتمام میں کر چکا ہوں۔"

جس وقت تمام لوگ کھانے میں مصروف تھے بحیرا ان سب کا جائزہ لے رہا تھا اور اس کی نظریں اس شخص کی تلاش میں تھیں جس کا ذکر آسمانی صحیفوں میں آیا تھا مگر اسے ناکامی ہوئی۔ اس شکل و صورت کا کوئی شخص ان میں موجود نہ تھا۔ مگر جو معجزات وہ دیکھ چکا تھا ان کا تقاضا تھا کہ وہ نبی، وہ اللہ کا منتخب شخص ان میں یقیناً موجود ہو۔ چنانچہ وہ مایوس نہ ہوا۔ بحیرا نے قبیلہ قریش کے ان افراد سے مخاطب ہو کر کہا: "کیا تم لوگوں میں سے ایک شخص پیچھے خیمے میں نہیں رہ گیا؟" جواب ملا: "ہاں ایک، صرف ایک۔ ہم اسے اس لئے خیمے میں چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہ کم عمر ہے اور ہم چاہتے تھے کہ وہ آرام کر لے"۔ "آپ کو چاہیئے تھا کہ آپ اسے اپنے ساتھ لاتے۔ جاؤ اور اسے لے آؤ تاکہ وہ بھی تم لوگوں کے ساتھ اس دعوت میں شریک ہو سکے"۔

ایک مہمان نے لات و عزیٰ کی قسم کھا کر کہا: "یہ ہمارا قصور ہے کہ ہم ایک شخص کو خیمے میں چھوڑ آئے ہیں اور ہم خود یہ پر تکلف کھانا کھا رہے ہیں اور جسے ہم ساتھ نہیں لائے وہ عبداللہ بن عبدالمطلب کے فرزند ہیں"۔

وہ مہمان اٹھا اور جا کر محمد ﷺ کو ساتھ لے آیا اور تمام مہمانوں کے درمیان لا کر بٹھا دیا تا کہ آپ ﷺ بھی کھانا تناول فرما سکیں۔ بحیرا نے نووارد کو بغور دیکھا، جب تمام لوگ کھانا کھا چکے تو یہ راہب آنحضور ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ کو ایک طرف لے جا کر کہا:

"اے نوجوان، مجھے ایک سوال پوچھنا ہے۔ تمہیں لات و عزیٰ کی قسم ہے میرے سوال کا جواب ضرور دینا۔"

لات و عزیٰ کے ذکر سے راہب دراصل آنحضور ﷺ کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ وہ مہمانوں کی زبانی تو لات و عزیٰ کا نام سن چکا تھا۔ لیکن محمد ﷺ نے جواب دیا:

"مجھ سے لات و عزیٰ کے نام پر کوئی سوال مت کریں کیونکہ اس زمین پر جس قدر نفرت مجھے ان بتوں سے ہے کسی اور شے سے نہیں۔" "ٹھیک ہے۔ کیا اللہ کے نام پر مجھے میرے سوال کا جواب مل جائے گا" بحیرا نے کہا۔

"سوال پوچھئے: اللہ کی قسم میں ضرور جواب دوں گا"۔۔آنحضور ﷺ نے یقین دلاتے ہوئے فرمایا۔

بحیرا نے اپنی دلچسپی کے سارے سوالات کر ڈالے۔ مثلاً آپ ﷺ کا خاندان، زندگی میں آپ ﷺ کا مقام و مرتبہ، وہ خواب جو کبھی کبھی حضور ﷺ کو پریشان کرتے تھے اور اس سے ملتی جلتی کئی دوسری باتیں۔ آخر میں جب محمد ﷺ اس راہب کے تمام سوالات کے جوابات دے چکے اور اس مذہبی سکالر سے اجازت چاہی تو آپ ﷺ کی عبا ذرا سی ہٹ گئی اور بحیرا کی نظر "مہر نبوت" پر پڑی جو اس لڑکے کی کمر پر نقش تھی۔ یہ گردن کے پچھلے حصے میں بالکل اسی جگہ تھی جس کا ذکر مقدس کتابوں میں آیا تھا۔ بحیرا کے آخری شکوک بھی دور ہو چکے تھے۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس جگہ اس کے سامنے اللہ کے نبی ﷺ کھڑے تھے جن کی بعثت کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ یہ راہب حضرت ابو طالب کے پاس پہنچا اور ان سے یوں مخاطب ہوا:

"اس لڑکے سے آپ کا کیا رشتہ ہے؟"

"یہ میرا بیٹا ہے" "نہیں یہ آپ کا بیٹا نہیں"۔

"ٹھیک کہا، یہ واقعی میرا بیٹا نہیں۔ مگر یہ میرے بھائی کا بیٹا ہے"۔

"آپ کے بھائی کو کیا ہوا؟" بحیرا نے سوال کیا۔

"ابھی میرا یہ بھتیجا شکم مادر میں تھا کہ میرے بھائی کا انتقال ہو گیا تھا"۔

"اب آپ نے سچ سچ بتادیا ہے تو میری بات غور سے سنو۔ اپنے بھتیجے کو لے کر جلد از جلد وطن واپس لوٹ جاؤ اور اس لڑکے پر کڑی نظر رکھو' اس کی پوری پوری حفاظت کرو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ یہودیوں کا خیال رکھنا۔ اگر انہوں نے اسے دیکھ لیا اور میری طرح انہیں علم ہو گیا، ان باتوں کا جو مجھے آج معلوم ہوئی ہیں تو اللہ کی قسم وہ لوگ آپ کے بھتیجے کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس لئے کہ آپ کے بھائی کا یہ بیٹا دنیا میں ایک بہت بڑا کام کر گزرنے کے لئے منتخب کیا گیا ہے!"

حضرت ابو طالب اس شخص کے انتباہ سے بہت متاثر ہوئے جن کی علمی شہرت کا دنیا بھر میں اعتراف کیا جاتا تھا شام کے بصرہ شہر میں اپنے تجارتی کام کو جلد نمٹانے کے بعد وہ اپنے بھتیجے کو لے کر واپس مکہ کے لئے روانہ ہوئے اور بحفاظت واپس پہنچ گئے تھے۔

اللہ کی پناہ اور چچا کی نگہداشت میں، ان کی پدرانہ شفقت کے سایہ تلے محمد ﷺ جوان ہوئے تو آپ ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے۔ آپ ﷺ نہایت پاکیزہ زندگی گزار رہے تھے۔ حضرت ابو طالب چاہ زمزم کی مرمت کے کام میں مصروف تھے، قبیلہ قریش کے بہت سے نوجوان جن میں محمد ﷺ بھی شامل تھے پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور یوں اس کام میں ہاتھ بٹا رہے تھے۔ وہ کام کے دوران اپنی عباؤں کا سامنے کا حصہ اٹھا کر سر اور گردن کے گرد لپیٹ لیتے تھے، تاکہ کندھوں پر لاد کر لائے جانے والے پتھروں کے تیز کناروں سے زخمی نہ ہو جائیں۔ انہیں اس عمل میں اس بات کی پرواہ نہ تھی کہ اس طرح ان کی ستر پوشی متاثر ہوتی تھی۔ اور جسم کے کچھ حصوں کے برہنہ ہونے کا ڈر رہتا تھا۔ شروع میں تو محمد ﷺ بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر آپ ﷺ کو جب اس بات کا احساس ہوا کہ اس طرح تو ستر قائم نہیں رہ سکتا اور دوسروں کی نظر ان کے برہنہ جسم پر پڑتی ہے تو آپ ﷺ کو بے حد رنج ہوا۔ پسینے کے قطرے ان کی پیشانی پر نمودار ہوئے، وہ ندامت سے کانپ اٹھے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

اللہ نے اپنے منتخب بندے کو ایسی پیدائشی پاکیزگی عطا کی تھی۔ آپ ﷺ ان باتوں سے محفوظ رہے جو عموماً عنفوان شباب میں اس عمر کے لڑکوں کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ اپنے ہمعمروں میں آپ ﷺ سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے، سب سے زیادہ فیاض اور سب سے زیادہ سچے اور مخلص و قابل اعتماد دوست تھے۔ فسق و فجور اور مے نوشی سے دور رہتے تھے جس کی وجہ سے شہر کے لوگ انہیں "امین" یعنی "قابل اعتماد" کے نام سے پکارتے تھے۔

ملک شام کا دوسرا سفر (۵۹۴ء)

حضرت ابو طالب کی طرح مکہ کے بہت سے لوگ چاہتے تھے کہ اپنے کاروبار کو وسعت دیں

جس کے لئے شام اور یمن سے تجارتی روابط رکھیں۔ ان کا شہر دنیا کا خوفناک حد تک ویران اور بنجر شہر تھا، ان کا کوئی اور ذریعہ معاش نہ تھا اور شہری ان دو ممالک سے تجارتی تعلقات کے ذریعے دو وقت کا کھانا حاصل کرتے تھے۔ یہ شہر ان دو ممالک سے تجارتی رشتے میں جکڑا ہوا تھا۔

اس شہر سے قافلے بڑی مشکلوں سے یمن پہنچتے تھے تاکہ وہاں سے خام مال لا سکیں، نیز یہ وہ مضوعات بھی لے آتے تھے جو ایتھوپیا، ہندوستان اور دور دراز واقع چین میں بنتی تھیں۔ قافلے اپنے اونٹوں کو خوشبودار مصالحوں، خوشبو دینے والے لوبان، ہاتھی دانت اور طلائی سفوف کے ساتھ ساتھ ریشم اور دیگر سامان تعیش سے لاد کر لاتے تھے۔ حجاز پہنچنے پر وہ یثرب اور طائف سے کھجوریں لے لیتے تھے۔ پھر وہ شام کی طرف نکل جاتے اور ان کے عوض زرعی اجناس لے آتے مثلاً غلہ، گندم، جو، چاول، انجیر اور کشمش۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یونانی اور رومی تہذیب و تمدن سے متعلق اشیاء بھی درآمد کرتے تھے۔

اس قسم کی تجارت تو خواتین تک کرتی تھیں جو اپنا سامان تجارت ان مردوں کے حوالے کر دیتی تھیں جو قافلے تیار کرتے تھے۔ یہ تاجر خواتین اپنا سامان منافع میں شراکت کی بنیاد پر بیچتی تھیں۔

خدیجہ بنت خویلد ایک مالدار شریف بیوہؓ تھیں، وہ اس قسم کا بڑا منافع بخش کاروبار کرتی تھیں۔ محمد ﷺ کی دانائی، راستبازی اور امانت کے بارے میں انہیں حضور ﷺ کی اچھی شہرت کی خبر ملی اور لوگوں کی زبانی ہر ایک سے ان کی تعریف و تحسین کی اطلاع پا کر آپ نے بھی آنحضور ﷺ سے اس بارے میں رابطہ کا سوچا تاکہ سامان تجارت آپ ﷺ کے سپرد کر سکیں۔ انہوں نے حضور ﷺ کو بلا بھیجا اور ابتدا میں یہ تجویز پیش کی کہ ان کا جو قافلہ شام جا رہا تھا آنحضرت ﷺ اس کی ذمہ داری قبول کر لیں اور اس کے عوض جو تنخواہ وہ اوروں کو پہلے دیا کرتی تھیں اس سے دوگنی کی پیشکش آپ ﷺ کو کی۔

محمد ﷺ نے یہ پیشکش قبول فرمالی۔ مگر جو کچھ راہب بحیرا نے بتایا تھا اس کے پیش نظر حضرت ابو طالب کو اس وقت فکر لاحق ہوئی جب اونٹ سامان تجارت لے کر جانے کے لئے تیار تھے۔ انہوں نے قافلے کے ہر فرد سے علیحدہ علیحدہ اس بات کی تاکید کی کہ وہ ان کے بھتیجے کا خاص خیال رکھیں۔ انہیں یہ بھی بتایا کہ محمد ﷺ کو کسی طرح کا نقصان پہنچا تو اس کے ذمہ دار یہ لوگ ہوں گے۔ حضرت خدیجہ کا دست راست ایک غلام میسرہ تھا جسے حضرت ابو طالب نے بطور خاص تاکید کر دی تھی کہ محمد ﷺ کی حفاظت اور نگرانی کرے۔ حضرت ابو طالب جیسے مشہور اور سرکردہ شخص کی طرف سے ساری باتیں سن کر میسرہ بے حد متاثر ہوا۔ وہ اپنے نوجوان آقا، حضرت

محمد ﷺ سے اور بھی زیادہ متاثر تھا۔ وہ آپ ﷺ کی بے حد تعریف کرتا اور آپ ﷺ کو بہت پسند کرتا تھا۔

سفر کے دوران میسرہ نے حیران کن معجزات دیکھے جس سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ جس شخص کی خدمت پر اسے مامور کیا گیا ہے وہ کوئی غیر معمولی انسان ہے جو ماورائے عقل باتیں کرتا ہے۔ کئی واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ غلام کا اندازہ بالکل درست تھا۔ یہ راستہ ایسا تھا جس پر وہ بارہا سفر کر چکا تھا وہ اس راستے کی مشکلات اور خطرات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس پر ایسے مقام بھی آتے تھے جہاں مسافروں کا مارے پیاس کے برا حال ہو جاتا تھا، پانی کی ایک ایک بوند بمشکل میسر آتی تھی اور اس راستے پر چلنے والے تاجروں کو جہنم کی گرمی کا احساس ہونے لگتا تھا۔ جگہ جگہ ان مردہ انسانی جسموں اور جانوروں کے ڈھانچے اور ہڈیاں نظر آتی تھیں جو پیاس سے مر گئے تھے۔ مگر تاجر یہ سب کچھ یوں دیکھتے جاتے تھے جیسے کوئی دلربا منظر سامنے ہو۔

ہر روز جب سورج اپنی ناقابل برداشت تمازت سے مسافروں کو خوفزدہ کر دیتا تھا تو بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کسی پرندے کے پروں کی طرح نیلگوں آسمان پر تیرتے نظر آتے تھے ان میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا جاتا تھا پھر یہ یکجا ہو جاتے اور بڑے بڑے پنکھ دکھائی دینے لگتے تھے جو اچانک کھل جاتے اور محمد ﷺ پر سایہ کر لیتے تھے۔ جب سورج اپنی ہیبت ناک طاقت کا مظاہرہ کرنے کے بعد دور افق کے پار غروب ہونے لگتا تو یہ بادل غائب ہو جاتے اور سورج کی آخری کرنوں میں چھپ کر شفق کا حصہ بن جاتے تھے۔ پھر یہ بادل ستاروں کو جگہ دے دیتے تھے کہ اب ان کی ضرورت غروب آفتاب کے بعد نہیں رہی تھی۔ صحرا میں ان ستاروں کی چمک دنیا بھر میں چمکنے والے ستاروں سے زیادہ ہوتی ہے۔ انسان تو انسان اونٹ بھی بہت خوش نظر آتے ہیں۔ ان کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور جب یہ دوڑتے ہیں تو لگتا ہے فاصلے سمٹ کر ان کے قدموں میں آ گئے ہیں اس سے پہلے کے قافلوں کے چھوڑے ہوئے ہڈیوں کے ڈھانچوں میں ان میں سے کسی کی ہڈیوں کا پنجر شامل نہیں ہوا تھا۔

صرف ایک بار ایسا ہوا کہ ایک سفر میں حضرت خدیجہ کے دو اونٹ بہت تھک گئے تھے اور قافلے میں پیچھے رہ گئے تھے۔ میسرہ نے پوری کوشش کی تھی، ان اونٹوں کو چھڑی سے مارا بھی تھا، ہانکا بھی بہت تھا مگر یہ اگلے اونٹوں میں آ کر شامل ہونے سے رہ گئے تھے یہ دو اونٹ پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور ایسا لگتا تھا کہ یہ بس گرے کہ گرے اور پھر شاید کبھی بھی اٹھ نہ سکیں۔ میسرہ نے اپنی مالکن کے مفاد کا بڑا خیال تھا بہت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ وہ ان تھکے ماندے اونٹوں کو چھوڑ بھی نہیں سکتا تھا مگر اسے بار بار حضرت ابو طالب کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ اپنے جوان آقا کا خیال رکھنا،

اور اس وقت اس کے جوان آقا قافلے میں سب سے آگے آگے تھے۔ غلام دوڑا تا کہ آگے آکر ساری صورت حال سے محمد ﷺ کو آگاہ کر سکے۔

محمد ﷺ رکے اور میسرہ کے ہمراہ پیچھے آئے تاکہ گرتے ہوئے دو اونٹوں کو دیکھ سکیں وہ درد سے بلبلا رہے تھے اور کوشش کی جاری تھی کہ انہیں سہارا دیا جا سکے۔ تیز کنکریوں سے ان کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے، آنحضور ﷺ نے جھک کر اپنے مبارک اور مقدس ہاتھوں سے اونٹوں کے پاؤں پر ہاتھ پھیرا۔ وہی اونٹ جن کے لئے چلنا دوبھر ہو گیا تھا خوشی خوشی تیز چلنے لگے تھے اور بہت جلد قافلے کے اگلے اونٹوں کے ساتھ آن ملے تھے۔ خوش قسمتی نے ساتھ دیا اور یہ قافلہ شام کے شہر بصرہ پہنچ گیا تھا۔ محمد ﷺ جو سامان تجارت ساتھ لائے تھے سب غیر متوقع منافع کے ساتھ بک گیا تھا۔ ایسے غیر معمولی منافع میں مشرقی رسم کے مطابق کسی قسم کی سودا بازی کا موقع ہی نہ آیا جو پریشان کن مرحلہ سمجھا جاتا ہے۔

سچائی، ہمدردی اور راستبازی سے آپ ﷺ نے سب کے دل جیت لئے تھے۔ خاص طور پر وہ نورانی ہالہ جو مقدر والوں کے چہروں پر نمایاں ہوتا ہے اس نے بڑا کام کر دکھایا تھا۔ اسے آج کا سائنسدان مقناطیسی قوت کا نام دے گا اس لئے کہ سائنسدان اس کی روحانی تشریح کرنے سے قاصر ہے۔

یہ وہ علاقہ تھا جہاں مذہبی سوال و جواب میں بڑا جوش و جذبہ پایا جاتا تھا، جہاں کوئی پہاڑی ایسی نہ تھی جس پر کسی راہب کی رہائش نہ ہو، جہاں کا ایک ایک پتھر ایک پیغمبر کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اس نوجوان تاجر کے سامنے فطرت خود جھکتی نظر آتی تھی یہ سب کچھ ان راہبوں میں ایک عجیب سا اضطراب پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ یہ لوگ تو مقدس کتابوں میں تحقیق کرنے کے لئے مشہور تھے اور اسی امید پر زندہ تھے کہ اللہ کا ایک نیا رسول آنے والا ہے۔ یہ تمام میسرہ سے سوالات کرنے کے لئے جمع ہو گئے تھے۔ میسرہ کو تو وہ اس لئے پہلے سے جانتے تھے کیونکہ وہ کئی بار تجارتی قافلوں کے ساتھ یہاں آچکا تھا۔ ان پر جلد یہ بات آشکارا ہو گئی تھی کہ یہ محمد ﷺ کا رازداں غلام ہے۔ نسطوری فرقے کے ایک پادری نے جس کا نام جورڈس تھا، بہت سی پیشگوئیاں میسرہ کے سامنے کیں اور آنحضور ﷺ کے بارے میں ان ہی باتوں کی تاکید کی جن باتوں کی تاکید بحیرا نے حضرت ابو طالب سے کی تھی۔

تمام تجارتی لین دین موقوف کر کے قافلہ وطن واپس چل پڑا۔ وہ بادل جو شاید قافلے کی کوچ کا منتظر تھا اچانک نمودار ہوا اور محمد ﷺ پر سایہ فگن ہو گیا۔ اور پھر سفر کے اختتام تک موجود رہا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر میسرہ نے محمد ﷺ سے درخواست کی کہ قافلے کے باقی لوگوں سے آگے نکلا

جائے تاکہ حضرت خدیجہ کو بلا کسی تاخیر کے اپنی واپسی کی خوشخبری سنائی جا سکے۔

حضرت خدیجہؓ کی عادت تھی کہ اپنی خادماؤں کے ساتھ اپنے گھر کی چھت پر چڑھ جاتی تھیں جہاں سے وہ سڑک نظر آ سکے جو شام کو جاتی تھی۔ وہاں سے آپ جبل قویقوان کے اوپر سے شمال مشرقی سمت تنگ وادی کو دیکھا کرتی تھیں۔ انہیں اپنے سامان تجارت کے بارے میں کوئی فکر نہ تھی مگر نہ جانے کیوں انہیں تشویش تھی کہ جس نوجوان کو سامان تجارت دے کر سفر پر روانہ کیا ہے اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔ نوجوان محمد ﷺ کی خاندانی شرافت اور ایمانداری و دیانت داری نے حضرت خدیجہ کو بے حد متاثر کیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی واپسی کی منتظر تھیں اور واپسی کی گھڑی لمبی ہوتی جا رہی تھی۔

ایک روز جس وقت سورج نصف النہار پر تھا اور شہر بھر گرمی کی شدت سے جل رہا تھا اور شہر کے لوگ باہر نکلنے سے بچ رہے تھے حضرت خدیجہ اپنی رصدگاہ میں رکی ہوئی تھیں۔ افق کی گہرائیوں میں متلاشی نظروں سے مسلسل دیکھتے رہنے سے ان کی آنکھیں درد کرنے لگی تھیں۔ جب قافلہ نظر نہ آیا تو آنکھیں مایوسی سے بند کر لیں۔ پھر اچانک انہیں یوں محسوس ہوا جیسے ان کا گھر مہکتی ٹھنڈی ہوا سے بھر گیا ہے۔ سفید بالکونیوں پر دھوپ چمک رہی تھی، گرمی سے جلی ہوئی چٹانوں پر بنفشی رنگ کا جالی دار پردہ سا تن گیا تھا۔ عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور محمد ﷺ حضرت خدیجہ کے گھر میں داخل ہوئے۔

ایک راستباز اور بااصول منتظم کی طرح آپ ﷺ نے تمام رقم حضرت خدیجہ کے حوالے کی اور غیر متوقع منافع کی ساری تفصیلات سے آگاہ کیا۔ انہوں نے حضور ﷺ کا شکریہ ادا کیا اور آپ ﷺ کی بے حد تعریف کی۔ اس کامیاب تجارتی سفر پر حیران ہونے کے بجائے ان کی نظریں حضور ﷺ کے درخشاں مستقبل پر تھیں، وہ سمجھ رہی تھیں کہ اس نوجوان کے نصیب میں کوئی بہت بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔ بادل کے ٹکڑے کو بھی وہ دیکھ چکی تھیں اور اس سے بھی آنے والے حالات کی نشاندہی ہو رہی تھی۔ حضرت خدیجہ نے پوچھا: ”میسرہ کہاں ہے؟“ ”وہ قافلے کے ساتھ ہے اور قافلے کی نگرانی کر رہا ہے“۔ آپ ﷺ نے جواب دیا۔

”کیا ہی اچھا ہو کہ آپ ﷺ اسے جا کر جلد از جلد لے آئیں تاکہ میں بغیر وقت ضائع کئے اس ڈھیر سارے منافع کی تعریف کر سکوں جو اس تجارت میں آپ ﷺ کما کر لائے ہیں۔“

آنحضور ﷺ واپس قافلے کی سمت چلے تو ملک شام جاتی ہوئی سڑک پر بادل کا ٹکڑا آپ ﷺ پر سایہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ کے شبہات یقین میں بدل گئے تھے اور کچھ باتوں کی تصدیق میسرہ نے کر دی تھی۔ ”بادل تو اسی روز سے ہمارے ساتھ ساتھ رہا جس روز ہم

اس سفر پر مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور واپس پہنچنے تک ساتھ رہا۔ جب ہم بصرہ سے باہر گئے تو ہوران کے راہبوں نے جو بڑے عالم فاضل نظر آتے تھے کئی پیشگوئیاں بھی کیں۔ اور کئی باتیں محمد ﷺ کے بارے میں بتائیں۔ میں اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ یہ بادل دراصل دو فرشتوں کے پروں پر مشتمل تھا جن کے ذمہ یہ کام تھا کہ وہ سورج کی شعاعوں کی حدت سے میرے آقا کو محفوظ رکھیں"۔ میسرہ نے کہا۔ پھر میسرہ نے سفر کے دوران پیش آنے والے تمام حیرت انگیز واقعات بتائے اور کئی معجزات کا ذکر کیا۔ حضرت خدیجہ سوال کرتے کرتے تھکتی نہیں تھیں۔

حضرت محمد ﷺ اور حضرت خدیجہؓ کی شادی: (۵۹۵ء)

حضرت خدیجہ نے دوگنا تنخواہ کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کیا اور آنحضور ﷺ سے یہ درخواست کرنے کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ وہ ان کے سارے مال و اسباب کی نگرانی اپنے ذمہ لے لیں۔ اس کا بہتر طریقہ یہ تھا کہ وہ حضور ﷺ سے شادی کر لیں اور بالآخر انہوں نے اسے عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ صرف ایک بات پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ عمروں میں بڑا فرق تھا۔ محمد ﷺ ابھی بمشکل پچیس برس کے تھے جب کہ وہ چالیس سال کی ہونے والی تھیں۔ تاہم عمر کے اس حصے میں بھی حضرت خدیجہ شہر بھر میں شادی کے لئے بے حد موزوں خاتون تھیں اس کی ایک وجہ ان کا متمول ہونا بھی تھا (عرب رسم و رواج کے مطابق شوہر جہیز لاتا ہے اور اس کا بیوی کی جائیداد پر کوئی حق نہیں ہوتا)۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر بھی جن میں پاکدامنی اور شاہانہ طمطراق بھی شامل تھا وہ کسی خاتون سے پیچھے نہ تھیں۔ ان کا شجرہ نسب یہ تھا:

خویلد بن اسد، بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب، بن مراہ بن کعب بن لادہ بن غالب...... وہ کسی ایسے خاندان کی شہزادی سے کم نہیں تھیں جس کے پاس مال و دولت کے ساتھ ساتھ خاندانی شرافت بھی تھی۔ لیکن یہ سب کچھ بیکار تھا اس لئے کہ اپنے دوسرے شوہر ابوہالہ کے انتقال کے بعد ایسا لگتا تھا کہ آپ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کسی تیسرے ہمسفر کے انتخاب کے بغیر بقیہ زندگی گزار دینگی۔ جب وہ محمد ﷺ سے ملیں اور آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کی تعریف کرنے لگی تھیں تو تمام فیصلے کمزور پڑتے گئے اور دن بدن وہ آنحضور ﷺ طرف زیادہ مائل ہوتی گئیں۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں حضور ﷺ سے بات کی جائے۔

میسرہ بتاتا ہے کہ "شام سے واپسی کے دو ماہ اور بیس روز بعد میری مالکن نے مجھے میرے آقا کے پاس بھیجا۔ میں نے آپ ﷺ سے سوال کیا: "اے میرے آقا و مولا محمد ﷺ! کیا آپ ﷺ کے پاس کنوارے رہنے کا کوئی جواز ہے؟"

"میں خالی ہاتھ ہوں۔ میرے مالی وسائل ایسے نہیں کہ میں اپنی منگیتر کے لیے جہیز مہیا کر

سکوں" آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔

"لیکن اگر وہی تھوڑی سی رقم جو آپ ﷺ کے پاس ہے ایک متمول، موزوں اور شریف خاتون کی نظر میں کافی ہو، پھر؟" میسرہ نے پوچھا۔

"تمہارا اشارہ کس کی طرف ہے؟" حضور ﷺ نے سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے خدیجہ"۔

"میرے ساتھ کیا مذاق کر رہے ہو؟ اس تھوڑی سی رقم سے یہ میں کیسے کر سکتا ہوں۔ اس میں کیا جہیز لاؤں گا؟ ان حالات میں، میں اس خاتون سے شادی کیسے کر سکتا ہوں؟"

"اس بارے میں فکر نہ کیجئے، میں اس بارے میں دیکھتا ہوں"

میرے آقا نے جو کچھ کہا وہ اور آپ ﷺ کی نظروں سے جو اندازہ میں نے لگایا اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کہ میرے آقا کے میری مالکن کے بارے میں کیا جذبات تھے۔ بغیر مزید وقت ضائع کئے میں نے حضرت خدیجہ کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ بے حد خوش تھیں اور جلد شادی کی رسم کی ادائیگی کے لئے تمام انتظامات مکمل کرنے کی تیاری شروع کر دی تھی۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہ کو اپنے والد محترم خویلد سے اجازت حاصل کرنی تھی جنہوں نے اب تک آنے والے شادی کے سارے پیغامات سختی سے مسترد کر دیئے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ انہیں اپنی بیٹی کے لئے ان میں سے کوئی بھی دولت اور شرافت کے اعتبار سے موزوں نظر نہ آیا تھا۔ اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے حضرت خدیجہ نے یہ تدبیر اختیار کی۔ کہ ایک بہت بڑی دعوت کا انتظام محمد ﷺ نے کیا جس کے لئے تمام اخراجات کا ذمہ حضرت خدیجہ نے لیا۔ اس دعوت میں آنحضور ﷺ نے اپنے چچاؤں، ہونے والے خسر خویلد اور قبیلہ قریش کے کچھ بہت اعلیٰ مقام و مرتبے کے حامل رؤسا کو مدعو کیا۔ خویلد کی کمزوری یہ تھی کہ وہ شراب بہت پسند کرتے تھے اور معمول سے زیادہ پی گئے تھے۔ اس نشے کی حالت میں بیٹی نے موقع غنیمت جانا اور اپنے والد محترم سے یوں مخاطب ہوئیں:

"ابا جان، محمد ﷺ بن عبد اللہ چاہتے ہیں کہ میں ان سے شادی کر لوں میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ ہم دونوں کی شادی کر دیجئے"۔

خویلد نشے میں تھے اور انہیں ہر شے ارغوانی رنگ لئے ہوئے نظر آتی تھی۔ بغیر سوچے انہوں نے اپنی رضامندی دے دی اور حضرت خدیجہ نے اس دور کی رسم کے مطابق اپنے منگیتر کو خوشبو سے تر کر دیا اور ایک شاندار چادر آپ ﷺ کے کندھوں پر ڈال دی۔

خویلد جب شراب کے نشے سے ہوش میں آئے تو بیٹی سے پوچھا: "یہ سب کیا ہے؟"

"ابا جان آپ سب کچھ خوب جانتے ہیں! آپ نے ابھی ابھی محمد ﷺ ابن عبد اللہ سے میری منگنی طے کی ہے۔" (اہل علم نے اس روایت کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حضرتِ خدیجہؓ کے والد خویلد تو اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ وہ تو حرب فجار سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔ مترجم)

"کیا میں ایسا کر سکتا تھا کہ ایک ایسے یتیم سے تمہاری شادی کر دوں جسے ابو طالب نے بیٹا بنایا ہے؟ نہیں۔ میں جب تک زندہ ہوں ایسا نہیں کر سکتا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آج ان قریش سرداروں کے سامنے اپنے آپ کو یہ کہہ کر بے عزت کرالیں کہ آپ کچھ دیر پہلے نشے میں تھے۔"

حضرت خدیجہ نے باپ پر اس ذہنی دباؤ کو جاری رکھا یہاں تک کہ خویلد نے جب دیکھا کہ ان کے پاس کوئی جواب ہے نہ راہ فرار تو اپنی رضامندی دے دی۔ اس پر حضرت ابو طالب نے یہ تقریر کی:

"تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں تخلیق کیا، بنی ہاشم کو جو حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ہیں اور جو اسمٰعیل کی نسل میں سے ہیں جس اللہ نے ہمیں اپنے گھر خانہ کعبہ کا محافظ مقرر کیا۔ اور ہمیں سرزمین مقدس کا انتظام وانصرام سونپا پھر جس پروردگار نے ہمیں دوسرے تمام عربوں پر سردار مقرر کیا۔ آج آپ میرے بھائی کے بیٹے محمد ﷺ بن عبد اللہ کے سامنے کھڑے ہیں، کوئی شخص میرے بھتیجے کی برابری نہیں کر سکتا، کیونکہ شرافت، مرتبے، فیاضی اور عقل و دانش یہ سب سے افضل ہے۔ اگر قسمت اس کا ساتھ نہیں دیتی اور یہ دولتمند نہیں ہو جاتا تو دولت تو محض ایک تغیر پذیر سایہ ہے اور ایسا قرضہ ہے جس کو بالآخر واپس ادا کرنا ہوتا ہے۔ محمد ﷺ بن عبد اللہ کی روح معزز خاتون خدیجہ کی طرف مائل ہے اور بالکل اسی طرح اس خاتون کی روح محمد ﷺ کی طرف مائل ہے اور اس لمحے محمد ﷺ کی آرزو ہے کہ اے خویلد! آپ اپنی سخاوت کا ثبوت دیتے ہوئے بیٹی کو اس کی بیوی کے طور پر اس کے حوالے کر دیں۔ جہیز کے طور پر میرا بھتیجا بیس جوان اور تنومند اونٹ لائے گا اور اے میرے قریش بھائیو! میں تم سب کو گواہ بنا کر اس بات کا اعلان کر رہا ہوں"۔

شادی کی رسم ادا ہوئی، طنبورہ کی آواز پر حضرت خدیجہ کے خوبصورت اور جوان غلاموں نے مہمانوں کے سامنے خوشی و مسرت سے سرشار رقص کیا۔ سب کے سب خوش تھے کہ دو شریف

خاندان اس شادی کی وجہ سے ایک دوسرے کے بہت قریب آ گئے تھے۔

حضرت خدیجہ آنحضور ﷺ کی پہلی بیوی تھیں۔ ان کے شوہر کے دل میں حضرت خدیجہ کا کوئی رقیب نہیں تھا۔ اپنی زندگی کے آخری لمحے تک وہ اپنے شوہر کی واحد محبوب بیوی تھیں۔ آپ کے بطن سے سات بچے پیدا ہوئے: تین بیٹے قاسم، عبداللہ اور ابراہیم اور چار بیٹیاں: رقیہ، فاطمہ، زینب اور ام کلثوم۔ کچھ سیرت نگاروں کے خیال میں عبداللہ ہی کو طیب اور طاہر کے نام سے پکارتے تھے۔

سب سے بڑے بیٹے قاسم کی پیدائش کے بعد آنحضور ﷺ ابوالقاسم یعنی قاسم کے والد کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔ وارث کی پیدائش پر محمد ﷺ بہت خوش تھے۔ یہ بچہ جو اپنے باپ کا چہیتا تھا شیر خوارگی ہی میں انتقال کر گیا۔ چند سیرت نگاروں کے خیال میں یہی طاہر اور طیب کا مقدر تھا وہ دونوں بھی انتقال کر گئے تھے اور ان سب کا انتقال "دور جاہلیہ" میں ہوا تھا۔ صرف بیٹیوں نے اسلام کی آمد دیکھی اور ان کا شمار اسلام کے ابتدائی ماننے والوں اور دین کی خدمت کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

خانہ کعبہ کی تعمیر نو کس طرح ہوئی (۶۰۵ء)

آگ کی وجہ سے کعبہ کا کچھ حصہ جل گیا تھا۔ چھت کے گر جانے سے چور اندر داخل ہو کر اس خزانے میں سے چرا کر لے جاتے تھے جو زائرین کی طرف سے پیش کی جانے والی دولت پر مشتمل تھا۔

خانہ کعبہ کی مرمت بہت ضروری تھی لیکن بدقسمتی سے اس کی دیواریں اتنی خستہ حالت میں تھیں کہ کم سے کم بوجھ کو سہارا نہ دے سکتی تھیں۔ اسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ انہیں بھی گرا کر زمین بوس کر دیا جائے۔ اس مقدس گھر کی تعمیر نو کے وقت یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں اس کے گرائے جانے پر یہ اعتراض نہ اٹھایا جائے کہ یہ مذہبی لحاظ سے خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے مترادف ہوگا۔

کافی غور و فکر اور پس و پیش کے بعد اور کئی معجزات کے رونما ہونے پر اہل قریش اس نتیجے پر پہنچے کہ خانہ کعبہ کی پرانی دیواریں گرادی جائیں۔ پرانی تعمیر میں بنیادوں میں پتھروں کے بڑے بڑے بلاک استعمال ہوئے تھے، چنانچہ فیصلہ یہ ہوا کہ خاندان قریش کی ہر شاخ تعمیر نو میں حصہ لے۔

تعمیر نو کے کام میں شریک افراد ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے اور جوش و جذبے کا بھرپور اظہار کر رہے تھے جس کی وجہ سے بہت جلد دیواروں کی تعمیر کا کام اس مقام تک پہنچ گیا تھا جہاں سیاہ پتھر "حجر اسود" نصب کیا جانا تھا۔ اس یادگار پتھر کو اپنی پرانی جگہ پر کون لگائے گا؟ اور یہ اعزاز کس کے حصے میں جانا چاہئے؟ یہ سوال پیدا ہوا تو معاملہ طول کھینچ گیا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اس کا فیصلہ کیوں کر کیا جائے۔ فساد کا خدشہ بھی پیدا ہو گیا تھا۔ حسد کے جذبے نے کئی

گروہوں کو ایک دوسرے کے بالمقابل کھڑا کر دیا تھا۔ نبی عبد الدار نے بنی عدی بن کعب سے الحاق کر لیا تھا۔ اور خون کے ایک پیالے میں ہاتھ ڈال کر قسم کھائی کہ یہ اعزاز کسی اور کو بخشا گیا تو وہ جانیں دے دیں گے مگر یہ حق کسی اور کو نہ دیں گے اس لئے کہ ان کے خیال میں یہ حق انہیں ورثے میں ملا تھا۔

چار دن اور چار راتیں گزر گئی تھیں اور مخالفین اپنے اپنے مؤقف پر ڈٹے ہوئے تھے ایک دوسرے پر نظر تھی کہ کوئی حجر اسود نصب نہ کر دے۔ آخر کار ان میں سے ایک شخص ابو اُمیہ جوان میں بڑا تھا آگے آیا اور سب کو مخاطب کر کے کہا:

"اس کام نے ایک دن ختم تو ہونا ہے، میری تجویز یہ ہے کہ ہمارے درمیان جو شخص سب سے پہلے آتا ہے اسے ثالث بنا لیا جائے تاکہ وہ اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے جو ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کر رہا ہے"۔

یہ مشورہ تمام گروہوں کو پسند آیا کہ قابل قبول تھا۔ چنانچہ سب نے اِسے تسلیم کر لیا۔ اسی لمحے انہوں نے دیکھا کہ ایک تیس ۳۰ سال کا نوجوان ان کی طرف آ رہا ہے۔ انہوں نے پہچان لیا تھا کہ یہ نوجوان تو "الامین" یعنی قابل اعتماد کے لقب سے پکارا جاتا تھا اور اس کا نام محمد ﷺ تھا۔ سب نے بیک زبان آنحضور ﷺ کو اپنا ثالث مان لیا تھا۔ پھر انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا اور فیصلے کی درخواست کی۔ آنحضور ﷺ نے ساری بات غور سے سنی اور بغیر کسی جرح کے آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک چادر لے آؤ اور اسے زمین پر بچھا دو"۔ تعمیل ہو گئی تو محمد ﷺ نے حجر اسود کو اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اس چادر کے درمیان رکھ دیا پھر فرمایا: "ہر گروہ کا سرکردہ شخص اپنے اپنے سامنے سے چادر کا ٹکڑا پکڑ لے" سب نے ایسا ہی کیا۔ پھر آپ ﷺ ان سے مخاطب ہوئے جنہوں نے چادر کے چاروں کونے پکڑ رکھے تھے "اب سب مل کر چادر کو اٹھاؤ، آپ ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے فرمایا اور دیوار کی اس بلندی تک چادر کو لے آؤ جہاں حجر اسود نصب کرنا ہے۔" جب وہ لوگ ایسا کر چکے تو حضور نے حجر اسود چادر میں سے اٹھا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اسے نصب کیا جانا تھا۔

سب لوگ خوش تھے اور آنحضور ﷺ کے شکر گزار بھی کہ جن کی حاضر دماغی نے نزاع کی کیفیت دور کر دی تھی اور صلح و صفائی کے ساتھ سارا جھگڑا ختم ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے بغیر کسی گروہ سے جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام گروہوں کو مطمئن کر دیا تھا۔ اور تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا کہ خون خرابے کے بغیر انا پرست عربوں نے ایک فیصلے پر اتفاق کر لیا تھا۔ اور یہ سب کچھ اس محترم شخصیت نے کر دکھایا جس کا کوئی ثانی نہ تھا۔

حجر اسود کے نصب کرنے کے بعد خانہ کعبہ کی دیواریں بہت تیزی سے تکمیل کی طرف بڑھ رہی تھیں اور تمام لوگ دوستوں کی طرح مل جل کر کام کر رہے تھے۔ ابتداء میں خانہ کعبہ کی بالکونی کی چھت ایک بحری جہاز کا پشتہ تھی جو جدہ کے ساحل پر تباہ ہوا تھا۔ اب جس وقت خانہ کعبہ کی تعمیر نو مکمل ہوئی تو یہ نہایت قیمتی لان سے تیار کردہ غلاف کی شکل میں تھی جسے قدیم مصری بافندوں نے بنا تھا۔

بعد میں غلاف کعبہ دھاریدار یمنی کپڑے سے بنا اور مزید کچھ عرصے بعد حجاج بن یوسف نے "کسوئی" یا سیاہ ریشمی کپڑے کا غلاف تیار کروایا تھا۔ آج بھی غلاف کعبہ وہی ہے اور اسے ہر سال تبدیل کیا جاتا ہے۔

تم زاد راہ لے لیا کرو، پس بیشک بہتر زاد راہ تقویٰ ہے (۲ : ۱۹۷)

إِنَّآ أَنزَلْنَـٰهُ فِى لَيْلَةِ ٱلْقَدْرِ

بیشک ہم نے یہ (قرآن) اتارا، لیلۃ القدر میں۔ (۹۷:۱)

باب ۔ ۳

صحرا نوردی

آنحضور ﷺ کو وہ "الامین" (قابل اعتماد) کہتے تھے۔ انہیں شہر کے لوگ بڑی سے بڑی تعظیم اور شہر کا سب سے بڑا عہدہ دینے کے لئے رضامند تھے۔

لیکن آپ ﷺ کے مزاج میں نہ تو خود نمائی تھی نہ اس طرح کی کسی شے کے لئے دل میں آرزو۔ آنحضور ﷺ نے بڑی حقارت کے ساتھ ان لوگوں کی خوشامد پسندانہ باتوں کا جواب دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ تو ایک ہنگامی صورت حال تھی کہ شادی سے اب تک پندرہ سال کے عرصے میں پہلی بار آپ ﷺ کعبہ کی تعمیر نو کے موقعہ پر پیدا ہونے والے جھگڑے میں لوگوں کے درمیان گھل مل گئے تھے۔

آپ ﷺ کا وقت کیسے گزرتا تھا؟ اللہ نے آپ ﷺ کو خلوت پسندی عطا کی تھی اور وہ حد نظر تک پھیلے ہوئے بنجر میدانوں میں تنہا گھومتے رہنے کو ہر طرح کی کسی دوسری مصروفیت پر ترجیح دیتے تھے۔

اس خلوت پسندی کے اسباب کیا تھے؟ اس سونے صحرا میں جو مکہ کو گھیرے ہوئے تھا آپ ﷺ بلاشبہ اپنے بچپن کی پر مسرت یادوں کو دہراتے رہتے تھے وہ یادیں ان ایام سے وابستہ تھیں جو آنحضور ﷺ نے حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس بادیہ میں گزارے تھے۔ لیکن آپ ﷺ کی روح جس پر اللہ کا بڑا کرم تھا، اس سے آپ ﷺ کو ایک ممتاز اور باوقار قسم کی تسلی و تشفی حاصل ہوتی تھی۔ اس عرصے میں سب سے بڑھ کر بات یہ تھی کہ آپ ﷺ کی نظروں سے عربوں کی اخلاقی اور مذہبی غلطیاں اوجھل رہتی تھیں۔

عرب بڑے شاہانہ طمطراق کے مالک تھے وہ بہادر تھے اور آزادی پر انہیں بڑا غرور تھا۔ مہمانوں کے لئے ان کی فیاضی و سخاوت مثالی تھی اور مہمان نوازی میں کوئی ان سے سبقت نہ لے جا سکتا تھا۔ مہمان نوازی کے حوالے سے ایک شخص حاتم طائی کا بڑا نام تھا وہ فیاض و مہمان نواز میزبانوں میں شہزادہ تصور کیا جاتا تھا۔

عربوں کو فن خطابت اور شاعری عطا ہوئی تھی اور عرب دنیا بھر کے بہت اعلیٰ خطیبوں اور شاعروں سے مقابلہ کر سکتے تھے۔ اپنے بہادرانہ کارناموں کے جشن مناتے تو شاعری سے کام لیتے تھے خوشی و مسرت اور رنج کے دونوں موقعوں پر شاعری سے کام لیا جاتا تھا۔ وہ کھلے دل سے اس معاملے میں اپنی فیاضی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ ان گرم خون کے مالک عربوں کے لئے شاعری جذبات کے اظہار کا ذریعہ تھی اور شاعری میں وہ ایسی بلیغ زبان استعمال کرتے تھے کہ سحر پھونک دیتے تھے۔

ان کے عوامی میلے جو خصوصاً عکاظ کے مقام پر منعقد ہوتے تھے انہیں شاعری کے مقابلوں کا اچھا موقعہ فراہم کرتے تھے۔ یہاں جیتنے والا خوشی سے پاگل ہجوم کی زبانی اپنی شاعری کی تعریف سنتا تھا اسے پھر سنہری حروف میں لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیا جاتا تھا۔ ان شاعرانہ کوششوں کو "المعلقات" کہتے تھے (معلق شدہ، معطل) ان میں سے سات ہم تک پہنچے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ قدیم بدوی شعراء نے شعر و سخن میں بڑا مقام پیدا کر لیا تھا۔

لیکن جب ہم عربوں کی ان پیدائشی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ ہم بڑے افسوس کے ساتھ ان کی غلطیوں کا ذکر بھی ضرور کرتے ہیں۔ مثلاً خدائے وحدہ لاشریک کا تصور لئے ہوئے اُس مذہب کو جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا مذہب تھا اسے وہ بالکل بھلا چکے تھے۔ یہ الگ بات کہ کعبہ کی تعمیر ان لوگوں نے اپنے ہاتھوں سے بڑے احترام کے ساتھ کی تھی۔ یہ "مشرکون" بن چکے تھے، یعنی وہ جو اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے تھے، اوروں کو بھی معبود سمجھنے لگے تھے۔ اللہ جو ایک ہے اس کے ساتھ ان لوگوں نے بتوں کی شکل میں معبود بنا لئے تھے، انہیں وہ عموماً اللہ پر ترجیح دیتے تھے۔ ہر قبیلے اور خاندان کا ایک پسندیدہ بت تھا اور کعبہ میں ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے یہ جھوٹے خدا لکڑی یا پتھر کے بنے ہوئے تھے، ان سے خانہ کعبہ کی حرمت برقرار نہیں رہی تھی۔

بت پرستی کے علاوہ اور کئی خرابیاں جنم لے چکی تھیں۔ پانسہ پھینک کر کھیل کھیلے جاتے تھے تیروں سے فال نکالتے تھے، شراب نوشی عام تھی، جادو منتر نے ان لوگوں کے دماغ خراب کر دیئے تھے۔ ان سب کاموں میں یہ بہت ماہر ہو گئے تھے۔ اللہ نے انہیں جو خوبیاں عطا کی تھیں ان پر پردہ پڑ چکا تھا۔ ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد ہو کر، اخلاقیات کے ہر درس کو بھلا کر، وہ اتنی عورتوں سے شادی کرتے تھے جتنی عورتوں کو کھلا سکنے کے متحمل ہوتے تھے۔ بیوہ عورتیں چونکہ اپنے شوہروں کی ملکیت تصور ہوتی تھیں اس لئے سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بیٹوں کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کی بنیاد پر استوار اتحاد پیدا ہو گیا تھا۔

اور زیادہ قابل مذمت رسم ایک اور بھی تھی۔ "وداع البنات" (لڑکیوں کو زندہ گاڑ دینے کی رسم) عزت کا تصور بدل گیا تھا۔ عرب یہ سمجھنے لگے تھے کہ دشمن کسی دن ان کے خاندانوں کو رسوا کرنے کے لئے ان کی بیٹیوں کو اٹھالے جائے گا یا انہیں نفس کی مسرتوں کے لئے استعمال کرے گا۔ غیر فطری طور پر باپ بننے والے اپنی نوزائیدہ بچیوں کو زندہ دفن کر کے سے ان سے نجات حاصل کر لینے کو ترجیح دیتے تھے۔

مختصر یہ کہ عرب نمود و نمائش کی زندگی کی طرف مائل تھے۔ ان کے شاہانہ طمطراق پر مبنی تعصب اور غیر معمولی غرور و تکبر نے انہیں ہر طرح کے نظم و ضبط اور صاحب اقتدار شخصیت یا ادارے کے خلاف بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اتحاد و یکجہتی اور ترقی ناممکن ہو گئی۔ مسلسل جنگ و جدال اور قبیلوں، خاندانوں کے درمیان ظالمانہ قتل و خوں ریزی نے پورے عرب کو خون کے سمندر میں نہلا دیا تھا۔

عربوں کی اس گناہ آلود زندگی نے محمد ﷺ کو افسردہ و مغموم کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کو معاشرہ کی جڑوں تک پھیلی ہوئی ان برائیوں کا کوئی علاج نظر نہ آتا تھا۔ آپ ﷺ کے خیال میں یہ اللہ کا عذاب تھا جو ان لوگوں کا مقدر بن چکا تھا۔ وہ عذاب جس نے ثمود و عاد کے لوگوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا تھا۔ آنحضور ﷺ کوئی ایسی جگہ تلاش کرتے جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو اور پھر وہاں جا کر اپنے آپکو چھپا لیتے تھے۔ لوگوں سے دور رہ کر آپ ﷺ اپنی یادوں سے ان لوگوں کی بداعمالیوں اور قابل نفرت باتوں کو نکال پھینکتے تھے۔

یہ وہ دن تھے جب آنحضور ﷺ تنہائی میں غور و فکر اور تدبر کی ضرورت کے ساتھ ساتھ عبادت کو لازمی سمجھتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کی روح کی ضرورت تھی۔ حضور ﷺ صحرائی گھاٹیوں میں نکل جاتے تھے پہاڑی نالوں کے ساتھ ساتھ چلتے رہتے یا پہاڑی چٹانوں پر چڑھ جاتے تھے۔ ان کی چوٹیوں پر بیٹھے رہتے۔ اپنے قدموں میں افق کے اس پار دور تک نظریں دوڑاتے اور تخیل کے پروں پر سوار نہ جانے کہاں کہاں تک پہنچ جاتے تھے۔

آپ ﷺ کئی کئی گھنٹے بے حس و حرکت بیٹھے اپنے تصورات میں کھوئے رہتے۔ روشنی کے اس سمندر میں موت کا سا سکوت ہوتا تھا۔ وہ مسحور کن مناظر سے بھی لطف اندوز ہوتے۔ ارض و سما کے وہ پراسرار عناصر نظروں کے سامنے رہتے جو کسی ادراک سے ماوراء، بے مثل و بے مثال قوت کے تابع ہوں۔

آنحضرت ﷺ ریت کے ٹیلوں اور چٹانوں کو بغور دیکھتے جو شروع میں تو صبح کی نقاب باریک جالی کے پردے میں ہوتی تھیں اور پھر جب سورج کی پہلی کرنیں پھیلتیں تو ان میں چھوٹے

چھوٹے کنکر بیٹے نظر آتے جو قیمتی پتھروں کی مانند جگمگا رہے ہوتے تھے۔ پھر جوں جوں سورج بلند ہوتا تو خیرہ کر دینے والی روشنی کی چادر دن کو ڈھانپ لیتی تھی۔ سورج نصف النہار پر پہنچتا تو روشنی کی یہی چادر تھکی ماندی زمین پر یوں بچھی ہوتی جس طرح کسی بے حس و حرکت لاش پر پڑی ہو۔ جب سورج غروب ہونے کے قریب ہوتا تو روشنی کا سنہری سیلاب امڈ آتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کی لہروں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہو۔ لگتا تھا سورج یہ سوچ رہا ہے کہ جب یہ رخصت ہو جائے تو لوگوں کو اس کی کمی زیادہ سے زیادہ محسوس ہو۔ رات آئی تو چاند کی تزئین نے آسماں سجا دیا تھا کسی کبوتر کے سینے کی سی شکل دکھائی دی۔ چاندنی کی چھینٹوں نے ان گنت ستاروں کی شکل اختیار کر لی تھی۔

ہوا جس وقت خاموش تھی اس وقت ریت نے خوشی خوشی اونچے اونچے ستون کھڑے کر دیئے تھے یوں لگتا تھا جیسے یہ ریت زقند لگا کر نیلگوں آسماں تک پہنچنا چاہتی ہو یا طوفانی دنوں میں بپھرے ہوئے پہاڑی نالے زمین کی تہ سے ابل پڑے ہوں تاکہ اس سیاہ دھند پر حملہ آور ہو سکیں جس میں بجلیاں چھپی ہوں۔ بادلوں کے قافلے بعض اوقات تیز رفتاری سے رواں دواں دکھائی دیتے تھے، دیکھنے میں یہ سفید بھیڑوں کے ریوڑ معلوم ہوتے تھے جنہیں تیز ہوا بلند و بالا چوٹیوں سے ہانکتی آ رہی ہو جہاں یہ بادل بن رہے تھے اس سے پہلے کہ یہ اپنی جنم بھومی کو بارشی آنسوؤں سے تر کر دیں ہوا انہیں اپنے دوش پر لے کر چلی جاتی تھی۔

دوسرے دنوں میں چٹیل پہاڑوں پر یہ بادل سیلاب کی شکل اختیار کر کے چھوٹے چھوٹے آبشاروں کی صورت میں ڈھل جاتے اور پھر تند و تیز موسلادھار بارش کی صورت وادیوں میں گرجتے نظر آتے تھے۔

ان خوفناک عناصر کے مقابلے میں جو اس قانون قدرت کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتے تھے جسے خالق کائنات نے ان پر نافذ کیا تھا۔ مغرور و متکبر بنی نوع انسان اس طاقت کے سامنے کس قدر کمزور و ناتواں نظر آتے تھے۔ یہ دنیاوی عناصر کی قوت پر انحصار کرتے تھے۔ اب یہ کمزور و بے قعت باتیں اپنا وجود کھو چکی تھیں اور اس حقیقت کے سامنے جس کی طرف محمد ﷺ نے اشارہ فرمایا تھا دنیا کی باعث ناز چیزیں ہیچ نظر آتی تھیں۔

محمد ﷺ کی تعلیم کا اصل منبع "صحرا نوردی" تھا۔ اس سے آپ ﷺ کے دل و دماغ سے تمام دنیاوی خیالات محو ہو گئے تھے۔ اسے "صفات الصفا" یعنی "پاکیزگی کی پاکیزگی" کا نام دیا گیا۔

بے پایاں صحرا کی روح رفتہ رفتہ آپ ﷺ کی روح میں سرایت کر گئی اس سے آپکو دونوں عالم کے خالق و مالک کی لامحدود عظمت و بڑائی کا وجدان حاصل ہوا۔ فطرت کے رازہائے سربستہ

پر سے آپ ﷺ کے لئے پردہ اٹھادیا گیا تھا۔ یہ لافانی سچائیاں آنحضور ﷺ کے ذہن پر اس طرح آشکارا ہوئیں کہ یہ آپ ﷺ کی زبان پر آنے کے لئے تڑپ رہی تھیں۔ اس سلسلے میں عظیم مفکر کارلائل اپنی کتاب The Hero as Prophet میں آنحضور ﷺ کی تعریف و تحسین کا یوں اظہار کرنے پر مجبور تھا۔

"اس شخص کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ قدرت کے دل سے نکلی ہوئی صدا ہے۔ انسان اس صدا کو سنتے ہیں اور انہیں سننا چاہئے اس لئے کہ اس آواز کے ساتھ کسی اور آواز کا موازنہ کیا ہی نہیں جاسکتا" ("ہیرو بطور پیغمبر"، لندن ۱۸۴۰)

کیا یہ بات قابل غور نہیں کہ مغرب کے چند مستشرقین نے اس بات کو یوں پیش کیا ہے کہ اس صحرانوردی سے محمد ﷺ نے بایں معنی فائدہ اٹھایا کہ مستقبل میں جو کار عظیم ان کے سپرد ہو رہا تھا اس کی باریک ترین تفصیلات کو آپ ﷺ نے ان ہی دنوں ترتیب دیا۔ ان میں سے کچھ سکالروں نے تو یہ اشارہ دینے کی کوشش بھی کی ہے کہ تنہائی کے ان ایام میں آپ ﷺ نے پورا قرآن حکیم تحریر کیا۔ لیکن انہوں نے غالباً یہ نہیں دیکھا کہ اس مقدس کتاب میں انسانی طریقوں کے مطابق پہلے سے طے شدہ کوئی منصوبہ نظر نہیں آتا اور ہر سورۃ کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے کی ضرورت ہے کیونکہ ان میں سے ہر سورۃ ان مختلف واقعات کے ذکر پر مشتمل ہے جو بعد ازاں وقوع پذیر ہوئے۔ یہ بیس سال سے زائد عرصے پر پھیلے ہوئے ہیں اور پہلے سے انہیں دیکھ لینا محمد ﷺ کے لئے ناممکن تھا۔

مغربی مفکر عرب ذہن سے ناواقف تھے اس لئے وہ آنحضور ﷺ کے طویل غور و فکر کے لئے کوئی اور توجیہہ پیش نہ کر سکے۔ اگر یہ سکالر بدوؤں کے درمیان زیادہ طویل عرصے تک رہنے کا موقعہ پاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جو تحقیر و ذلت وہ ان صحرائی باشندوں سے اکثر و بیشتر منسوب کرتے ہیں، وہ صحرائی لوگ تو پہاڑی کی چوٹی پر سمٹ کر بیٹھتے ہیں اور خلاء میں گھورتے رہتے ہیں یہ کوئی ان کے خبط یا پاگل پن کا سبب تو نہیں جیسا کہ بعض سکالر بیان کرتے ہیں۔ یہ کسی مشاہدہ کے نتیجہ میں کہی جانے والی بات نہیں ہوتی بلکہ محض مزاح پیدا کرنے کے لئے ایسا کہا جاتا ہے ان سب باتوں سے بالاتر اگر خود انہیں اس بے خودی و سرمستی کے ناقابل بیان طلسم سے گزرنے کا موقعہ ملا ہوتا جو صرف اور صرف صحرا کی وسعت بیکراں کو دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے تو وہ اس بات کا اعتراف ضرور کر لیتے کہ شعور و آگہی کو وجدانی کیفیات اسی سے عطا ہوتی ہیں اور پھر وہ اس قسم کی بھونڈی غلطی کے مرتکب کبھی نہ ہوتے۔

یہ غور و فکر اور تدبر ایک ایسا مشکل امتحان یا آزمائش ہے جس میں نورستہ جذبات اور تصورات

پگھل جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں غیر معمولی پاکیزگی جنم لیتی ہے۔ اس کا اس انبار لگا دینے والی شے سے بھی مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو مافوق الفطرت قوت کو ایک جگہ جمع کر دیتی ہے یہ بیشک پنہاں ہوتی ہے اور اس کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا اور اس کی مثال درخت کے تنے میں خوابیدہ آگ کی طاقت کی مانند ہوتی ہے۔ غور و فکر سے یکجا کی جانے والی قوتیں مضمر ہوتی ہیں، ان کے بارے میں کسی کو شک و شبہ نہیں ہوتا یہاں تک کہ جن کے اندر یہ پوشیدہ ہوتی ہیں ان کو بھی خبر نہیں ہوتی۔ البتہ ایکبار کوئی ذرا سی چنگاری اڑ کر باہر آجائے تو پھر دیکھئے یکلخت شعلے کس طرح آسمان کی طرف اٹھتے نظر آتے ہیں اور دنیا بھر کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔

اس عہد میں یقیناً محمد ﷺ کی ایسی کوئی نیت نہیں ہوگی جس کا سرا مستشرقین نے آنحضور ﷺ کے سر باندھا ہے۔ آپ ﷺ نے تو سرے سے کوئی منصوبہ بندی بھی نہیں کی تھی۔ خلوت میں وہ غور و فکر ضرور کرتے تھے لیکن کوئی پیش بندی نہیں فرمائی تھی۔ پھر ایک دور ایسا آیا جب آنحضور ﷺ الہامی کیفیات سے گزرے خواب دیکھے اور پراسرار صدائیں سنیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو اپنا پیغمبر چن لیا تھا اور خالق کائنات کا فضل و کرم عیاں ہو گیا تھا۔

محمد ﷺ فرماتے ہیں: ''پہلی وحی کے نزول سے دس ماہ قبل میری نیند میں خیرہ کر دینے والے خواب مخل ہونے لگے تھے، مجھے اس طرح کی روشنی نظر آتی جیسی صبح کے وقت سورج کی شعاعوں سے پھیلتی ہے جب مجھے کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا تھا تو مجھے یہ آواز سنائی دیتی تھی: ''اے محمد ﷺ! اے محمد ﷺ! میں مڑ کر اپنے پیچھے دائیں بائیں دیکھتا لیکن مجھے سوائے جھاڑیوں اور پتھروں کے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ یہ وہ لمحات تھے جب میں خوفناک بے چینی اور شدید کرب سے گزرا۔ میں غیب کی باتیں بتانے والوں اور مافوق البشر نوع کی مخلوق سے نفرت کرتا تھا۔ میں نے سوچا کہیں اس بات کی خواہش کئے بغیر میں بھی ان جیسا تو نہیں ہو گیا یہ آوازیں بے جان چیزوں سے نکلتی دکھائی دیتی تھیں۔ یہ چھپے ہوئے جنوں کی آوازیں بھی ہو سکتی تھیں۔ جن ایک ایسی مخلوق تھی جو جادوگروں اور قسمت کا حال بتانے والوں، جوتشیوں کو سماوی و ملکوتی معاملات کی خبریں بہم پہنچاتے تھے اور اس سے ان لوگوں کو اپنا مذموم کاروبار چلانے میں مدد ملتی تھی۔

مکہ سے تقریباً تین میل دور جبل النور یا روشنی کے پہاڑ پر جو عرفات کو جانے والے راستے کے بائیں طرف ہے سرخ پتھروں سے بنی ہوئی ایک قدرتی غار ''غار حرا'' ہے۔ آنحضرت ﷺ اس غار میں سال میں ایک ماہ رات دن خلوت میں رہتے تھے۔

نزول وحی

آپ ﷺ اپنے ساتھ کھانے کے لئے "کاک" (تیل میں پکا ہوا ایک بسکٹ جو دیر تک اصلی حالت میں رہتا ہے اور خراب نہیں ہوتا) لے جاتے تھے تاکہ اس مدت کے دوران شہر کی طرف واپس نہ لوٹنا پڑے۔ اگر کبھی اتفاق سے خوراک ختم ہو جاتی اور آپ ﷺ کو مجبوراً کھانے کا سامان لانا پڑتا تو آپ ﷺ کھانے کی چیزیں لے کر واپس غار میں آجاتے۔ غور و فکر کے دوران کسی طرح کی بھی مداخلت یا تعطل آپ ﷺ کو پریشان کر دیتا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی عمر اب چالیس برس ہو گئی تھی اور وہ پچھلے پندرہ برس سے خدائے واحد کی عبادت میں منہمک رہ کر اپنے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیمؑ کے دین حنیف کو بچانا چاہتے تھے جس میں ایک خدا کی عبادت کا تصور پایا جاتا تھا۔ اس مذہب میں جو قابل اعتراض تبدیلی آگئی تھی اور جو تبدیلی اہل مکہ لے آئے تھے آنحضور ﷺ اس سے دین کو پاک کرنا چاہتے تھے۔ ایک دن ماہ رمضان کی پچیسویں، چھبیسویں یا انتیسویں شب (جنوری ١٥۔ ١٧ یا ١٩ جنوری ٦١١ء) ایک ناقابلِ فراموش واقعہ پیش آیا جس سے خدائے رحیم و کریم نے اپنے بندے پر رحمت فرمائی اور حضرت جبریلؑ کی زبانی پہلی وحی قرآن کی پہلی آیات کی شکل میں زمین پر بھیجی۔

آنحضور ﷺ فرماتے ہیں:

"میں غار حرا میں سویا ہوا تھا کہ اللہ کا مقبول فرشتہ جبریلؑ میرے پاس آیا اور ایک لمبی ریشمی کترن جو تہ کی ہوئی تھی اسے کھولا، اس پر کوئی تحریر کشیدہ کاری میں دکھائی دی۔ فرشتے نے کہا:

"پڑھیے"

میں نے جواب دیا: "میں ان میں سے نہیں جو پڑھ سکتے ہیں"۔ اس نے مجھے فوراً پکڑا اور ریشمی کترن کی تہوں کو میرے منہ اور نتھنوں کے گرد اس قدر مضبوطی سے کس دیا کہ میں سانس نہ لے سکتا تھا۔ میں نے سوچا میری موت کی گھڑی آن پہنچی ہے۔ پھر جبریل نے اپنی گرفت ڈھیلی کرتے ہوئے دہرایا:

"پڑھیے" میں نے پہلے والے الفاظ دوبارہ دہرائے: "میں ان میں سے نہیں ہوں جو پڑھ سکتے ہیں"۔ اس نے دوبارہ مجھے بھینچ لیا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرا سانس میرے سینے سے ہمیشہ کے لئے جدا ہونے کو ہے۔ آخر کار اس نے اپنی گرفت ڈھیلی کی اور تیسری بار کہا: "پڑھیے"! میں نے پوچھا: "مجھے کیا پڑھنا ہے؟" میں نے ڈرتے ڈرتے یہ بات پوچھی تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ریشمی کترن کو پھر میرے منہ اور ناک کے گرد کس دے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ اگر اس بار بھی ایسا ہوا تو میرے پھیپھڑے کام کرنا بند کر دیں گے۔

جبریلؑ نے کہا:

"پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (سب کو) پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے اور آپ ﷺ کا رب سب سے بڑا کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا"۔ (٩٦: ١۔٥)

مین نے یہ الفاظ جبریلؑ کے پیچھے پیچھے پڑھے۔ اس کے بعد وحی لانے والا فرشتہ غائب ہو گیا نیند سے بیدار ہونے کے بعد مجھے یوں لگا جیسے کوئی پوری کتاب میرے دل کی تختی پر کندہ کر دی گئی ہے میں غار سے باہر نکلا اور تصور ہی تصور میں سارا واقعہ دہراتا رہا۔ پہاڑوں سے اتر کر نصف فاصلہ طے کر چکا تو مجھے یہ آواز سنائی دی جو آسمان کی بلندیوں سے آ رہی تھی: "اے محمد ﷺ! آپ اللہ کے رسول ہیں اور میں جبریلؑ ہوں!" میں نے نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ مجھے فضا میں جبریلؑ پر پھیلائے دکھائی دیئے۔

یہ نظر آنے کے بعد میں اپنی آنکھیں نہ پھیر سکتا تھا۔ مجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا افق کی دوسری سمتوں میں مجھے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ فرشتے کا خیرہ کر دینے والا ظہور میری آنکھوں کے سامنے آجاتا تھا۔ میں بے حس و حرکت ایک جگہ کھڑا تھا نہ پیچھے جا سکتا تھا نہ آگے۔ میں پتھر کا سا ہو گیا تھا۔ دوسری مرتبہ پھر جبریلؑ نے مجھ سے کہا:

"اے محمد ﷺ آپ ﷺ اللہ کے نبی ہیں اور میں جبریل ہوں"۔ پھر وہ فرشتہ یوں غائب ہو گیا جیسے خواب میں کوئی خیال غائب ہو جاتا ہے۔ اب میں تیزی کے ساتھ اپنے گھر کی جانب دوڑا، شدید بے چینی واضطراب میں میرے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی۔

جب آنحضرت ﷺ نے پنے گھر کا دالان عبور کیا تو وہ حضرت خدیجہ کی جانب بڑھے۔ ان کی آغوش میں اپنا رخ روشن چھپا لیا ان پر کپکپی طاری تھی، اور وہ سر سے پاؤں تک لرزہ براندام تھے۔

آپ ﷺ نے چلا کر فرمایا:

"مجھے لحاف اوڑھا دیں!، مجھے لحاف اوڑھا دیں!" حضرت خدیجہؓ کے خدام حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے تھے اور آپ ﷺ کو اس وقت تک لحاف میں لپیٹے رکھا جب تک کپکپاہٹ دور نہ ہو گئی۔ حضرت خدیجہؓ نے جو آپ ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر گھبرا گئی تھیں، سوال کیا:

"اے ابو القاسم آپؐ کہاں تھے؟ اللہ خیر کرے آپ ﷺ کو کیا ہوا؟ میں نے تو اپنے چند خدام آپ ﷺ کی طرف روانہ کئے تھے مگر نہ تو آپ ﷺ انہیں غار حرا میں ملے نہ شہر کے مضافات میں"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش آیا تھا وہ بلا کم وکاست حضرت خدیجہؓ کو بتا دیا۔

آپ ﷺ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے فرمایا: "میں تو سمجھا تھا کہ میں جانبر نہ ہو سکوں گا"

حضرت خدیجہؓ نے اطمینان قلب حاصل کرتے ہوئے کہا: "ایسا کیوں کر ہو سکتا تھا؟۔ اللہ یقیناً آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا اس لئے کہ آپ ﷺ اپنے خاندان کے ساتھ مہربانی سے پیش آتے ہیں، کمزوروں پر رحم فرماتے ہیں اور جن کے ساتھ ناانصافی ہوئی ہو ان کی مدد فرمانے والوں میں سے ہیں۔ اے میرے عم زاد! آپ ﷺ میرے لئے بہترین خوشخبری لائے ہیں اور میں تصدیق کرتی ہوں۔ میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ جس کے ہاتھ میں خدیجہ کی جان ہے کہ میں تو یہ خبر سننے کی توقع رکھتی تھی۔ جو آپ ﷺ فرما رہے ہیں اس میں کوئی شک و شبے والی بات نہیں۔ آپ ﷺ ہماری قوم کے رسول ہوں گے"۔

جب سے حضرت خدیجہ نے اپنے غلام میسرہ سے آپ ﷺ کے بارے میں معجزاتی باتیں سنی تھیں اور ان سے ایسی باتوں کی شہادت ملتی تھی جو انہوں نے خود حضور ﷺ کے بارے میں کہی تھیں انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ ان کے شوہر کے مقدر میں کوئی بہت بڑا مقام تھا۔ اسی لئے اس وحی کے نزول پر وہ بالکل حیران نہیں ہوئی تھیں۔ فرغل اپنے جسم کے گرد لپیٹتے ہوئے حضرت خدیجہؓ فوراً اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل کے گھر پہنچیں اور جو کچھ ابھی ابھی آنحضور ﷺ کی زبانی سنا تھا حرف بحرف سنا دیا۔

مکہ میں کتاب مقدس کا علم ورقہ بن نوفل سے زیادہ کوئی اور شخص نہ رکھتا تھا۔ وہ خود عیسائی مذہب کے پیروکار ہو گئے تھے۔ شام کے راہبوں کی طرح وہ بھی اس امید پر زندہ تھے کہ سرزمین عرب پر ایک پیغمبر کی بعثت ہو گی۔ چنانچہ اپنی چچازاد کی زبانی ساری کہانی سن کر اُن کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب امڈ آیا تھا اور وہ یوں چلا اٹھے تھے:

"اے خدائے بزرگ و برتر تو بڑا عظیم ہے!" "اے خدیجہ جو آپ نے بتایا ہے اگر ساری بات بلا کم و کاست اسی قدر ہے تو جو تمہارے شوہر کے پاس حاضر ہوئے وہ حضرت جبریلؑ تھے اللہ کے محرم راز فرشتے۔ یہی فرشتہ ہمارے آقا حضرت موسیٰؑ کے پاس آیا تھا! محمد ﷺ ہماری قوم کے رسول ہوں گے۔ اس میں کسی شک و شبے کی گنجائش نہیں، جاؤ اپنے شوہر تک میرے الفاظ پہنچا دو تاکہ اس کے بعد وہ مطمئن ہو جائے"۔

نبی کریم ﷺ اپنے معمول کے مطابق طواف کعبہ میں مصروف تھے کہ جب ورقہ بڑھاپے کے باعث ضعف جسمانی اور ضعف بصارت کے باوجود، جو زیادہ مطالعہ کی وجہ سے پیدا ہوا تھا خود چل کر محمد ﷺ کے پاس پہنچ گیا تھا تاکہ جو کچھ حضرت خدیجہ نے بتایا تھا وہ آپ ﷺ کی زبانی سن سکے۔ جب بینائی سے محروم اس ضعیف شخص نے اطمینان کر لیا کہ محمد ﷺ نے جو کچھ بتایا ہے اس

میں مکمل صداقت پائی جاتی ہے اور جو پیشگوئیاں وہ کتاب مقدس میں پڑھ چکا تھا حضور ﷺ نے وہی دہرائی تھیں تو اس نے کہا:

"کاش میں بھی اس وقت تک زندہ رہوں جب لوگ آپ ﷺ کو جلاوطن کر دیں گے!"

"یہ کیسے ہوگا؟"

آنحضور ﷺ نے پوچھا۔ "کیا مجھے شہر بدر کر دیا جائے گا؟"

"یقیناً وہ لوگ آپ ﷺ کو جلاوطن کر دیں گے۔" ورقہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "ایسا اس لئے ہوگا کہ آج تک کبھی کوئی فانی انسان وہ کچھ نہیں لایا جو آپ ﷺ لوگوں کے بزدلانہ جور و ستم اور اذیت رسانی کا شکار ہوئے بغیر لے آئے ہیں۔ آہ! اگر اللہ نے اس وقت تک از راہ کرم مجھے زندہ رکھا تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ دشمنوں پر غالب آنے میں، میں آپ ﷺ کی مدد کے لئے اپنی ساری توانائیاں وقف کر دوں گا! تاہم موت نے مہلت نہ دی اور ورقہ یہ سب کچھ دیکھنے کے لئے اپنی آرزو پوری ہوتے نہ دیکھ سکا۔

محمد ﷺ کا شک و شبہ تمام غائب ہو چکا تھا۔ نزول وحی نے آپ ﷺ کی تمام انجانی امنگوں اور آرزوؤں کو بھڑکا دیا تھا اور پچھلے پندرہ برس کے مراقبوں اور غور و فکر نے آپ ﷺ کی روح میں جو قوتیں بھر دی تھیں ان سے اٹھنے والے شعلہ کو ہوا دی۔ اس نے آنحضور ﷺ کی آنکھیں کھول دی تھیں اور بے پناہ طاقت بخش دی تھی تاکہ آپ ﷺ ایک ایسا مافوق الفطرت کردار ادا کر سکیں جو آپ ﷺ کو سونپ دیا گیا تھا: دراصل یہ سب غیر متوقع تھا، حالانکہ کافی عرصہ پہلے آپ ﷺ راہبوں کی زبانی پیشگوئی سن چکے تھے مگر آپ ﷺ یہ بھلا چکے تھے۔ اگر کبھی یہ پیشگوئیاں تھوڑی دیر کے لئے یاد بھی تھیں تو اب برسوں پہلے ذہن سے محو ہو چکی تھیں۔ آنحضور ﷺ کا کرب، اضطراب اور یہ خوف کہ کہیں وہ کسی ابلیسی فریب کا شکار نہ ہو جائیں ہمیں مکمل ثبوت مہیا کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی ذہنی حالت کیا تھی۔

وہ شخص جو لوگوں سے دور بھاگتا رہا اور جس نے مفاد عامہ کے حوالے سے کبھی کوئی بڑی آسامی حاصل کرنے کی خواہش نہ کی تھی، جو اس کے شہر کے دوسرے لوگ بخوشی قبول کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، وہ اب مکمل یقین اور ہمت و حوصلے کے ساتھ ایک بہت بڑا مشن، بہت بڑی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ تھا۔ اسے ان مشکلات اور آزمائشوں کی ذرہ برابر پرواہ بھی نہ تھی جو اس مشن کی تکمیل کے دوران راستے کی رکاوٹ بن سکتی تھیں۔

اس رات، جو ہمیشہ یاد رکھی جانے والی رات تھی، جسے "لیلۃ القدر" یا "مقدر کی رات" کہا جاتا ہے قرآن مکمل شکل میں بلند ترین عرش سے اتارا گیا، جہاں یہ محفوظ تھا اسے جہاں لایا گیا عرش

کا وہ حصہ زمین کے فوراً بعد ایک خاص بلندی پر واقع ہے۔ پھر اسے جہاں رکھا گیا وہ "بیت العزۃ" یا "عروج و کمال کا گھر" کہلایا۔ اس کے عین نیچے زمین پر "بیت اللہ" یا "اللہ کا گھر" تعمیر کیا گیا۔ جہاں حرم کعبہ ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے :

"بے شک ہم نے یہ (قرآن) اتارالیلۃ القدر میں اور آپ کیا سمجھے "لیلۃ القدر" کیا ہے ؟لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، اس میں اترتے ہیں فرشتے اور روح (روح الامین) اپنے رب کے حکم سے، ہر کام (کے انتظام کے لئے) طلوع فجر تک، یہ رات سلامتی (ہی سلامتی) ہے۔(۹۷: ۱ ۔۵)

پھر اس نچلے عرش سے قرآن پاک کی پہلی آیات محمد ﷺ پر نازل ہوتی ہیں۔ آپ ﷺ کے مشن کو عام فہم بنانے کے ساتھ ساتھ، اللہ کا کلام، قرآن کی شکل میں محمد ﷺ کے ہونٹوں سے نکلتا ہے ایک کے بعد دوسری سورۃ نازل ہوتی ہے اور اس میں ۲۳ برس لگ جاتے ہیں۔ یوں دین کے قوانین آپ ﷺ کے تمام افعال کو رہنمائی بخشتے ہیں اور اسلام کی فتح و نصرت کی تنظیم کے سامان مہیا کئے جاتے ہیں۔

ہم اپنے یورپی قارئین کے مفاد میں اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ نزول وحی کے اس واقعہ پر عرب مؤرخین کا درج ذیل تبصرہ پیش کریں :

فرشتہ جبریل جس نے آنحضرت ﷺ کو غار حرا میں تلاش کیا وہی جبریلؑ ہیں جو حضرت دانیال کے پاس اور حضرت مریمؑ، والدہ محترمہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئے تھے۔ حقیقی مسلمانوں کا کہنا ہے کہ جبریلؑ اس جبریل سے بالکل مختلف ہیں جس کے رخسار سرخ تھے، جو خوبصورت زلفوں والا جوان تھا اور جس کے مختلف رنگوں کے پر تھے جیسا کہ یورپی اسے سستی، مذہبی بزرگانہ تصاویر میں دکھاتے ہیں۔ فرشتہ جبریل وہی ہے جسے "الروح" یا "روح الامین" کہا گیا ہے (۹۷ : ۴)۔ اسے "الناموس" یا "نظر نہ آنے والا مشیر" بھی کہا جاتا ہے۔ بعض اوقات اس فرشتے کی حضرت محمد ﷺ کے پاس آمد ایسی آوازوں کی شکل میں ہوتی تھی جنہیں گھنٹیوں کی جھنکار یا شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ اس سے اللہ کے پیغمبر کو تکلیف ہوتی تھی۔ ان کی پیشانی پسینے سے تر ہو جاتی تھی، یہاں تک کہ موسم سرما کے سرد دنوں میں بھی ایسا ہوتا تھا۔ جس وقت شور تھم جاتا اس وقت آپ ﷺ کی سمجھ میں آتا تھا کہ فرشتہ کیا وحی لایا تھا۔ دوسرے اوقات میں جب جبریلؑ نے آنحضرت ﷺ کو مذہبی عبادات و رسوم کی ادائیگی کے بارے میں بتانا ہوتا اس وقت وہ کسی فانی انسان کی شکل دھار کر حاضر ہوتے تھے یہ صورت وحیہ ابن خلیفہ سے ملتی جلتی ہوتی تھی۔ جو

حضور ﷺ کے خلفاء میں سے تھے۔

یہ وحی جس میں فرشتہ ایک علامتی وسیلے یا رابطے کے طور پر کام کرتا ہے یہ ایک ربانی تجلی ہے اور اسے پراسرار قوت کی انتہائی بلندی کے طور پر لیا جانا چاہئے۔ بظاہر یہ فانی انسانوں کو اپنے حصار میں لے لیتی ہے اس لئے کہ یہ انسانی قوت ارادی سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے، جسے ہم کشف یا الہام کہتے ہیں۔

پہلا مسلمان

اس آسمانی ایلچی نے وضو کے بعد نماز کی ادائیگی کا پہلا فریضہ نبی کریم ﷺ کو سکھایا تھا محمد ﷺ جب اس جگہ واپس تشریف لائے جہاں آپ ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی تو جبریل ایک انسانی شکل میں نمودار ہوئے اور کہا: "اے نبی ﷺ آپ ﷺ لوگوں کی رہنمائی فرماتے ہوئے ان سے یہ اعلان کروائیں کہ کوئی معبود نہیں مگر اللہ کے سوا۔"

جبریل آنحضرت ﷺ کو پانی کی ایک گزرگاہ پر لے گئے، زمین پر پاؤں مارا تو پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ پھر جبریل نے محمد ﷺ کو تطہیری مذہبی رسم کے بارے میں بتایا جو نماز سے پہلے وضو کی شکل میں ادا کی گئی۔ فرشتے نے نماز ادا کرنے کا طریقہ سکھایا جس میں قیام و سجود شامل تھے جو جملے نماز کی نیت کے وقت ادا کئے جانے تھے وہ ادا کر کے سنائے۔ نبی ﷺ نے جبریلؑ کے ساتھ نماز ادا کی اور فرشتے کے الفاظ اور حرکات وسکنات سے رہنمائی حاصل کی۔

محمد ﷺ کو محسوس ہوا جیسے آپ ﷺ پر سے ایک بھاری بوجھ اتر گیا ہے آپ ﷺ پاک ہو گئے ہیں اور ان نمازوں کے فوائد نے ان کی روح کو منور کر دیا تھا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال ہو کر آپ ﷺ بے حد خوش تھے اور گھر واپس اپنی زوجہ محترمہ کے پاس لوٹنے والے تھے کہ جبریل ایک بار پھر حاضر ہوئے۔ آنحضور ﷺ سے کہا:

"خدیجہؓ کو اسلام قبول کر کے اللہ کا حکم بجالانے کی تعلیم دیں۔" یعنی یہ کہ خالق ومالک کے احکامات رضاکارانہ طور پر بجالائیں۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور فرمایا:

"اے خدیجہ جبریلؑ مجھے حکم دے رہا ہے کہ آپ کو اللہ کا حکم بجالانے کی تعلیم دوں" اور خدیجہؓ نے جواب دیا: "اللہ ہی کا حکم بجالانا چاہئے، وہ حکم نازل فرمانے والا ہے اور یہ حکم جبریلؑ کے ذریعے پہنچا ہے"۔

یوں اسلام میں داخل ہونے والوں میں سے حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے اسلام لائیں۔ نبی ﷺ انہیں اس معجزاتی چشمے پر لے گئے اور جو کچھ ابھی ابھی جبریل سے سیکھا تھا وہ حضرت خدیجہ کو سکھایا آپ نے اپنے شوہر نامدار کی تقلید میں وضو کر کے اپنے آپ کو پاک کیا اور پھر نماز ادا کی۔

پھر اس روز سے اللہ نے اس قابل تعریف خاتون سے یہ کام لیا کہ اسے آنے والی تمام آزمائشوں میں آنحضور ﷺ کے تمام دکھ درد کم کر دینے میں مددگار و معاون بنا دیا۔ حضرت خدیجہؓ کی خدمت گزاری نے حضور ﷺ کے دل میں انسانوں کی برائیوں کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی اور اپنی زوجہ مطہرہ کے ایمان کامل نے آپ ﷺ کو بڑا سکون بخشا جبکہ ناسمجھ لوگ حضور ﷺ کو (خاکم بدہن) دغاباز اور فریبی کی نظر سے دیکھتے تھے۔

آنحضور ﷺ کے ساتھیوں میں سے آپ ﷺ کے مشن پر ایمان لانے والوں میں اولیت حضرت علیؓ ابن ابو طالب کو حاصل ہوئی۔ جو اس وقت صرف دس برس کے تھے، جنہیں قحط سالی کے دنوں میں چچا کی مدد کے لئے جن کا بہت بڑا کنبہ تھا محمد ﷺ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔

جب حضرت علیؓ نے دیکھا کہ محمد ﷺ اور خدیجہؓ دنیا داری سے دور رہ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور عجیب بات یہ تھی کہ ان کے سامنے کوئی شے ایسی نہیں رکھی ہوتی تھی جس کی وہ پرستش کر رہے ہوں تو حضرت علیؓ نے آنحضور ﷺ سے یہ سوال کیا:

"ابھی ابھی آپ دونوں کون سی مذہبی رسم ادا کر رہے تھے؟"

"ہم اس دین مبین میں شامل نماز ادا کر رہے تھے جسے اللہ نے ہمارے لئے فرض کیا اور جس کے لئے اس نے مجھے پیغمبر منتخب کر لیا ہے" حضور ﷺ نے جواب دیا۔

اے علیؓ میں تمہیں بھی دعوت دیتا ہوں کہ میرے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ میں تمہیں اس وحدہ لاشریک رب کی عبادت کی دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور میں تمہیں یہ بھی کہتا ہوں کہ لات و عزیٰ بتوں کو ٹھکرا دو جو اپنے پجاریوں کو کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتے"۔

"کہہ دیجئے وہ اللہ ایک ہے۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں" (۴۲ : ۱۔۴)

"نہ اس نے (کسی کو) جنا اور نہ (کسی نے) اس کو جنا۔ اور اس کا کوئی ہمسر نہیں"۔

(۱۱۲ : ۳۔۴)

"اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ زندہ ہے سب کو تھامنے والا نہ اُسے اونگھ آتی ہے اور نہ نیند"۔ (۲ : ۲۵۵)

"آج تک میں نے ایسے الفاظ نہیں سنے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے والد محترم ابو طالب سے مشورہ کر لوں" حضرت علیؓ نے کہا۔

پیغمبر خدا ﷺ نے کہا: ایسا مت کرنا اس لئے کہ محمد ﷺ کو یہ خدشہ ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ گھڑی آن پہنچے جب وہ اپنے مشن کے بارے میں کھلے بندوں اعلان کر سکیں، اس کی خبر دوسروں کو نہیں ہونی چاہئے، اور اگر تم اسلام قبول کر لیتے ہو تو اے علی اس بات کو صیغہ راز میں رکھنا۔"

حضرت علیؓ نے جو کچھ سنا تھا اس نے آپ کو پریشان رکھا اور وہ رات بھر سو نہ سکے مگر اللہ نے ان کی رہنمائی فرمادی تھی، صراط مستقیم دکھا دیا گیا تھا کہ اسلام کے حصار میں داخل ہونے کے لئے کون سا راستہ ہے۔ رات گزری تو صبح صبح وہ محمد ﷺ کے پاس پہنچے اور صمیم قلب سے اسلام قبول کر لیا۔ اب نماز کا وقت آتا تو وہ محمد ﷺ کے ساتھ تنگ وادی میں چلے جاتے اور آپ ﷺ کے ساتھ مل کر نماز ادا کرتے، اس کا علم ابھی علیؓ کے والد محترم اور چچاؤں کو نہیں ہوا تھا۔

لیکن پھر ایک روز یوں ہوا کہ جس وقت محمد ﷺ اور علیؓ دونوں اس مقام پر جسے "نخلۃ الحل" کہا جاتا تھا، نماز پڑھنے میں مصروف تھے حضرت ابو طالب اچانک وہاں پہنچ گئے اور نبی ﷺ سے پوچھا: "اے میرے بھائی کے بیٹے! یہ کون سا مذہب ہے جس کی عبادات کے دوران تم اس وقت کوئی مذہبی رسم ادا کر رہے تھے؟"

"یہ اللہ کا دین ہے، اس کے فرشتوں اور پیغمبروں کا دین ہے۔ یہ ہمارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ کا دین رہ چکا ہے۔ اللہ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں اسے تمام انسانوں تک پہنچاؤں اور آپ، جو نہایت معزز و محترم اور میرے نہایت قریبی رشتہ داروں میں سے ہیں، میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ وہ راستہ اختیار کر لیں جو اسلام کی طرف جاتا ہے،" "میں اپنے باپ دادا کا مذہب اور اپنے آباؤ اجداد کا راستہ کیوں کر چھوڑ دوں" ابو طالب نے جواب دیا۔ "لیکن میں اس بات کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ تم بے حد مخلص ہو اور جو تم کہہ رہے ہو میں اسے سچ سمجھتا ہوں۔ تم اپنا مشن بلا خوف و خطر جاری رکھو، اس لئے کہ جب تک میں زندہ ہوں تمہیں کوئی کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا"۔ پھر اپنے بیٹے علیؓ کی طرف مڑ کر ابو طالب نے کہا:

"محمد ﷺ جو کچھ کہتا ہے اس کی بات سنو اور پوری فرمانبرداری اور خلوص نیت سے اس کی پیروی کرو کیونکہ وہ تمہیں سوائے نیکی کے کہیں اور نہیں لے جائے گا"۔

زید ابن حارث جو ایک قیدی تھے، انہیں محمد ﷺ نے آزاد کر کے بیٹا بنا لیا تھا زید کو آنحضور ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ جب ان کے والد جزیہ ادا کرنے آئے تو آپ نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا تھا۔ زیدؓ نے جلد ہی علیؓ کی تقلید میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ اس کے بعد مکے کی ایک اہم اور قابل ذکر شخصیت عبدالکعبہ ابن ابو قحافہ جنہیں ہم بعد میں ابو بکر کے نام سے پکاریں گے اور جن کے اسلام لانے پر آنحضور ﷺ بے حد خوش ہوئے تھے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

وہ ایک روز حکم ابن حزام کے گھر میں تھے کہ ایک گھریلو ملازم، جس کی حیثیت غلام کی تھی آیا اور اپنے آقا سے یوں مخاطب ہوا:

"آپ کی چچی کا کہنا ہے کہ ان کے شوہر اللہ کے پیغمبر ہیں، ان کو اللہ نے اسی طرح مبعوث کیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ کو مبعوث کیا گیا تھا۔" یہ سنتے ہی حضرت ابو بکرؓ جن کو محمد ﷺ کی صداقت پر پورا یقین تھا اور جن کے بارے میں انہوں نے ورقہ بن نوفل کی چند پیشگوئیاں سن رکھی تھیں، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے وہ بے حد متاثر نظر آتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے آنحضور ﷺ کو تلاش کر لیا تھا اور آپ ﷺ سے سوال کرنا چاہتے تھے جونہی انہوں نے محمد ﷺ کی زبانی نزول وحی کا مفصل ذکر سنا، وہ فرط جذبات سے پکار اٹھے :

"مجھے اپنے ماں باپ کی اور حق و صداقت کے تمام حامیوں کی قسم، جو کچھ آپ ﷺ کہہ رہے ہیں میں اس پر ایمان لایا، میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ ﷺ اس کے نبی ہیں!"

یہ باتیں سن کر حضرت خدیجہؓ، ارغوانی نقاب اوڑھے قریب کے ایک کمرے سے نکلیں اور حضرت ابو بکر سے یوں مخاطب ہوئیں :

"سب تعریف اس اللہ کی جس نے آپ کی رہنمائی فرمائی۔ اے ابن ابو قحافہ"

آنحضرت ﷺ کو ابو بکرؓ کے قبول اسلام پر بے حد خوشی ہوئی شہر میں ان کی بڑی عزت تھی اور انہیں ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ وہ بہت امیر تھے، لوگوں میں مقبول تھے، خوبصورت نقوش کے مالک تھے اور شاہانہ طمطراق سے رہتے تھے۔ علم الانساب (حسب نسب کا مطالعہ) اور ایسے ہی دوسرے علوم سے واقف تھے اور خوابوں کی تعبیر کے علم میں دسترس رکھتے تھے۔ وہ بات کے سچے تھے اور ہمسایوں سے میل جول میں مروت اور حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے تھے۔ قتل و غارت کے مقدمات کے لئے اہلیان شہر نے انہیں جج کے فرائض سونپ رکھے تھے، آپ فیصلہ سناتے وقت قتل عمد کے مقدمات میں "قصاص" کی رقم مقرر کرتے تھے جو مقتول کے ورثاء کو ملتی تھی۔

ایمان کی پختگی کے حامل حضرت ابو بکرؓ کی تمام تر کوشش اب یہ ہوتی تھی کہ اپنے دوستوں اور ملنے والوں کو آنحضور ﷺ کے پاس لے آئیں تاکہ آپ ﷺ انہیں اسلام کی دعوت دے سکیں۔ اس میں انہیں کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ آپ پر لوگوں کو اس قدر اعتماد تھا کہ وہ محمد ﷺ کی دعوت پر خلوص نیت سے دھیان دیتے۔ اسلام پر آنحضور ﷺ کا بیان بغور سنتے جو بے حد سادہ اور عظیم ہوتا تھا۔ فانی انسانوں کی روح کی گہرائیوں میں یہ آرزو جیسے پہلے ہی موجود ہو۔ بت پرستی جس میں ان کی عمریں گزر گئی تھیں اب انہیں اچھی نہ لگتی تھی۔ علاوہ ازیں یہ مذہب تو وہی تھا جو ان کے جد امجد حضرت ابراہیم کا مذہب ہوا کرتا تھا۔ اپنے جد امجد کا عقیدہ ابھی ان کے دلوں میں خوابیدہ تھا اس لئے اس مذہب کو قبول کرنا ان کے لئے آسان تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضور ﷺ جو

تبلیغ کرتے تھے اور جس عقیدہ وایمان کی دعوت دیتے تھے اس میں اس قدر تاثیر ہوتی تھی کہ لوگ انکار کر ہی نہ سکتے تھے۔ آپ ﷺ کی نظروں سے پھوٹتی ہوئی روشنی انہیں ہلا کر رکھ دیتی تھی اور وہ جلد از جلد حلقہ بگوش اسلام ہونے کی فکر کرنے لگتے تھے۔

قریش کے پندرہ سرکردہ افراد آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور قبول اسلام کی نعمت سے سرفراز ہوئے۔ ہم عثمان ابن عفان، عبدالرحمٰن ابن عوف، سعد ابن ابی وقاص، زبیر ابن العوام، طلحہ اعبید اللہ، عبیدہ ابن حارث، جعفر ابن عبد المطلب اور کئی دوسرے نام لے سکتے ہیں۔

جس وقت ہم ان سرکردہ افراد کا ذکر کرتے ہیں جو اسلام لے آئے تھے اس وقت ہمیں ایک غریب اور بظاہر عام سی خاتون کو نہیں بھولنا چاہئے جو محمد ﷺ کی دائی تھیں۔ جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کا رضائی بیٹا دعوت اسلام دے رہا ہے تو حلیمہ سعدیہ، جو ہمیشہ یہ سمجھتی تھیں کہ یہ بچہ جسے وہ دودھ پلا رہی ہیں اور پال پوس رہی ہیں ایک دن زندگی میں کوئی بہت بڑا کام سرانجام دے گا، اپنے شوہر حارث سمیت فوراً اسلام لے آئیں۔ محمد ﷺ کے گھر کے تمام افراد ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے، بیٹیاں بھی جو ابھی بہت چھوٹی تھیں۔ وہ حبشی خاتون بھی فراموش نہیں کی جاسکتی جس کا نام ام ایمن تھا۔ مومنین کا یہ چھوٹا سا گروہ اب ایسی زندگی گزار رہا تھا جس میں ہر لمحہ نیا جذبہ جنم لے رہا تھا۔ اس سے زیادہ دلکش لمحہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ جب وہ لوگوں کی نظروں سے چھپ کر ایک جگہ جمع ہوتے اور اللہ کی عبادت کرتے تھے؟ انہیں ایسی احتیاط کی ضرورت تھی تاکہ بت پرستوں میں دشمنی پر مبنی شکوک پیدا نہ ہوں۔ یہاں تک کہ اپنے گھر میں نبی ﷺ پڑوسیوں سے محتاط رہنے پر مجبور تھے۔ جس وقت "تکبیر" کہتے تو ایک گھڑے میں منہ ڈال کر کہتے جو زمین میں گڑا ہوا تھا، تاکہ آپ ﷺ کی آواز باہر نہ نکلے۔ ان حالات میں اسلام کی خفیہ تبلیغ ہی ممکن تھی اور یوں پہلے تین برسوں میں اشاعت دین کی رفتار بہت زیادہ سست تھی۔

دوسری جانب نزول وحی اچانک بند ہو گیا تھا۔ اب محمد ﷺ کو کچھ تردد سالاحق تھا آپ ﷺ ایک روز تنہا اور فکر مند ایک ویران وادی میں ادھر ادھر گھوم رہے تھے جب آپ ﷺ نے ایک آسمانی آواز سنی اور نظریں اٹھا کر اوپر دیکھا۔ روشنی کا ایک سیلاب تھا جس میں انہیں وہ فرشتہ دکھائی دیا جو غار حرا میں آپ ﷺ کے پاس آیا تھا۔ اس روشنی کے ظہور سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ آنحضور ﷺ دوڑ کر گھر پہنچے اور ایک چادر لپیٹ لی تاکہ جسم پر طاری کپکپی رک سکے اور روشنی سے چندھیائی ہوئی آنکھیں بند کر لیں۔ اس موقعہ پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

"اے کپڑوں میں لپٹنے والے محمد ﷺ! کھڑے ہو جاؤ پھر ڈراؤ" (۷۴: ۱-۲)

"اور تم اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ اور اس کے لئے اپنے بازو جھکاؤ جس

نے تمہاری پیروی کی مومنوں میں سے پھر اگر تمہاری نافرمانی کریں تو کہہ دیں
جو تم کرتے ہو بیشک میں اس سے بیزار ہوں۔ اور بھروسہ کرو غالب، نہایت
مہربان پر۔(۲۶: ۲۱۴۔۲۱۷)

آنحضور ﷺ اٹھے توان کی آنکھوں میں ہمت و حوصلے کی چمک تھی۔ اس روز تک انہوں نے کبھی یہ جرأت نہ کی تھی کہ اعلانیہ اپنے مشن کو لوگوں میں پھیلائیں، اس لئے کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ اس سے شہر کے بت پرستوں میں ان کے خلاف نفرت کے جذبے میں اضافہ ہوگا لیکن جب آپ ﷺ کے مالک و خالق نے یہ حکم دے دیا کہ اسلام کی تعلیمات لوگوں تک پہنچاؤ تبلیغ دین کا کام کرو تو محمد ﷺ نے، جو صدق دل سے یہی کچھ چاہتے تھے، ڈر کا وہ بوجھ اتار پھینکا جس تلے وہ اب تک دبے ہوئے تھے۔ وہ سخت اقدام اٹھانے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو ایسا کھانا تیار کرنے کے لئے کہا جس میں دنبے کی ران، گرم روٹی اور دودھ کا جگ شامل ہو۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اپنے رشتہ داروں کو دعوت دی کہ کھانا آپ ﷺ کے ساتھ کھائیں۔

کسی ایک رشتہ دار نے بھی انکار نہ کیا اور چالیس افراد جو مدعو تھے سب کے سب آ گئے۔ ان میں آپ ﷺ کے چچا ابو طالب، امیر حمزہ، عباس اور ابو لہب شامل تھے۔ مہمانوں نے سیر ہو کر کھایا اور سبھی حیران تھے کہ یہ طعام تو ایک شخص کا تھا اور چالیس آدمیوں نے پیٹ بھر کے کیسے کھالیا!

محمد ﷺ نے کچھ کہنا چاہا یوں لگتا تھا جیسے وہ حاضرین سے خطاب فرمانا چاہتے ہوں لیکن ابو لہب نے جسے کچھ شکوک شبہات لاحق تھے اور جو اپنے بھتیجے کے نظریات کو پسند نہیں کرتا تھا، محمد ﷺ کے الفاظ جیسے ان کے منہ سے چھین لئے ہوں۔ اس نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

"ہمارا میزبان ہم پر کیا فسوں پھونکنا چاہتا ہے؟" جادو کا گماں اسے اس لئے بھی ہو گیا تھا کیونکہ اتنے زیادہ لوگوں نے تھوڑا سا کھانا جو ایک صحت مند انسان ختم کر سکتا تھا چالیس انسانوں نے سیر ہو کر کھایا تھا۔ عام حالات میں ایسا کیونکر ممکن تھا۔ ابو لہب کی بات ختم ہوتے ہی تمام مہمان تیزی کے ساتھ منتشر ہو گئے۔

ان کے شائستگی اور خوش اخلاقی سے خالی اس رویے پر محمد ﷺ نے علیؓ سے کہا: "کیا تم نے غور نہیں کیا کہ میرے چچا نے کس قدر ناشائستہ اور بے مروتی کے ساتھ مجھے بات کرنے سے روک دیا؟ لیکن کوئی بات نہیں۔ کل کے لئے ایک ضیافت کا اہتمام اور کرو اور سب کے پاس جا کر ان ہی لوگوں کو دوبارہ مدعو کر آؤ۔" اگلے روز تمام مہمان پھر جمع تھے۔ محمد ﷺ نے کوشش کر کے ان سے خطاب میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "عربوں کے لئے جو میں لایا ہوں وہ آج تک کوئی دوسرا نہیں لا سکا۔ وہ کیا ہے، اس دنیا میں ایک اچھا مقدر جو آنے والی دنیا میں سکھ چین

فراہم کرے گا اور ذریعہ مسرت بنے گا۔ خدائے بزرگ و برتر نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمام انسانوں کو اس کی طرف دعوت دوں، بلاؤں۔ میرے اس عظیم کام میں تم میں سے کون کون میرا ساتھ دینے کی خواہش رکھتا ہے تاکہ میں اپنے مشن میں کامیاب ہو سکوں؟ ایسا شخص میرا ساتھی و مددگار ہی نہیں بلکہ میرا بھائی تصور ہوگا"

اس غیر متوقع اعلان پر جتنے لوگ جمع تھے سب نے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھا اور یہ نہ جانتے ہوئے کہ کیا جواب دیا جائے، ان کے چہروں سے اس کے سوا کچھ اور مترشح نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے ہیں گویا جو جواب وہ دینا چاہتے تھے وہ ان کے چہروں سے عیاں تھا۔ علیؓ جو وفا کے پتلے تھے اتنی بڑی خوشخبری پر خوشی و مسرت سے اچھل پڑے، انہیں سب سے زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ محمد ﷺ کے دست راست اور رفیق خاص بننے کا اعزاز مل رہا تھا۔ وہ یہ بھول ہی گئے کہ ایسے اجتماع میں جہاں بڑے بڑے شرفاء اکٹھے ہوں ایک کم عمر لڑکے کو خاموش رہنا چاہئے۔ وہ کھڑے ہو گئے اور جوش وولولے سے سرشار آواز میں کہا:

"اے اللہ کے پیغمبر! میں آپ ﷺ کا ساتھ دوں گا، میں آپ ﷺ کا دست راست بنوں گا!" ایک لڑکے کی زبانی اتنے بڑے دعویٰ پر مسکرانے کے بجائے آنحضرت ﷺ نے محبت و شفقت سے علیؓ کی گردن پر تھپکی دیتے ہوئے اعلان فرمایا: "یہ ہے میرا نائب، میرا رفیق خاص، میرا دست راست! یہ کھڑا ہے میرا بھائی!۔ اس کی بات سنو اور حکم بجالاؤ"۔

اس لمحے تو مہمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی تھی لیکن انہوں نے اپنے غصے پر قابو پا لیا تھا۔ اور اس اعلان کے سننے کے بعد خوشی و مسرت بھرے قہقہوں سے اس اس کا خیر مقدم کیا۔ ابولہب نے ابوطالب کی طرف مڑ کر دیکھا اور طنزاً کہا:

"سن لی تم نے اپنے بھتیجے کی تقریر؟ وہ تمہیں حکم دے رہا ہے کہ تم بیٹے کی بات سنو اور اس کے حکم کی تعمیل کرو!"

اس رسوا کن منظر سے مغموم اور افسردہ ہو کر سوائے ابوطالب کے تمام مہمان چلے گئے۔ وہ مشتعل تھے اور تضحیک آمیز لہجے میں تلخ زبان استعمال کرتے ہوئے رخصت ہوئے تھے۔

اس میں کوئی شک و شبہ والی بات نہیں کہ اس ایک طرح کی شکست پر آنحضور ﷺ غمزدہ نظر آتے تھے لیکن آپ ﷺ کی حوصلہ شکنی اس لئے نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس دن سے نزول وحی نے آپ ﷺ کو سہارے کے علاوہ، اللہ کی واضح ہدایات اور منقطع نہ ہونے والی رہنمائی عطا کی تھی۔

قیامت کی گھڑی

اب محمد ﷺ نے تبلیغ دین کا آغاز کر دیا تھا اور اب وحی بڑی تیزی کے ساتھ ایک کے بعد دوسری نازل ہو رہی تھی۔ تمام بے حد ڈرانے والی، صور اسرافیل، قیامت اور یوم حشر کے بارے میں بتایا جا رہا تھا۔

"کھڑ کھڑانے والی، کیا ہے کھڑ کھڑانے والی؟ اور تم کیا سمجھے، کیا ہے کھڑ کھڑانے والی؟ جس دن ہوں گے لوگ پروانے کی طرح بکھرے ہوئے، اور پہاڑ ہوں گے دھنکی ہوئی رنگین اون کی طرح۔" (۱۰۱ : ۱۔۴)

محمد ﷺ نے سوچا کہ یہ تباہی بنی نوعِ انسان کی گمراہی کے باعث اس کا مقدر ہو گئی تھی۔ اور اس نے آ کر رہنا تھا۔ پس آپ ﷺ نے لوگوں کی سرزنش میں اضافہ کر دیا تھا۔ تاکہ جن جذبات سے وہ مغلوب ہو گئے انہیں ان سے نجات دلائی جا سکے اور اس سے پہلے کہ صور اسرافیل پھونک دیا جائے اور یہ دنیا ختم ہو جائے انہیں صراط مستقیم دکھاتے ہوئے دائرہ اسلام میں داخل کر دیا جائے۔ مگر ان لوگوں نے آپ ﷺ سے کیا کہا، قرآن اسے ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"اور کہتے ہیں کافر کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی" (۳۴ : ۳)

اللہ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنا حلفیہ بیان دہرایا جسے قرآن حکیم میں یوں کہا گیا:

"آپ ﷺ فرما دیں ہاں میرے رب کی قسم البتہ وہ تم پر ضرور آئے گی" (۳۴ : ۳)

"اے لوگو اپنے رب سے ڈرو، بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی بھاری چیز ہے (۲۲:۱)

"جب زمین زلزلے سے ہلا دی جائے گی اور اپنے بوجھ باہر نکال ڈالے گی، اور کہے گا انسان اس کو کیا ہو گیا؟ اس دن وہ اپنے حالات بیان کرے گی، کیونکہ تیرے رب نے اسے حکم بھیجا ہو گا۔ اس دن لوگ گروہ در گروہ باہر نکلیں گے تاکہ وہ ان کے عمل ان کو دکھا دے بس جس نے کی ہو گی ایک ذرہ برابر نیکی، وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے کی ہو گی ایک ذرہ برابر برائی وہ اسے دیکھ لے گا۔"

(۹۹ : ۱۔۸)

ان بھیانک پیشگوئیوں کے نتیجے میں، جنہیں یقین کامل کے ساتھ پیش کیا گیا تھا، کفار نے محسوس کیا کہ ان کے جسموں میں اضطراب و بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے جس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا ہے۔ مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا اور انہوں نے دیکھا کہ کوئی پیشگوئی پوری نہیں ہو رہی

یہاں تک کہ تمہیدی اِشارے بھی سامنے نہیں آئے، انہیں ایک سکون واطمینان ازسرنو حاصل ہو گیا تھااور وہ ایک بار پھر ان ہی پرانے غلط راستوں پر چل نکلے تھے۔

آنحضور ﷺ یہ نہ بتا سکے کہ قیامت کی گھڑی کب آئے گی۔ اسی لئے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"آپ ﷺ کہہ دیں اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔(۷:۱۸۷)

لیکن محمد ﷺ کے علم میں تھا کہ سزا لازمی تھی، اس جہان میں ملے یا اگلے جہاں میں۔ آپ ﷺ یہ سوچ کر پریشان ہو جاتے تھے کہ ان کے آس پاس بسنے والے کفار کا انجام ثمود وعاد کی قوموں سے بھی زیادہ عبرت ناک ہوگا۔

ظلم وتعدی کا آغاز

رسول ﷺ خدا کے پہلے اعلان کے بعد مومنین نے اپنا عقیدہ وایمان چھپانا ختم کر دیا تھا۔ لیکن بیکار کے جھگڑوں سے بچنے کی خاطر وہ ایک صحرائی گھاٹی میں خفیہ طور پر اکٹھے ہوتے اور عبادت کرتے تھے۔

بت پرستوں کے ایک گروہ نے ان کے قدموں کے نشانات پر چل کر مومنین کی خفیہ پناہ گاہ تلاش کرلی تھی۔ دشنام اور ہجو کا سہارا لیا اور یوں انہیں پریشان کرنے کی ابتدا کی۔ مومنین نے جب دیکھا کہ کفار اب ان کے دین پر رکیک حملے کرنے لگے ہیں تو وہ طیش میں آگئے۔ دونوں فریق لڑ پڑے تو سعد ابن ابی وقاص نے ریت پر سے ایک اونٹ کے پنجر میں سے جبڑے کی ہڈی اٹھائی اور اسے پوری طاقت سے ایک دشمن کے منہ پر دے مارا جس سے خون نکل آیا۔ اسلام اور بت پرستی کی جنگ میں بہائے جانے والے یہ خون کے پہلے قطرے تھے۔

آنحضور ﷺ نے اس قسم کے واقعات سے بچنے کے لئے فیصلہ کیا کہ حضرت ارقم کے گھر میں تمام مومنین کے ہمراہ عبادت کیا کریں، جو صفا پہاڑی پر واقع تھا۔ اس کے باوجود بت پرستوں کے غم وغصے میں اضافہ ہوتا گیا۔ محمد ﷺ اب تک انہیں اسلام قبول کرنے کی طرف بلانے سے آگے نہیں بڑھے تھے اور ان کو اللہ کے قہر وغضب کی سزا سے ڈرا رہے تھے۔ مخالفین نے کندھے جھٹک کر آپ ﷺ کا تمسخر اڑایا۔ مگر جب حضور ﷺ نے جواباً ان کے لکڑی اور پتھر کے بتوں کی تحقیر کی اور انہیں سمجھایا کہ یہ بت گونگے، بہرے، اندھے اور قوت وطاقت سے محروم ہیں تو بت پرستوں کا اشتعال بے قابو ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ نے نہ صرف ان پر گہری ضرب لگاتے ہوئے ان کے کفر والحاد پر مبنی عقیدہ پر حملہ کیا بلکہ انہیں مالی نقصان بھی پہنچایا اس لیے کہ شہر کے بڑے بڑے تاجر بتوں کے کاروبار سے بڑا روپیہ کماتے تھے اور یوں انہیں عام توہم پرست لوگوں پر برتری حاصل تھی۔

اپنے گروہ میں صرف آپ ﷺ کے چچا ابو طالب ایسے تھے جنہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا مگر پھر بھی محبت و شفقت کا ثبوت دے رہے تھے۔ یہ قبیلہ قریش کے دوسرے اراکین کے لئے بڑی رسوائی کی بات تھی۔ ان لوگوں نے قبیلے کے سر کردہ افراد پر مشتمل ایک وفد ابو طالب کے پاس بھیجا ان میں عتبہ ابن ربیعہ۔ ابو صفیان ابن حارب، ابو جہل اور اسی پایے کے بہت سے دوسرے سردار شامل تھے۔

وفد نے کہا: "اے ابو طالب! تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں اور ہمارے عقیدے کی بے عزتی کرتا ہے۔ وہ ہمارے آباؤ اجداد کے مذہب اور روایات کا تمسخر اڑاتا ہے۔ کیا ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ ہم اس سے نجات حاصل کر لیں؟ یا پھر تم بھائی کے بیٹے کا ساتھ نہ دو اور یوں ہمیں اجازت دے دو کہ ہم اس سے ہر طرح کا سلوک کرنے میں آزاد ہیں۔ اس لئے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم اس کے اعتقادات میں ہماری طرح شریک نہیں ہو"۔ ابو طالب نے نرم اور صلح کن جواب کے ساتھ انہیں رخصت کر دیا تھا۔

محمد ﷺ نے، جیسا کہ بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، پورے اشتیاق کے ساتھ تبلیغ دین کا کام جاری رکھا۔ قبیلہ قریش کے لوگوں کی عداوت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے نمائندوں نے ابو طالب کو ملنے کے بعد واپس آتے ہوئے درج ذیل اعلان کیا:

"ہم تمہاری عمر کی وجہ سے تمہارا بڑا احترام کرتے ہیں، ہم تمہاری شرافت اور قبیلے میں مقام و مرتبے کے معترف ہیں لیکن ہم نے تمہیں کہا تھا کہ اپنے بھائی کے بیٹے سے ہمیں نجات دلاؤ مگر تم نے اب تک ایسا نہیں کیا۔ ہمارے عقیدے اور روایات پر جس طرح وہ اثر انداز ہو رہا ہے ہم اس سلسلے میں اس کی مخالفت کو مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کی حفاظت سے ہاتھ اٹھا لو اور ہمیں آزاد چھوڑ دو کہ ہم جس طرح چاہیں اس سے نمٹ لیں۔ تم نے انکار کیا تو ہم سمجھیں گے کہ ہم تمہارے بھتیجے کے خلاف جس جنگ کا آغاز کر رہے ہیں اس میں تم ہمارے خلاف ہو، یاد رہے کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک فریقین میں سے کوئی ایک مکمل طور پر نیست و نابود نہ ہو جائے!" یہ کہہ کر ابو طالب کو پارٹی سے الگ پریشان چھوڑ کر یہ لوگ چلے گئے۔ مگر دوسری طرف ابو طالب نے ثابت قدمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فیصلہ کر لیا تھا کہ بھتیجے کو کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے۔

اس ذہنی کشمکش میں ابو طالب نے محمد ﷺ کو بلا بھیجا اور یوں مخاطب ہوئے:

"اے میرے بھائی کے بیٹے! قریش کے لوگ ابھی ابھی واپس گئے ہیں اور مجھ سے یہ باتیں کہہ گئے ہیں۔

بیٹے ذرا غور کرو۔ مجھ پر رحم کھاؤ۔ اپنے آپ پر رحم کھاؤ اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جسے میں اٹھا نہ سکوں۔"

آنحضور ﷺ نے جواب دیا: "اے میرے چچا! اگر وہ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنا مشن ترک کر دوں تو اس کے لئے تو اگر وہ میری بائیں ہتھیلی پر سورج اور دائیں ہتھیلی پر چاند بھی رکھ دیں تو میں اپنے پروردگار کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں میں اس وقت تک اس مشن سے دستبردار نہیں ہوں گا جب تک میں کامیاب نہیں ہو جاتا یا مشن کی تکمیل کے دوران تباہ نہیں ہو جاتا۔"

یہ سوچ کر کہ ابو طالب نے جو کچھ کہا وہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ وہ بھتیجے کو اس کے رحم و کرم پر اکیلا چھوڑ دیں گے، جس کا سبب یہ تھا کہ وہ اس کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، محمد ﷺ رو پڑے اور وہاں سے چلے گئے۔ ابو طالب پر اس بات کا بڑا گہرا اثر ہوا، انہوں نے فوراً بھتیجے کو واپس بلایا اور شفقت بھرے لہجے میں فرمایا: "جاؤ! اے میرے بھائی کے بیٹے! جاؤ آگے بڑھو اور جس طرح چاہو تبلیغ دین کے مشن کو جاری رکھو۔ اللہ کی قسم میں کسی قیمت پر تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گا:"

یہ دیکھ کر کہ ان کی دھمکیوں کے باوجود چچا بھتیجے میں کوئی رنجش اور کشیدگی پیدا نہیں ہوئی۔ وفد کے لوگ تیسری بار ابو طالب کے پاس حاضر ہوئے۔ اس بار ان کے ہمراہ عمارہ ابن ولید بھی تھا۔ اس وفد نے درج ذیل تجویز پیش کی:

"اے ابو طالب! یہ ہے عمارہ ابن ولید جو مکہ کے نوجوانوں میں نہایت حسین و جمیل اور بے شمار خوبیوں کا مالک ہے۔ ہم اسے تمہارے پاس لے آئے ہیں۔ اسے اپنا متبنیٰ بنالو یہ تمہارا ہو گیا۔ اس کے بدلے میں اپنا بھتیجا ہمیں دے دو جسے تم نے متبنیٰ نہیں بنایا۔ ہم اسے موت کے گھاٹ اتار دیں گے اس لئے کہ اس نے ہمارے قبیلے میں جھگڑا کھڑا کر دیا ہے" ابو طالبؑ نے جواب دیا: "اللہ کی قسم، یہ کس طرح کا سودا ہے جو تم مجھ سے کرنا چاہتے ہو؟ تم مجھے بادل نخواستہ اپنا بیٹا دے دو، تاکہ میں اسے کھلاؤں پلاؤں، اسے پہناؤں۔ پھر تم مجھ سے میرا بیٹا لے جانا چاہو تاکہ اسے قتل کر دو تو اللہ کی قسم میں ایسا نہیں کروں گا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔"

نہایت غصے میں وفد کے افراد واپس لوٹ گئے۔ حج کا زمانہ نزدیک آرہا تھا۔ قریش بت پرستوں نے ولید بن مغیرہ کے گھر میں باہمی مشورے کے لئے اجلاس بلایا۔ وہ یہ فیصلہ کرنا چاہتے تھے کہ اب انہیں پیغمبر خدا کے لئے کیا لائحہ عمل اختیار کرنا ہے۔

ولید جو سب کا ترجمان تھا بولا: "اے اہل قریش! جلد ہی بیشمار حجاج مکہ آنے والے ہیں وہ یقیناً محمد ﷺ کے بارے میں سن چکے ہیں۔ وہ تم لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کریں گے

تم کیاجواب دو گے ؟ ابھی سے کسی ایک جواب پر متفق ہو جاؤ تاکہ اس وقت تمہارے جواب الگ الگ نہ ہوں ورنہ جو تم کہو گے اس کی تاثیر جاتی رہے گی۔ "اے ولید! تم ہمیں مشورہ دو"--"تم نے سب سے پہلے بات چیت کا آغاز کرنا ہے۔ میں تو سنتا رہوں گا اور پھر تمہاری آراء پر اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر ہم کہیں گے کہ محمد ﷺ غیب کی باتیں بتاتا ہے" "نہیں! ہم غیب دانوں کو جانتے ہیں۔ محمد ﷺ کی باتوں میں ان جیسا ابہام اور قافیہ پیمائی نہیں ہے"۔ "ہم کہیں گے وہ دیوانگی سے مغلوب ہے!" "نہیں! ہم یہ بھی تو اس کے بارے میں نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ ہم نے دیوانے دیکھے ہیں، ان کی مانند محمد ﷺ کو تشنج کے دورے نہیں پڑتے"۔

"ہم کیوں نہ یہ کہیں کہ وہ شاعر ہے!" "نہیں وہ شاعر نہیں ہے۔ شعراء جو اسلوب اختیار کرتے ہیں وہ ہم جانتے ہیں اور محمد ﷺ کی باتیں کسی بھی شاعر کی باتوں سے مشابہت نہیں رکھتیں"

"ہم کہہ دیں گے کہ وہ جادوگر ہے" "نہیں! ہم یہ بھی تو نہیں کہہ سکتے اس لئے کہ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں مگر اس کا کام کسی جادوگر کے کام جیسا بھی تو نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی ساری کامیابی کا راز اس کی دل موہ لینے والی خوبصورت گفتگو ہے"۔

اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش یہ افراد اس سچائی کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکے جو اس آخری بات میں شامل تھی۔ کم و بیش یہ سب لوگ ان الفاظ سے طاری ہونے والی بے خودی و سرمستی کو محسوس کر رہے تھے جو رسول خدا ﷺ کی زبان سے ادا ہوتے تھے اور سننے والوں کے دلوں کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔ یہ سب کے سب محمد ﷺ کے الفاظ کی دلفریبی اور سحرانگیزی سے مرعوب و مغلوب ہو چکے تھے اور ان پر دین مبین اپنا اثر کر چکا تھا۔ اہل قریش کے راستے کی رکاوٹ تو صرف ان کے مادی مفادات تھے اور دنیاوی حرص ولالچ ان کا راستہ روکے کھڑے تھے۔ پس وہ اس شخص کے پاکیزہ اور منزہ اصولوں اور اسلام کے احکامات سے بے حد ڈرے ہوئے تھے۔

اس کے باوجود وہ کسی فوری فیصلے پر پہنچنے پر مجبور تھے کیونکہ وہ دور دراز کے عرب قبائل کو ہر قیمت پر اس آزمائش سے بچانا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ اس بات پر متفق تھے کہ وہ بیک آواز یہ کہیں کہ محمد ﷺ ایسے طاقتور جادو کے زیر اثر تھے جس کے ذریعے آپ ﷺ نے مختلف خاندانوں میں باہمی رنجش پیدا کر دی تھی۔ بھائی بھائی سے دست بگریباں تھا، بیٹا باپ سے الجھا ہوا تھا اور شوہر بیوی میں کشیدگی پیدا ہو گئی تھی۔

جب حاجیوں کے قافلے آنے شروع ہوئے تو ولید اور اسکے ساتھی طے شدہ منصوبے کے مطابق ان تمام راستوں پر پھیل گئے تھے جو مکہ کو آتے تھے۔ سازشیوں نے ایک حاجی کو بھی نہ چھوڑا

جسے محمد ﷺ کے خلاف باخبر نہ کر دیا ہو۔ انہیں خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ لوگ اس جادو کی زد میں آسکتے تھے۔ یہ خوف تو بہت کم حاجیوں کے دلوں میں پیدا ہوا البتہ ہر حاجی کی آرزو اور تجسس میں اضافہ ہوتا گیا کہ اس غیر معمولی انسان سے ملا جائے جس کے الفاظ نے رؤسائے شہر کے دلوں میں اس قدر خدشات پیدا کر دئے تھے۔ جب زائرین اپنے اپنے قبیلوں میں واپس گئے تو جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا باقی لوگوں کو بھی بتایا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ مہم جو دشمنوں نے محمد ﷺ کے خلاف چلائی تھی اس سے آنحضور ﷺ کی شہرت پورے عرب کے طول و عرض میں پھیل گئی۔

جس وقت آنحضرت ﷺ کی شہرت پھیل گئی تو اس سے مخالفین کے اشتعال میں اضافہ ہوا گویا اس نے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا تھا۔ اس شہرت کے پھیلانے میں کسی رضاکارانہ کوشش کا ہاتھ نہ تھا۔ دوسری طرف بت پرست کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے اور آنحضور ﷺ کی عزت و ناموس کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ ایک روز یہ سب کعبہ کے ایک حصے میں جمع ہوئے ایک دوسرے کے خیالات معلوم کئے اور اس نتیجے پر پہنچے کہ جس قدر اس انسان نے ان کی قوت برداشت کا امتحان لیا ہے کسی اور نے نہیں لیا۔ اسی لمحے محمد ﷺ نظر آئے آپ ﷺ کعبہ کے گرد طواف کر رہے تھے۔ وہ سب کے سب مل کر آنحضور ﷺ کی طرف لپکے اور پوچھا:

"کیا تم ہی وہ شخص ہو جو ہمارے باپ دادا کے خداؤں کو برا بھلا کہتے ہو؟"

آنحضرت ﷺ نے کسی گھبراہٹ کے بغیر پورے اطمینان کے ساتھ جواب دیا:

"ہاں میں ہی وہ شخص ہوں!"

ایک مشتعل شہری نے آپ ﷺ کے چغے کے کالر کو پکڑ لیا، اسے مروڑا اور اس طرح آنحضور ﷺ کا گلا گھونٹ دینے کی کوشش کی۔ حضرت ابو بکرؓ صدیق جو اتفاق سے وہاں موجود تھے، آگے بڑھے اور اس بدبخت سے یوں مخاطب ہوئے: "اب تم کیا چاہتے ہو؟ کیا تم اس شخص کو جان سے مار ڈالنا چاہتے ہو جس نے یہ اعلان کیا ہے کہ معبود صرف اللہ ہے، اور وہی اس کا پروردگار ہے؟"

یہ کہہ کر ابو بکرؓ نے آنحضور ﷺ کو اس کی گرفت سے آزاد کرایا۔ اس سے اللہ کے رسول ﷺ کو تو کوئی نقصان نہ پہنچا لیکن محمد ﷺ پر حملہ آور کے ہاتھوں صدیق اکبرؓ کی ریش مبارک کا ایک حصہ نچ کر اس بدقسمت انسان کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

ان حالات میں تمام خطرات مول لے کر بھی آنحضور ﷺ کعبہ کی طرف مڑے اور دشمنوں کی غضبناک نظروں کے سامنے عبادت خداوندی میں مصروف ہو گئے۔ ابو جہل کے حکم کی تعمیل میں ایک اور شیطان صفت مذبح گیا اور بھیڑ کی انتڑیاں اٹھا لایا۔ ایسا کرتے وقت اس نے ایک

ایسے جانور کاانتخاب کیا تھاجسے کئی روز پہلے ذبح کیا گیا تھا۔ نماز کے دوران جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تواس بد معاش نے آپ ﷺ کی گردن کے پچھلے حصے اور کندھوں پر بھیڑ کی انتڑیاں ڈال دیں۔ دشمنوں کواس قدر خوش ہوئی کہ وہ ہنستے ہنستے زمین پر لوٹ پوٹ گئے۔ مگر اللہ کے منتخب بندے نے دشمن کے اس طرح کے سلوک کی بھی پرواہ نہ کی اور عبادت میں مصروف رہے۔ آپ ﷺ کی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ تھوڑی دیر بعد تشریف لائیں اور حضورؐ کے جسم سے گندگی ہٹادی۔ اور ان بد بخت انسانوں کو لعن طعن کر کے انہیں بتایا کے وہ رسول خدا ﷺ کو ایذا پہنچا کر اپنے آپ کو حقیر و قابل نفرت بنا رہے ہیں۔

ابو جہل کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو تاریخ کے اوراق میں ایسے انسانوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے آنحضور ﷺ سے انتہائی قبیح سلوک کیا، یہ رسول اللہ ﷺ کا چچا تھا ابو مطلب المعروف ابولہب کا بیٹا تھا" وہ انسان جو نار جہنم کے لئے وقف کر دیا گیا تھا"۔ ایک روز محمد ﷺ صفا کی پہاڑی پر کھڑے اس علاقے کے لوگوں کے ہجوم کے درمیان تبلیغ دین کر رہے تھے کہ ابولہب نے نہایت گستاخی کے ساتھ مداخلت کرتے ہوئے کہا: "تم تباہ ہو جاؤ، کہ تم نے ان سب لوگوں کو یہ سب رطب ویابس سننے کو جمع کیا ہے" اللہ کے نبی کی شان میں اس گستاخی کے موقعہ پر قرآن حکیم کی درج ذیل سورۃ جواب میں نازل ہوئی:

> "ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہوا۔ اس کے کام نہ آیا اس کا مال اور جو اس نے کمایا۔ عنقریب داخل ہو گا شعلے مارتی ہوئی آگ میں، اور اس کی بیوی لادنے والی ایندھن، اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسی ہے" (۱۱۱: ۱۔۵)

یہ سورۃ بہت جلد بے حد مقبول ہوئی اس سے ابولہب مزید مشتعل ہوا اور غالباً اس کا اس کی بیوی ام جمیل پر اور زیادہ اثر ہوا۔ اسے یہ بات کھائے جارہی تھی کہ اس سورۃ میں اسے بھی معتوب ٹھہرایا گیا تھا اور بجا طور پر جو کہا گیا تھا وہ اس کی مستحق بھی تھی۔

اسے "ایندھن اٹھانے والی" کہا گیا تھا جو اس کے لئے قابل برداشت نہ تھا۔ کیا اس نے آنحضور ﷺ کے راستے میں کانٹے نہ بچھائے تھے۔ تہمت کے ایندھن کے گٹھوں کی ہر جگہ پھیری والوں کی مانند ہانک نہ لگائی تھی تاکہ نفرت کی آگ بھڑکا سکے۔ اس مکروہ جوڑے نے مل کر نہایت بے شرمی کے ساتھ ذلیل حرکات کی تھیں۔ ہر روز محمد ﷺ کے گھر کی چھت پر یا دروازے کے سامنے جوان کی ہمسائیگی میں تھا گندگی پھینک جاتے تھے۔

ان انتہا پرستوں سے خوفزدہ ہو کر مکہ میں رہنے والے بہت سے لوگوں نے آنحضور ﷺ سے

دور رہنا شروع کر دیا تھا۔ بچوں اور فضول لوگوں نے آپ ﷺ کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ وہ سڑکوں پر آنحضور ﷺ کے پیچھے پیچھے آتے مگر رسول ﷺ اللہ ان کے اشتعال انگیز فعل سے بے نیاز رہتے۔ یہ سب آپ ﷺ کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ اس کی حیثیت ایک ہوا کے جھونکے سے زیادہ نہ تھی۔ آپ ﷺ نے تو ایسے لوگوں کو ایک نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ آپ ﷺ تو صرف انہیں دیکھتے تھے جن سے آپ ﷺ کو یہ اُمید وابستہ ہوتی کہ وہ اسلام قبول کر لیں گے۔

ایک نابینا شخص کا واقعہ

ایک روز کیا ہوا کہ محمد ﷺ نے شہر کے ان سر کردہ لوگوں کو اپنے ہاتھ میں لیا جن پر آپ ﷺ کے دلائل اثر کر رہے تھے، اتنے میں ایک نابینا و نادار شخص ابن ام مکتوم سامنے آیا۔ اس نے اللہ کے رسول ﷺ سے درخواست کی کہ اللہ نے جو علم آپ ﷺ کو عطا کیا ہے اسمیں سے تھوڑا سا حصہ اسے بھی مل جائے۔ آنحضور ﷺ چونکہ ان لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے جن سے انہیں امید وابستہ تھی کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے اور جن کے اسلام لے آنے کی حضور ﷺ بھی خواہش رکھتے تھے اس لئے اس خوف سے کہ یہ موقعہ ہاتھ سے نکل گیا تو شاید دوبارہ ہاتھ نہ آسکے، اور محمد ﷺ وقتی طور پر ایک حزن و ملال کی کیفیت سے بھی گزر رہے تھے اس لئے آپ ﷺ نے اس نابینا شخص کو قدرے تاخیر کے ساتھ جواب دیا۔ وہ افسردہ و مغموم علم و آگہی سے محروم لڑکھڑاتا ہوا چلا گیا۔

اس شخص کے چلے جانے کے بعد آنحضور ﷺ کو رنج ہوا۔ آپ ﷺ نے سوچا وہ نابینا شخص جو ایمان کی آگہی رکھتا تھا وہ تو جہالت کے اندھیروں میں قید انسانوں کی آنکھیں کھول سکتا تھا۔ اور جو وحی اس موقعہ پر نازل ہوئی اس نے محمد ﷺ کے رنج و غم میں اضافہ کرتے ہوئے آپ ﷺ کے اس عمل کی تصدیق کر دی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

> "تیوری چڑھائی اور منہ موڑ لیا کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ ﷺ کو کیا خبر شاید وہ سنور جاتا، یا نصیحت مانتا تو نصیحت کرنا اسے نفع پہنچاتا۔ اور جس نے بے پرواہی کی آپ ﷺ اس کے لئے فکر کرتے ہیں۔ اور آپ ﷺ پر (کوئی الزام) نہیں اگر وہ نہ سنورے۔ اور جو آپ ﷺ کے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے تو آپ ﷺ اس سے تغافل کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں، یہ تو (کتاب) نصیحت ہے" (۸۰: ۱۔ ۱۱)

پھر اس روز سے آنحضور ﷺ بہت محتاط رہتے تھے کہ امیر و غریب، غلام و آقا، سبھی سے یکساں و مساوی سلوک کریں۔ بت پرستوں کے غیض و غضب میں بے حد اضافہ ہوا جب انہوں

نے دیکھا کہ ان کے غلام محمد ﷺ کے عدم مساوات دور کرنے والے اصولوں کی وجہ سے ان کی طرف کھچے چلے جارہے ہیں۔ ایسا اس لئے بھی ہوا کیونکہ ایسی سورتیں نازل ہوئی تھیں جن کی شہر بھر میں گونج تھی اور ان میں محنت کشوں سے مشقت لینے والے امراء کو یوں متنبہ کیا گیا تھا:

"تمہیں حصول کثرت کی خواہش نے غفلت میں رکھا، یہاں تک کہ تم نے قبروں کی زیارت کرلی (دیکھ لیں) ہرگز نہیں، تم عنقریب جان لوگے، پھر ہرگز نہیں، تم جلد جان لوگے۔ ہرگز نہیں، کاش تم علم یقین سے جان لیتے۔ تم ضرور دیکھو گے جہنم کو۔ پھر تم اسے ضرور یقین کی آنکھ سے دیکھو گے۔ پھر تم اس دن ضرور پوچھے جاؤ گے (بازپرس ہوگی) نعمتوں کی بابت"۔ (۱۰۲: ۱۔۸)

ابوجہل جب محمد ﷺ کو صفا پر ملا تو اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا وہ یہ بھول ہی گیا تھا کہ وہ معاشرہ میں اعلیٰ مقام رکھتا ہے اس نے آنحضرت ﷺ کے خلاف ایسی دشنام طرازی کی جسے قلم ضبط تحریر میں لانے سے قاصر ہے۔ آنحضور ﷺ نے ایک لفظ تک جواب میں نہ کہا، جیسا کہ آپ ﷺ کی عادت تھی لیکن عبداللہ ابن جزان کی ایک آزاد کردہ غلام خاتون نے یہ سارا منظر دیکھ لیا تھا، اس کا گھر اس مقام کے عقب میں تھا وہ یہ سب کچھ وہاں سے دیکھ رہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد جب حضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ تشریف لائے تو اس نے جو کچھ دیکھا سنا تھا ان سے کہہ دیا۔

سیدنا حمزہ کا قبول اسلام، عتبہ کی تجاویز

حضرت حمزہؓ زودرنج اور گرم مزاج تھے۔ انہوں نے جب یہ سنا کہ ان کے بھتیجے سے بدکلامی کی گئی ہے تو غصے سے ان کی رگوں میں دوڑتا ہوا خون ابلنے لگا تھا۔ وہ جب کبھی گھوم پھر کر واپس آتے جو ان کا پسندیدہ مشغلہ تھا تو راستے میں جو لوگ انہیں ملتے ان سے گپ شپ کے لئے رک جاتے تھے۔ مگر آج انہوں نے ایسا نہیں کیا تھا وہ تیز تیز قدموں سے معبد کی طرف جارہے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ابوجہل اپنے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے وہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر اپنی کمان لہراتے ہوئے انہوں نے محمد ﷺ کے چچا ابوجہل کے چہرے پر ضرب لگائی اور کہا:

"تو تم نے میرے بھتیجے کی بے عزتی کی ہے۔ سن لو کہ میرا بھی وہی دین ہے جو اس کا ہے۔ جس دین کی منادی وہ کر رہا ہے میں بھی اسی کی کر رہا ہوں۔ اگر تم سمجھتے ہو کہ تم ایسا کر سکتے ہو تو مجھے ایسا کرنے سے روک لو"۔

قبیلہ بنو مخزوم کے تمام لوگ، جس قبیلے کا ابوجہل رئیس تھا اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ بدلہ لے سکیں۔ لیکن ابوجہل نے ندامت محسوس کرتے ہوئے کہ یہ اس کے شایان شان نہ تھا کہ وہ اس

قسم کی حرکت کرتا، جو وہ کر بیٹھا تھا، گہری نفرت کے زیر اثر انہیں منع کر دیا کہ حضرت حمزہؓ پر ہاتھ نہ اٹھائیں۔ پھر اپنے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا: "حمزہؓ کو بہ سلامت جانے دو، بے شک میں اس بات پر شرمندہ ہوں کہ میں نے اپنے بھتیجے محمد ﷺ سے زیادتی کی۔"

جہاں تک حمزہؓ کا معاملہ تھا وہ تو چونکہ اب اسلام کا دفاع کرنے والوں میں شامل تھے اس لئے اس غیض و غضب میں اللہ کا فضل و کرم ان کے شامل حال تھا۔

عتبہ ابن ربیعہ جو ایک مشہور بت پرست تھا اسے جب معلوم ہوا کہ اس کا نوجوان بیٹا حذیفہ مسلمان ہو گیا ہے تو اسے بڑا صدمہ پہنچا۔ بیٹے نے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ محمد ﷺ کے وہ احکامات جو اسلام سے متعلق تھے، ان سے نہ صرف قبیلہ قریش کے لوگوں میں پھوٹ پڑ گئی، تھی بلکہ ان خاندانوں میں بھی باہمی رنجش جنم لے چکی تھی جن میں بڑی محبت اور قربت تھی عتبہ نے سوچا نفرت کا جو بیج محمد ﷺ نے بویا ہے اس کا سدباب کیا جائے۔ وہ بطور ثالث سامنے آیا۔ اس نے دیکھا کہ اللہ کے رسول ﷺ معبد کے قریب بالکل تنہا بیٹھے ہیں، اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "کیا میں تمہارے نمائندے کے طور پر محمد ﷺ سے بات کر سکتا ہوں اور تمہارے نام پر ایک دو تجاویز پر تبادلہ خیالات کرنے کی مجھے اجازت ہے؟ ہو سکتا ہے وہ مان جائے اور ہمیں امن چین سے رہنے دے"۔

انہیں سب سے زیادہ پریشانی یہ لاحق تھی کہ حضرت حمزہؓ جیسی شخصیت دائرہ اسلام میں داخل ہو چکی تھی۔ ان کی تقلید میں دوسرے بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لئے یہ جانتے ہوئے کہ بہتری اسی میں ہے کہ کوئی معاہدہ کر لیا جائے عتبہ کے ساتھیوں نے جواب دیا: "ٹھیک ہے، جاؤ اور ہماری طرف سے اس سے بات کرو" عتبہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آنحضور ﷺ کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر نہایت محبت و شفقت بھرے لہجے میں حضور ﷺ سے یوں مخاطب ہوا: "تم ہم میں سے ہو، تم نے گو ہمارے مذہب اور ہمارے آباؤ اجداد کی روایات کی بے حرمتی کی ہے اور یوں ہمیں ناراض کیا ہے مگر میں خود چل کر تمہارے پاس آ گیا ہوں تاکہ اس بہت بڑی بد قسمتی کو یہیں ختم کر دیا جائے۔ میری تجاویز کو ذرا غور سے سننا۔ ہو سکتا ہے یہ تمہیں اچھی لگیں"۔ "کہو کیا کہنا چاہتے ہو میں سن رہا ہوں"۔۔۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا۔

"اے میرے دوست کے فرزند! اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جو ذمہ داری تم نے سنبھال رکھی ہے یہ تمہیں مالدار بنا دے گی تو ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے مقدر کا کچھ حصہ تمہاری خاطر قربان کرنے کو تیار ہے تاکہ تم ہم میں سب سے زیادہ دولت مند ہو جاؤ۔ اگر تمہیں عزت و شہرت کی طلب ہے تو ہم تمہیں اپنا رئیس بنانے پر رضامند ہیں۔ ہم کوئی بھی فیصلہ تیری رضا اور تیرے مشورے کے بغیر

نہیں کیا کریں گے ذرا سا چشم تصور کے سامنے شاہی مراعات اور ٹھاٹھ باٹھ لا کر تو دیکھو۔ ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنالیں گے۔ اگر اس کے برعکس تمہارے تمام تر تصورات کسی ذہنی عارضہ کا نتیجہ ہیں جس پر تمہیں اختیار نہیں تو ہم ہر قیمت پر دنیا کے کسی بھی ملک سے نہایت ماہر اور تجربہ کار طبیب تمہارے علاج کی خاطر لے آئیں گے تاکہ تم تندرست ہو جاؤ۔ سو اب فیصلہ وانتخاب تمہارے ہاتھ میں ہے!"

آنحضور ﷺ نے خاموش رہ کر ساری بات سنی اور پھر فرمایا: "تمہیں کچھ اور کہنا ہے؟" عتبہ نے کہا "نہیں میں نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا اب تمہاری باری ہے، میری بات کا جواب دو!" آپ ﷺ نے قرآن پاک کی سورۃ "بقرہ" تلاوت فرمائی جس میں کفار کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اور مومنین سے جنت کی نعمتوں کا وعدہ کر کے اس اطمینان وسکون کی نوید سنائی گئی ہے جو ان کے تصور سے بھی بالاتر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"کیوں نہیں! جس نے کمائی کوئی برائی اور اس کو اس کی خطاؤں نے گھیر لیا پس یہی لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے یہی لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" (۲: ۸۱-۸۲)

عتبہ اپنے دونوں بازو کمر کے پیچھے کئے کھڑا یہ الفاظ بغور سن رہا تھا ان میں حکم بھی پایا جاتا تھا اور رحم وکرم بھی۔ الفاظ اپنے زیر وبم کے ساتھ اس کے کانوں سے ٹکرا رہے تھے اور اس کے لئے بالکل نئے تھے وہ دم بخود پتھر کی طرح ساکت کھڑا تھا۔ آنحضور ﷺ اپنی بات مکمل کر چکے تھے مگر عتبہ ٹس سے مس نہ ہو رہا تھا۔ محمد ﷺ نے سجدہ کرتے ہوئے اپنی پیشانی زمین پر رکھی، پھر اٹھائی اور عتبہ سے یوں مخاطب ہوئے:

"اے عتبہ تم نے میری بات سن لی ہے، اب یہ تم پر منحصر ہے کہ تم کس کا انتخاب کرتے ہو۔" عتبہ حیرت زدہ ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس واپس گیا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ جب گیا تھا تو اس کے چہرے کے تاثرات اور تھے اب واپسی پر بالکل اور ہیں اور وہ کچھ پریشان پریشان دکھائی دیتا ہے۔ انہوں نے پوچھا: "عتبہ! بتاؤ تو سہی کیا ہوا، تمہیں کس چیز نے پریشان کر دیا ہے"؟ اس نے جواب دیا: "دوستو! میں نے بڑے ہی غیر معمولی اور انوکھے الفاظ سنے ہیں۔ مجھے اپنے خداؤں کی قسم ہے میں نے ایسی کوئی چیز پہلے نہیں سنی تھی۔ یہ نہ شاعری ہے نہ جادو نہ کوئی شعبدہ بازی۔ اے اہل قریش تم جو آج یہاں جمع ہو، مجھ پر یقین کرو اور اس شخص کو عربوں میں اپنا مشن مکمل کر لینے دو اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس میں حیران کن پیشگوئیاں شامل ہیں۔ اگر عربوں کی غلطی سے اسے کوئی

نقصان پہنچا تو تم ہر طرح کی فکر اور تشویش سے آزاد ہو جاؤ گے۔ اور اگر وہ کامیاب ہو جاتا ہے اور عربوں کو مسخر کر لیتا ہے تو اس کی سلطنت تمہاری سلطنت ہو گی اس لئے کہ وہ ہم میں سے ہے۔ تم تو اس کے شکر گزار ہو گے کہ تمہیں اقتدار اعلیٰ حاصل ہو گا"۔ مگر اس مصلحت اندیشی کے مقابلے میں جو حسد اور نفرت جنم لے رہی تھی اس کا کیا علاج؟ "اس نے اپنی زبان سے تم پر فسوں پھونک دیا ہے جیسا کہ اس نے دوسروں کے ساتھ کیا ہے" عتبہ کے سننے والوں نے جواب دیا۔ عتبہ کندھے جھٹکتا ہوا چلا گیا اور جاتے جاتے یہ کہہ گیا: "میں نے تمہیں اپنا مشورہ دے دیا ہے، اب جیسا مناسب سمجھو کرو"۔

تاہم عتبہ کی تجویز نے بت پرستوں کو متاثر ضرور کیا تھا۔ اگلے روز، غروب آفتاب کے بعد وہ رسم کے مطابق معبد کے ایک حصے میں جمع ہو گئے تھے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ محمد ﷺ سے خود بات کریں۔ انہوں نے آپ ﷺ کو بلا بھیجا۔ آنحضور ﷺ تشریف لائے اور آپ ﷺ کو امید تھی کہ بت پرستوں کی آنکھیں یا تو ایمان کی روشنی دیکھنے لگیں گی یا ایک روز وہ پہلے والی تجاویز دہرانے آ جائیں گے۔ آپ ﷺ نے حسب معمول نفرت و حقارت سے ان کی تجاویز ایک بار پھر مسترد کر دی تھیں۔ انہوں نے اپنے دلائل تبدیل کرتے ہوئے کہا: "کیوں کہ آپ ﷺ کو نبوت کا دعویٰ ہے اس لئے اپنے ملک پر رحم کرو۔ کوئی اور سرزمین ایسی نہیں جسے پہاڑیوں گھیرے ہوئے ہوں نہ ایسی جس میں پانی کی سپلائی اس قدر کم ہو اور جہاں زندگی مشکلات سے گھری ہو۔ اس لیے تم اپنے خدا سے کہو کہ وہ پہاڑی سلسلے اٹھا لے۔ زمین کو قابل کاشت بنا دے اور ہمیں شام و عراق کی طرح دریا مہیا کر دے یا اپنے اللہ سے کہو کہ ہم میں قصی ابن کلاب کو دوبارہ پیدا کر دے، جو ایک دانا اور سچا شخص تھا۔ اس سے ہم تمہاری باتوں کے بارے میں مشورہ کریں گے یوں ہم یہ جان سکیں گے کہ تم جو کہتے ہو وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ اگر وہ تمہیں یہ حق دے دیتا ہے اور تم ہمارے مطالبات پورے کر دیتے ہو تو پھر ہم تمہاری باتوں پر یقین کر لیں گے اور اللہ کے رسول کی حیثیت سے تمہارے مشن پر ایمان لے آئیں گے"۔

آنحضور ﷺ نے صرف اس قدر جواب دینا مناسب سمجھا: "مجھے اس کام کے لئے تم لوگوں میں مبعوث نہیں کیا گیا۔ مجھے جس کا حکم تھا میں نے تمہیں بتا دیا اور تمہیں ایک بات بتا دوں کہ اگر تم ایمان لے آؤ گے تو اس زندگی اور آخرت کی زندگی کی خوشی کی ضمانت دی گئی ہے۔ اگر تم نے انکار کر دیا تو مجھے مشیت ایزدی کی طرف جھکنا پڑے گا جو ہمارے درمیان فیصلہ کر دے گی"۔ انہوں نے کہا: "چونکہ تم ہمارے لئے تو کچھ نہیں مانگو گے، اپنے لئے اس سے یہ درخواست کرو کہ وہ اپنا ایک فرشتہ بھیج دے جو ہمیں قائل کر سکے۔ اپنے اللہ سے کہو کہ وہ اس دنیا کی تمام خوشیاں جن کی تمہیں

خواہش ہے تمہاری جھولی میں ڈال دے، مثلاً میٹھے پھلوں والے باغات، عالیشان محلات، یا سونے چاندی کے انبار۔ اس کے بغیر تو ہم تمہارے بارے میں یہی کچھ جانتے ہیں "جو کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں" (۲۵ : ۷) اور یہ کام تو جو ہم میں سب سے کمتر ہے وہ بھی کرتا ہے۔ اگر تم واقعی پیغمبر ہو تو تمہارے اللہ کو چاہئے کہ ہمیں اس طاقت کے ثبوت دکھائے جو اس نے تمہیں عطا کی ہے۔ اور ہمیں تمہارا مقام و مرتبہ بھی دکھائے جس سے اس نے تمہیں سرفراز کیا ہے"۔ "میں ان لوگوں میں سے نہیں جو اللہ سے اس طرح کے مطالبات کرتا ہو اور رہے تم تو تم سے تو میں اپنا حلفیہ بیان ہی دوبارہ دہرانا چاہوں گا۔ اللہ سے کہو: "یا جیسے تو کہا کرتا ہے ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دے" (۱۷ : ۹۲) اگر اس کے اختیار میں ہے، جیسا کہ تم سمجھتے ہو۔ اگر نہیں تو تمہارے الفاظ کی کوئی وقعت نہیں۔ قادر مطلق کے لئے اس سے زیادہ آسان بات اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ جیسا تم چاہتے ویسا کر کے دکھا دے یوں وہ اپنا کام مکمل کر دے گا۔ تم اس سے معجزات کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ معجزات تو ہر اس شے میں تلاش کئے جا سکتے ہیں جو اس نے تخلیق کی ہے مگر یہ الگ بات کہ تم اسے نہیں سمجھتے!۔ تم دیکھتے نہیں مردہ کس طرح زندہ سے جنم لیتا ہے اور زندہ مردہ سے اس نے فطرت کے اصولوں کے مطابق جو کچھ تخلیق کیا ہے اسے کسی معجزے کے ذریعے عجوبے میں بدل سکتا ہے۔ مجھ سے پہلے جو پیغمبر آئے ان کے لئے اللہ نے ایسا کیا مگر بے سود۔ اس لئے فطرت میں موجود اس کے معجزوں کی تعریف کرو اور مزید معجزات کا مطالبہ مت کرو۔

جب وہ لوگ آنحضور ﷺ کو قائل نہ کر سکے تو آپ ﷺ کے مقابلے میں بت پرست نضر ابن حارث کو لے آئے، اس نے کئی ملکوں کا سفر کیا تھا اس لئے نئی نئی عمدہ کہانیاں گھڑ لیتا تھا۔ جس وقت آنحضور ﷺ نے تبلیغ شروع کی وہ آپ ﷺ کے بالکل قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ وہ رستم اور اسفندیار کے حیران کن کارناموں کا ذکر چھیڑ دیتا تاکہ لوگوں کی توجہ پیغمبر خدا کی باتوں سے ہٹ جائے۔ وہ لوگوں سے کہتا: "دیکھنا اب میں اپنے سامعین کو بڑی دلچسپ کہانیاں سناؤں گا" اور نضر ابن حارث بڑی دیدہ دلیری سے اپنی بات کو یوں مکمل کرتا:

"میری کہانیاں ان کہانیوں کا مقابلہ کر سکیں گی جو اللہ نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہیں"

اہل قریش نے ایک وفد یثرب کے اہل علم و دانش یہودیوں کے پاس بھی بھیجا اور شہزادہ حالب بن مالک کے پاس بھی گئے جو اپنی دانائی، سائنسی علوم سے واقفیت اور طاقت کی بنا پر سب لوگوں میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ یہ لوگ کسی نہ کسی طرح کوئی ایسا ذریعہ جاننا چاہتے تھے جس کی مدد سے وہ محمد ﷺ کو فریبی اور دھوکہ باز ثابت کر سکیں۔ مگر ان کی ساری کوششیں رائگاں گئیں اور کسی معجزے میں شامل کی گئی کسی روایت پر یقین کرنے کی ضرورت نہ تھی جیسا کہ قرآن حکیم میں

بتایا گیا ہے:

"قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا" (۵۴:۱)

چند لکھنے والوں نے اس بات پر زور دیا ہے کہ جب حالب ابن مالک نے آنحضور ﷺ سے کوئی معجزہ دکھانے کے لئے کہا تاکہ آپ ﷺ کے مشن کی صداقت ثابت ہو سکے تو محمد ﷺ نے چاند کو حکم دیا جو دیکھتے ہی دیکھتے دو برابر حصوں میں بٹ گیا تھا۔ ایک ٹکڑا مشرق کی سمت اوپر بلند ہوا اور دوسرا مغرب کی جانب۔ اسلام کے نہایت معتبر علماء مثلاً بداوی اور زمحشری کی رائے میں اس آیت کے حقیقی معنی یہ ہیں "جب وہ گھڑی (قیامت کے روز کی) آن پہنچتی ہے اور (اس کی آمد کا اعلان کرنے کے لئے) چاند دو ٹکڑے ہو جائے گا" اس بات کے ثبوت اور صداقت کے طور پر اس کے فوراً بعد قرآن حکیم کی یہ آیات نازل ہوتی ہیں:

"سو تم ان سے منہ پھیر لو، جس دن بلائے گا ایک بلانے والا (فرشتہ) ناگوار شے کی طرف۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی (ہوں گی) وہ قبروں سے (اس طرح) نکلیں گے گویا کہ وہ پراگندہ ٹڈیاں ہیں۔" (۵۴: ۶۔۷)

علاوہ ازیں قرآن حکیم کی بیشمار آیات میں اس مفروضہ معجزے کے بارے میں تضاد پایا جاتا ہے اور یہ ممکن نہیں رہتا کہ اسے تسلیم کر لیا جائے: "اور ہمیں نشانیاں بھیجنے سے نہیں روکا مگر (اس بات نے) کہ ان کو اگلوں نے جھٹلایا (۱۷: ۵۹)

معجزات میں اس طرح قبولیت کی معمولی سی کمی پائی جاتی تھی۔ موسیٰ نے اسرائیلوں کو بحیرہ قلزم کی لہروں اور فرعون کے لشکر سے بچانے کے لئے جب معجزہ دکھایا تو وہ فوراً سونے کے بچھڑے کے سامنے جھک گئے۔ مگر مکہ کے بت پرست زیادہ سے زیادہ حیران کن معجزہ دیکھ کر بھی اس طرح متاثر ہونے والے نہ تھے۔ رب کائنات کا قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

"اور وہ تاکید سے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو ضرور اس پر ایمان لائینگے۔ آپ ﷺ کہہ دیں کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں گے اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم جمع کر دیتے ان پر (ان کے ساتھ) ہر چیز، تو بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے" (۶: ۱۰۹، ۱۱۱)

قرآن کا معجزہ

تاہم ایک معجزہ ایسا تھا جو محمد ﷺ کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا تھا اور اسی معجزے نے بت

پرستوں کو فکر مند بنا دیا تھا۔ یہ تھا "آیات" کا معجزہ، جسے عام طور پر انگریزی میں 'ورسز' (verses) کا نام دیا جاتا ہے لیکن اس کے زیادہ موزوں اور صحیح معانی ہیں قرآن کی "معجزاتی نشانیاں"۔

جو معجزات اولین پیغمبروں نے دکھائے وہ یوں کہیے کہ عارضی اور ناپائیدار تھے اور اسی لئے جلد فراموش کر دیے گے۔ لیکن جہاں تک قرآنی آیات کا تعلق ہے انہیں "مستقل اور ناقابل فراموش معجزہ" کہا جاسکتا ہے۔ اس معجزے کی کارروائی کبھی نہ ختم ہونے والی تھی۔ ہر کہیں اور تمام اوقات میں ہر مومن قرآنی آیات کی تلاوت سے یہ معجزہ حاصل کر سکتا تھا اور فوری طور پر قبول اسلام کے بہت سے واقعات کی توجیہہ اس میں پائی جاتی ہے۔ وہ یورپی جو قرآن کے بارے میں کچھ نہیں جانتے یا غیر مستند تراجم کی مدد سے اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں قرآن کی تفہیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔

بنی نوع انسان نے اب تک جس قدر ادب تخلیق کیا ہے وہ اس مقدس کتاب کی حیرت انگیز دلکشی سے کوئی مشابہت نہیں رکھتا۔ اس بات کو ہم مسلمانوں کو سمجھانے کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ ہم اسے اللہ کا کلام مانتے ہیں جو ہم تک اس کے نبی ﷺ کے وسیلے سے پہنچا۔ اس سلسلے میں ہمارے خیال میں دو مستشرقین کی رائے کا حوالہ ضرور دینا چاہئے یہ دونوں بجا طور پر اس کے مستحق ہیں۔

یہ قرآن حکیم کے تقدس کا تصور ہے۔ انہوں نے سب سے پہلے قرآن کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا لکھتے ہیں: "محمد ﷺ اپنی زبان کے مطالعہ کی حد تک پڑھے لکھے تھے، وہ زبان جو دنیا کی سب سے زیادہ فصیح زبان ہے اور ایک اپنا آہنگ رکھتی ہے اور جو آیات لکھتے ہوئے ایسے موزوں الفاظ مہیا کرتی ہے جن سے ایک اعلیٰ مفہوم پوری صحت کے ساتھ ادا ہو سکے۔ اس کا صوتی آہنگ ایسا ہے جو جانوروں کی آوازوں، بہتے جھرنوں کی گنگناہٹ، بادلوں کی گرج اور نسیم صبحگاہی کے جھونکوں سے مشابہت رکھتا ہے۔ میں پھر اپنی بات دہراتا ہوں کہ محمد ﷺ ایک ایسی زبان میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے جسے بہت سے شعراء نے اپنی شاعری کو سنوارنے اور پرکشش بنانے کے لئے استعمال کیا ہے اور یہ زبان روز ازل سے موجود ہے۔ اخلاقی پند و نصائح میں اسے استعمال کرتے ہوئے بڑی دلکشی پیدا کی گئی ہے۔ عرب میں شعراء کی بڑی قدر تھی۔ لبید ابن ربیعہ نے جو ایک نامور شاعر تھا اپنی ایک نظم خانہ کعبہ کے دروازے پر چسپاں کر دی تھی۔ اس کی شہرت اور اس کے اعلیٰ شاعرانہ کلام کے سامنے کوئی دوسرا شاعر نہ ٹھہر سکا۔ انعام کے لئے اس کے مقابلے میں کوئی بھی نہ آیا۔

کچھ لکھنے والوں کے خیال میں دوسرے پارہ کی ۵۵ ویں سورۃ اس نظم کے برابر چسپاں کر

دی گئی۔ بسید حالانکہ منقش مورتیوں کی پوجا کرتا تھا یہ آیات پڑھ کر تعریف کئے بغیر نہ رہ سکا اور اس بات کا اس نے اعتراف کر لیا تھا کہ وہ شکست کھا گیا ہے۔"

بعد میں وہ جلد ہی مسلمان ہو گیا تھا۔ ایک روز اس کے مداحوں اور پرستاروں نے اس کا سارا شعری سرمایہ ایک جگہ اکٹھا کیا اور اس موضوع پر اس سے سوال کیا اس نے جواب دیا:

"مجھے اپنی شاعری میں سے کچھ بھی تو یاد نہیں اس لئے کہ میرے حافظے میں تو اب صرف کتاب وحی کی آیات محفوظ رہ گئی ہیں۔"

اب ہم سیٹنلے لین پول کی رائے کا حوالہ دینا چاہیں گے:

"سورتوں کا اسلوب ہر حصے میں بڑا تند و تیز اور جوش و ولولہ سے بھرپور ہے۔ الفاظ ایک ایسے شخص کے ہیں جو صدق دل سے چاہتا ہے کہ قارئین کو مرعوب کر سکے۔ یہاں تک کہ آج بھی ان کی شدت اور وہی آتش بیانی قائم ہے جو بنیادی طور پر اس وقت موجود تھی جب یہ الفاظ ان لوگوں کے لئے محمد ﷺ کی زبان سے نکلے تھے جو ان کے گرد جمع تھے۔ یہ ایک ایسے انسان کے دل سے نکلے ہوئے، وقفے وقفے سے ادا کئے گئے الفاظ ہیں جسے منافقت بالکل نہیں آتی تھی۔ یہ اس انسان کے دل کی آواز تھی جس نے بنی نوع انسان پر غیر معمولی اثر ڈالا تھا"۔

اگر قرآن کے اسلوب اور خیالات کے جادو نے اعلیٰ تعلیم یافتہ انسانوں پر یہ اثر ڈالا جو نہ عرب تھے نہ مسلمان تو حجاز کے عربوں میں جوش و ولولے کی کیفیت کیا ہو گی، خصوصاً اس وقت جب یہ آیات ان کی شاعرانہ زبان میں پیش کی گئی تھیں۔ وہ مسافر جو امام کو قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے سنتے ہیں انہوں نے ضرور دیکھا ہو گا کہ سامعین پر اس کا کیا اثر ہوتا ہے، ان کے جذبات میں کیسی ہلچل مچ جاتی ہے۔ آپ نے قافلوں میں شامل لوگوں کو بھی دیکھا ہو گا، جو سر سے پاؤں تک صحرا کی ریت سے اٹے ہوتے ہیں۔ سفر کی تھکاوٹ کے باوجود وہ مسجد کی جانب بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں، ستانے کے لئے آرام کی جگہ تلاش نہیں کرتے۔ لگتا ہے جیسے امام کی آواز نے انہیں مسحور کر دیا ہو اور وہ دیوانہ وار اس آواز پر لبیک رہے ہوں۔ بعض اوقات ماہ رمضان المبارک میں بھی جبکہ مسلمان دن بھر روزے سے ہوتے ہیں، شب بھر بے خودی کے عالم میں جاگتے رہتے ہیں اور اللہ کا کلام ان کے کانوں میں رس گھولتا رہتا ہے۔

یقیناً ہمارے عہد کے بدو جو علم کے زیور سے آراستہ نہیں امام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کی معنوی روح تک نہیں پہنچتے لیکن الفاظ کا زیر و بم، صوتی آہنگ جو حیران کن آیات قرآنی میں پایا جاتا ہے، ان کے دلوں کی دھڑکن تیز تر کر دیتا ہے۔ وہ مفہوم تک پہنچ ہی جاتے ہیں خواہ مبہم طور پر ہی سہی مگر متن کی روح تک ضرور انہیں رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے

ساتھ کسی اور خیال کو تقابل کے طور پر رکھا ہی نہیں جا سکتا۔ دوسری طرف انہیں کس قدر بے لطف اور پھیکا محسوس ہوگا اگر انہیں لغوی معنوں میں تشریح کر کے بتائی جائے جو جذبات سے عاری اور ایک اصول پرست بے لچک ماہر صرف و نحو کی رہین منت ہوگی۔

جہاں تک حجاز کے عرب کی بات ہے وہ تو قرآنی زبان کے لسانی اسرار و رموز سمجھتا تھا اور اس کے باریک اشارات سے واقف تھا۔ یہ تو اس کی اپنی زبان تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے ایک ہموطن، محمد ﷺ کے لبوں سے نکلی ہوئی سورتوں کو خوش آمدید کہا اس کا ہی ہموطن ملنسار نیک دل اور حسن اخلاق کے اعلیٰ نمونے کا حامل تھا۔ اور اللہ نے اسے پیغمبر بنا کر اس پر وحی نازل کی تھی۔ اس سننے والے نے اس حیرت انگیز بات پر یوں محسوس کیا جیسے وہ پتھر کا بن گیا ہو۔ کیا یہ مافوق الفطرت زبان محمد ﷺ کی ہو سکتی ہے جو بتایا جاتا تھا کہ لکھے پڑھے بالکل نہیں ہیں۔ اور اس کے سوا کوئی دوسرا علم نہیں رکھتے تھے جو آپ ﷺ کو فطرت نے عطا کیا تھا یا وجدان سے حاصل ہوا تھا؟

یہ بظاہر بالکل ناممکن نظر آتا تھا۔ مگر یہ عرب باشندہ یہ تسلیم کرنے پر مجبور تھا کہ محمد ﷺ کے لبوں سے نکلے ہوئے الفاظ اللہ کے بتائے ہوئے تھے۔ اس میں چالاکی سے بولا ہوا جھوٹ بھی شامل نہ تھا جو محمد ﷺ نے آیات قرآنی کو اللہ سے منسوب کر کے بولا ہو۔ وہ کلی طور پر قائل ہو گیا تھا کہ یہ کلام ربانی تھا۔ جن مشکل مراحل کے دوران وحی نازل ہوئی اس سے ان انجانے مسائل کا حل بھی سامنے آیا جو ایک ایسی زبان میں تھے جو اس کے لئے اس قدر نئی تھی۔ اور اس کی اپنی زبان سے اس قدر مختلف تھی۔ اس کی سرزنش بھی ہوتی تھی جب وہ غلطیاں کرتا تھا اور اسے یہ آیات تلاوت کرنے کا حکم بھی دیا جاتا تھا وہ نہ تو انکار کر سکتا تھا نہ پس و پیش اور اس کے ذہن میں کسی طرح کا معمولی سا شک بھی نہیں تھا۔

بالآخر پورے ایمان اور یقین کے ساتھ اس نے قرآن حکیم کے لئے بے حد و حساب تعریف و تحسین محسوس کی۔ یعنی کلام اللہ کے لئے۔ کیا اللہ نے اس پر یہ آیات نازل نہیں کی تھیں :

"آپ ﷺ کہہ دیں تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی لے آؤ اور جس کو تم (مدد کے لئے) بلا سکو بلا لو، اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو" (۱۱:۱۳)

ان کی بے بسی کا یقین ہو گیا تو "نبی امی ﷺ" (۷ : ۱۵۷) نے نامور شعراء کو چیلنج کر دیا، انہیں یہ حق دے دیا کہ اگر وہ اس کی پیش کردہ دس سورتوں جیسی سورتیں لکھ لائیں تو انہیں یہ حق حاصل ہو جائے گا کہ پھر آپ ﷺ کو دھوکے باز اور دغا باز کے لفظوں سے پکار سکیں۔

محمد ﷺ کے بڑھتے ہوئے خلوص کو شک کی نظر سے دیکھتے ہوئے اور انہیں ایک پست سا انسان لیکن چالاک اور بہت کچھ بننے کا آرزومند بنا کر پیش کرنے کے لئے، جیسا کہ چند دور جدید

کے مؤرخین نے کیا ہے، ایک معترض کو پہلے سے ذہن میں کچھ خیالات جمع کر کے حقائق سے آنکھیں بند کر لینی چاہئیں، جن حقائق کا تعلق تحقیق و تفتیش کے دنوں سے ہوتا ہے۔ کارلائل نے اپنی کتاب "آن ہیروز" (مشاہیر کے بارے میں) میں انتہائی حماقت اور کٹرپن کا مظاہرہ کرتے ہوئے لکھا:

"ایک جھوٹے انسان نے مذہب تلاش کر لیا؟"۔ وہ محمد ﷺ کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے

"ایک جھوٹا انسان اینٹوں کا گھر تعمیر کیوں نہیں کر سکتا! اگر وہ تعمیراتی مصالحہ میں شامل اجزاء کے بارے میں نہیں جانتا، بھٹی میں پکی ہوئی اینٹیں کتنی درکار ہیں اور ان کے علاوہ کون کون سے اجزاء چاہئیں تو جو کچھ وہ تعمیر کرے گا وہ مکان تو نہیں ہو گا گارے اینٹوں کا ڈھیر ہو گا یہ گھر بارہ صدیوں تک کھڑا نہیں رہے گا تاکہ اس میں ایک سو اسی ملین لوگ آباد رہ سکیں۔ یہ تو فوراً ہی زمین بوس ہو جائے گا۔"

قرآن سننے پر پابندی کیوں کر عائد ہوئی

تلاوت قرآن سے سننے والوں پر جو اثر ہوتا تھا اس سے بچنے کی جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو اس بے بسی پر قریش بت پرستوں نے فیصلہ کیا کہ لوگوں کو قرآن سننے سے منع کر دیا جائے۔ بذریعہ وحی نازل ہونے والی کتاب مقدس میں سے چند پیراگراف جب آنحضور ﷺ حسب عادت کعبہ کے دالان میں کھڑے ہو کر تلاوت فرماتے تو قبیلہ کے افراد ان لوگوں کو دھمکیاں دے کر خوفزدہ کر دیتے تھے جو نبی ﷺ کے قریب آنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے تاکہ آپ ﷺ کی آواز ان کے کانوں میں نہ پڑے یا حضور ﷺ کی آواز کو دبانے کے لئے وہ سیٹیاں بجانے لگتے تھے، تالیاں بجاتے تھے، یا اس قدر زور شور سے چیختے چلاتے تھے جس قدر ممکن تھا۔ بت پرست تک بند شعراء کے اشعار بلند آواز سے پڑھتے اور یوں شور غل پیدا کرتے تھے۔ خلاف امید نتیجہ یہ نکلا کہ جن لوگوں نے قرآنی آیات سننے کو جرم قرار دیا تھا خود ان پر ناقابل تسخیر تجسس اثر کر گیا تھا، جو کمزور انسانوں کو ممنوعہ چیزوں کی طرف کھینچ لیتا ہے۔

ایک رات ابو صفیان، ابو جہل اور اخناس اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور بغیر ایک دوسرے کو بتائے ہوئے آنحضور ﷺ کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر ان کے کان دیوار سے لگ گئے اور انہوں نے آیات ربانی سننے کی کوشش کی۔ رات کے اندھیرے میں انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔ مگر جب صبح ہوئی تو روشنی میں وہ گھروں کو جاتے وقت ایک دوسرے کے روبرو تھے۔ سب

نے ایک دوسرے کو الزام دیا اور کہا: "ہمارے ساتھی ہمیں اس حالت میں دیکھ لیتے تو وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے؟" ان تینوں نے خلوص دل سے یہ عہد کیا کہ آئندہ ایسی حماقت کبھی نہ کریں گے۔

مگر اگلی شب اور پھر اس سے اگلی شب پھر یہی معاملہ پیش آیا اور ایک بار اور ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا کر لعن طعن کیا گیا۔

اے کپڑوں میں لپٹے ہوئے محمد ﷺ! کھڑے ہو جاؤ۔ پھر ڈراؤ
اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو"۔(۷۴ :۱۔۳)

لَتُبۡلَوُنَّ فِيٓ أَمۡوَٰلِكُمۡ وَأَنفُسِكُمۡ

تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں ضرور آزمائے جاؤ گے(۳:۱۸۶)

باب ۔ ۴

قبول اسلام پر جبر وایذا

آنحضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے اس شخص کے لئے جنت بنائی جو اس کی فرمانبرداری کرتا اور اسکا حکم بجالاتا ہے، خواہ وہ حبشہ کا سیاہ فام غلام ہی کیوں نہ ہو اس شخص کے لئے جہنم جو اس سے بغاوت کرتا ہے، خواہ وہ قریش کا صاحب عزوشرف انسان ہی کیوں نہ ہو"۔

اسلام کا میلان چونکہ حسب ونسب کی مکمل برابری کی طرف تھا، اس مساوات نے شہر کے تمام غریب اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے انسانوں کو قدرتی طور پر اپنی جانب مائل کرلیا تھا۔ چنانچہ بت پرست آقاؤں نے بڑی تشویش کے ساتھ دیکھا کہ ان کے غلام جوق در جوق نیا مذہب اختیار کرتے جارہے ہیں مگر مصیبت کے مارے یہ لوگ چونکہ ظالم آقاؤں کے پنجے میں جکڑے ہوئے تھے، اس لئے ان آقاؤں نے ان پر تو ظلم و تشدد کی انتہا کی دی تھی اور آنحضور ﷺ کے ان ماننے والوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھنے کی جرأت نہ تھی جو اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔

امیہ ابن خلف کو جب پتہ چلا کہ اس کا سیاہ فام غلام بلال ابن رباح مسلمان ہو گیا ہے تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے سزا دے کر اپنی بزدلی کا مظاہرہ کرے گا۔ اس نے کھجور کے ریشوں سے ایک پھندا بنوایا اور اس میں حضرت بلالؓ کی گردن پھنسا کر رسی ان لڑکوں کے ہاتھ میں تھمادی جو رحم و ہمدردی کے نام تک سے نا آشنا تھے۔ یہ بے رحم لڑکے بلالؓ کو اپنے پیچھے پیچھے گدھے کی طرح کھینچتے پھرتے تھے اور اپنے اس ظالمانہ فعل پر قہقہے لگاتے تھے۔ یہ بدبخت شریر لڑکے انہیں ادھر ادھر گھسیٹتے پھرتے تھے، اس سے حضرت بلالؓ کے گوشت میں اس طرح کی لکیریں پڑ گئی تھیں جس طرح کی ہل چلانے سے کھیت میں ابھر آتی ہیں اس کے باوجود یوں لگتا تھا جیسے بلالؓ کو درد اور اذیت کا کوئی احساس ہی نہیں، خوشی خوشی یہ ساری تکلیف برداشت کئے جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ظالم آقا نے بلالؓ کو کھانے پینے سے محروم کر دیا تھا۔ موسم گرما کی جھلسا دینے والی گرمی میں رسول خدا کے اس پروانے کو ٹھیک دوپہر کے وقت شہر سے نکال کر باہر صحرائی میدان کی جلتی ریت (رمدہ) پر لٹا دیا جاتا

تھا۔ یہ اس قدر گرم ہوتی تھی کہ اگر اس پر گوشت کا ٹکڑا رکھا جاتا تو وہ بھی ذرا سی دیر میں بھون دیا جاتا تھا۔ وہ بے رحم انسان بلالؓ کو کمر کے بل چت لٹا دیتا اور آپ کی چھاتی پر بڑا سا پتھر رکھ دیتا تھا۔ پھر حکم دیتا: "تم اسی حال میں لیٹے رہو گے تا آنکہ تم محمد ﷺ کی تعلیمات کو حلفاً مسترد نہ کر دو اور لات و عزیٰ بتوں کی پوجا شروع نہ کر دو"۔ مگر اس ساری اذیت سے بے نیاز، راضی برضا کا قائل یہ مومن صرف اپنے دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت بلند کرتا اور کہتا: "احد، احد، اللہ ایک ہے، اللہ وحدہ لاشریک ہے!" یوں وہ اپنے اس آقا کے خلاف اپنی نفرت و حقارت کا مظاہرہ کرتا تھا جو کائنات کے مالک و خالق کے ساتھ لکڑی اور پتھر کے بنے ہوئے بتوں کو شریک ٹھہراتا تھا۔ یہ غلام اس قدر ثابت قدم تھا کہ درد کی شدت بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اپنے دین کی خاطر قربانی و ایثار سے ملنے والی خوشی سے اذیت کی تلخی پر قابو پایا جا سکتا تھا۔

ایک روز حضرت ابو بکرؓ نے رمدہ کے قریب سے گزرتے ہوئے یہ اذیت ناک منظر دیکھا۔ انہوں نے طیش میں آکر پوچھا: "اے امیہ! تو اللہ کے عدل سے نہیں ڈرتا جب اس غریب پر یوں ظلم کرتا ہے۔ اس نے نہایت تلخ جواب دیتے ہوئے کہا "تم نے اسے خراب کیا ہے اس لیے اب تم ہی اسے بچاؤ"۔۔۔"بسر و چشم! میرے پاس ایک سیاہ فام غلام تمہارے اس غلام سے زیادہ مضبوط اور بہتر کام کرنے والا موجود ہے۔ مزید براں یہ کہ وہ پکا بت پرست ہے۔ میں اسے تمہارے اس غلام کے بدلے میں تمہیں پیش کرتا ہوں"۔ امیہ نے منظور کر لیا اور بلالؓ کو حضرت ابو بکرؓ کے حوالے کر دیا۔ آپ نے بلالؓ کو فوراً آزاد کر دیا۔ اس کے علاوہ بھی اس فیاض و سخی اور رحمدل انسان نے مزید چھ ایسے غلام خریدے تھے جو نو مسلم تھے اور انہیں آزاد کر دیا تھا یوں انہیں بت پرست آقاؤں کی غلامی سے آزادی نصیب ہوئی۔

یہ سزائیں نہ صرف یہ کہ جاری رہیں بلکہ ان میں ظلم و سفاکی کا اضافہ ہوتا گیا۔ قبیلہ بنو مخزوم کے عمار، اس کے والد یاسر اور سمیہ، اس کی ماں کو باہر رمدہ پر لے گئے تاکہ نہایت سفاکی کے ساتھ انہیں اذیت پہنچا سکیں۔ عمار کو ایک آہنی سینہ بند میں جکڑ دیا گیا تھا تاکہ وہ زمین پر جھکے رہیں اس وقت سورج نصف النہار پر تھا اور آگ برسا رہا تھا۔ اس کے گوشت میں سے اس طرح کی آواز نکلتی تھی جیسی پگھلا دینے والی دھات کے ساتھ لگنے سے نکلتی ہے۔ ایسا ہی سلوک بلالؓ سے کیا جاتا تھا۔ عمار اور اس کے والدین کو اسی قسم کی اذیت دی گئی مگر بت پرست ان کی زبان سے کفر و الحاد کا ایک لفظ بھی نہ نکلوا سکے۔ ابو جہل نے یہ منظر دیکھا تو بپھر گیا اور غصے سے دیوانہ ہو کر حضرت سمیہؓ کے دل سے اپنی برچھی پار کر دی۔ مرتی ہوئی اس خاتون سے مخاطب ہو کر، طنزیہ لفظوں میں کہا: "اگر تم محمد ﷺ پر ایمان لے آئی ہو تو اس کا سبب یہ ہے کہ تم اس کے حسن و جمال پر مرمٹی ہو!"

حضرت سمیہؓ اسلام کی پہلی خاتون تھیں جنہوں نے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ مگر یہ ثابت قدمی اور ایسا صبر و استقلال تمام اسلام لانے والوں میں نہیں دیکھا گیا تھا۔ چند مومنین ایسے بھی تھے جنہیں ظلم و تشدد کا نشانہ اس حد تک بنایا گیا تھا کہ وہ کمزور پڑ گئے، ثابت قدم نہ رہ سکے اور آزاد کر دینے کی یقین دہانی پر ان کے منہ سے کفر والحاد کے الفاظ رواں ہو گئے تھے۔ اس پر ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے اور پچھتاتے ہوئے مسلمانوں کے لئے درج ذیل سورۃ تسلی و تشفی کے طور پر نازل ہوئی:

> "جو اللہ کا منکر ہوا اس (اللہ) پر ایمان کے بعد، سوائے اس کے جو مجبور کیا گیا ہو، جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، بلکہ جو کفر کے لئے سینہ کشادہ کرے (من مرضی سے کفر کرے) تو اُس پر اللہ کا غضب ہے۔" (۱۶:۱۰۶)

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ ان کے پیروکار زیادہ سے زیادہ اذیتوں کا شکار ہو رہے ہیں اور آپ ﷺ بے بس ہیں ان کی حفاظت نہیں فرما سکتے تو اس احساس نے انہیں بے حد مغموم کر دیا تھا۔ شہداء جس ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کر رہے تھے اس سے ثابت ہو رہا تھا کہ ان کے دلوں میں دین کی محبت کس قدر گہری ہو چکی ہے۔ تاہم ان کا خیال تھا کہ اس طرح کی قربانیاں جس حد تک ممکن ہو نہ دی جائیں۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے ان تمام مسلمانوں کو جو کمزور تھے یا جو مکہ میں رہتے ہوئے سفاکانہ سلوک برداشت کر رہے تھے مشورہ دیا کہ وہ حبشہ چلے جائیں۔ یہ وہ سرزمین تھی جہاں عیسائی آباد تھے اور نجاشی انکا بادشاہ تھا جو اپنے عدل و انصاف اور صبر و تحمل کی وجہ سے مشہور تھا۔

ہجرت حبشہ (۶۱۵ء)

آنحضور ﷺ کے مشورہ پر سب سے پہلے ۱۶ مسلمان حبشہ جانے کے لئے تیار ہوئے ان میں عثمانؓ ابن عفان، اور ان کی اہلیہ رقیہؓ، جو آنحضور ﷺ کی صاحبزادی تھیں، شامل تھیں۔ وہ پیدل مکہ سے چھپ کر روانہ ہوئے بحیرۂ قلزم کے ساحل پر پہنچ کر انہوں نے چھوٹا بحری جہاز کرایہ پر لیا اور ساحل کے دوسری طرف پہنچے۔ یہاں سے وہ نجاشی کے دربار پہنچے جس نے انہیں خوش آمدید کہا اور مہربانی سے پیش آیا۔ ایک اور قافلہ جلد ان سے آملا تھا۔ یوں مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ حبشہ میں پناہ حاصل کر چکا تھا۔ ان کی تعداد ۸۳ مردوں اور ۱۸ خواتین پر مشتمل تھی۔ دشمن نے جب دیکھا کہ ان کا شکار ہاتھ سے نکل گیا ہے تو وہ بے حد طیش میں آئے انہیں مزید غصہ اس وقت آیا جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ خود ان کے اپنے خاندان کے لوگ حبشہ کو ہجرت کر کے جانے

والوں میں شامل تھے، مثلاً ام حبیبہ، ابو سفیان کی صاحبزادی، چنانچہ بت پرستوں نے اپنے دو ایلچی عمر ابن العاص اور عبداللہ ابن ابو ربیعہ قیمتی تحائف دے کر نجاشی کے پاس روانہ کئے۔ نجاشی کو پیغام یہ بھیجا گیا کہ ہمارے کچھ بھگوڑے فرار ہو کر آپ کے پاس پہنچ گئے ہیں یہ فساد برپا کرنے والے لوگ ہیں، ان سے تمہیں خدشہ ہے کہ تمہارے ملک میں بغاوت کر کے انقلاب نہ لے آئیں۔

نجاشی ان ایلچیوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اصل حقیقت کی تہ تک پہنچ چکا تھا۔ حبشہ ہجرت کر کے جانے والوں نے اپنی دیانت اور نیک دلی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے دلوں میں اپنے لیے عزت اور ہمدردی پیدا کرلی تھی چنانچہ نجاشی نے ان ایلچیوں کی بات پر کان دھرنے سے انکار کر دیا تھا۔ قیمتی تحائف بھی ان کا مقصد پورا نہ کر سکے۔ اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ عیسائی بادشاہ کے مذہبی جذبات برانگیختہ کر کے اپنا مقصد پورا کیا جائے۔ اسے اسلام کے خطرے سے چوکنا کیا جائے اور یوں کامیابی حاصل کرلی جائے۔ انہوں نے نجاشی سے مخاطب ہو کر کہا: "ان لوگوں کی حقیقت جاننا چاہو تو سنو! کہ یہ نئے مذہب کے جھوٹے دعویدار کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ یہ تمہارے ملک میں اس نیت سے آئے ہیں کہ تمہاری رعایا کو عیسیٰ کے مذہب سے دور کر دیں جس طرح انہوں نے قریش کو ان کے آباؤ اجداد کے مذہب سے بھٹکا دینے کی کوشش کی۔ آپ ہماری صداقت کا امتحان لینا چاہتے ہوں تو ان سے پوچھو کہ تمہارے خداوند یسوع مسیح کے بارے میں ان کی کیا رائے ہے"۔

نجاشی نے انکے مشورے پر عمل کیا۔ ہجرت کر کے آنے والوں میں سے جو سب سے زیادہ عالم فاضل تھا اس سے سوال کیا گیا تو حضرت جعفر ابن ابو طالب نے جو آنحضور ﷺ کے چچازاد بھائی تھے یہ جواب دیا: یہ وہ آیات ہیں جو رسول خدا ﷺ پر نازل ہوئیں:

"اس کے سوا نہیں کہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ جس کو مریم کی طرف ڈالا"۔ (۴: ۱۷۱)

یہ جواب سن کر نجاشی ناخوش بالکل نہیں ہوا۔ اس سے اگر تقدیس مسیح کا اعتراف نہیں ہوتا تھا تو کم از کم اس عزت و احترام کا اظہار ضرور ہوتا تھا جو مسلمانوں کے دلوں میں حضرت عیسیٰ کے لئے تھی۔ چنانچہ حبشہ کا بادشاہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمانوں کے عزائم سے بخوبی آگاہ ہو گیا تھا۔ اس نے مکہ کے بت پرستوں کے ایلچیوں کو واپس بھیج دیا، ان کے تحائف قبول نہیں کئے اور ان سے مسلمانوں کو واپس کرنے کے بارے میں کسی طرح کا کوئی وعدہ نہ کیا۔

عمر ابن خطاب کا قبول اسلام

کفار جری و بہادر عمر کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ وہی اور صرف وہی ملک کو محمد ﷺ سے نجات دلا سکتا ہے۔ عمر نے تلوار اٹھائی اور شعلہ بار آنکھیں لئے صفا کی طرف روانہ

ہوئے وہ سمجھتے تھے کہ وہاں انکا آنحضور ﷺ سے آمنا سامنا ہو جائے گا۔ راستے میں عمر کی ملاقات نعیم سے ہوئی جو اسلام قبول کر چکے تھے لیکن اس کا علم ان کے قبیلے کے لوگوں کو ابھی نہیں ہوا تھا۔ اس نو مسلم نے پوچھا: "اے عمر! کہاں کا ارادہ ہے؟" جواب ملا: "اس محمد ﷺ نامی شخص کی تلاش میں نکلا ہوں جس نے قریش کے لوگوں میں پھوٹ ڈال دی ہے۔ مجھے اپنے خداؤں کی قسم، میں اسے ضرور جان سے مار ڈالوں گا!" عمر کو اس مکروہ فعل سے باز رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے نعیم نے کہا: "اے عمر! تمہارا دل تمہیں ایک جنونی فعل کے ارتکاب کی طرف لئے جا رہا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم نے عبدالمناف کے رشتہ دار محمد ﷺ کو قتل کر دیا تو وہ تمہیں زندہ و سلامت چھوڑ دے گا؟ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ تم پہلے اپنے گھر کے چند افراد کے پاس جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں اور خود وہ کیا کر رہے ہیں؟"۔ "کون لوگ ہیں یہ جو میرے گھر کی چھت تلے زندہ ہیں؟"

"تمہاری اپنی بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی سعید ابن زیاد -- دونوں مسلمان ہو چکے ہیں" نعیم نے بتایا۔

ان الفاظ نے ایک لمحے کے لئے عمر کے قدم روک لئے تھے۔ پھر آپ کے غیض و غضب کی سمت بدلی اور وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنی بہن فاطمہ کے گھر کی جانب روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو خباب جو اسلام لا چکے تھے اور آنحضور ﷺ کے شیدائی تھے سورۃ طٰہٰ کی تلاوت فرما رہے تھے جو چرمی کاغذ کے ٹکڑے پر تحریر تھی۔ عمر نے دروازہ زور زور سے پیٹا تو خباب ڈر کر ساتھ والے کمرے میں چلے گئے۔ فاطمہ نے چرمی کاغذ کا ٹکڑا اپنے کپڑوں میں چھپا لیا۔

حضرت عمرؓ نے خباب کی زبانی تلاوت کی آواز سن لی تھی، وہ تحکمانہ، لہجے میں بولے: "یہ دھیمے لہجے میں کیا پڑھا جا رہا تھا جو ابھی میرے کانوں نے سنا؟ پھر آواز اس وقت بند ہو گئی جب میں نے دروازے پر دستک دی۔" "آپ کو غلط فہمی ہوئی، ایسی تو کوئی آواز نہیں تھی،" بہنوئی اور بہن نے بیک زبان ہو کر احتجاجاً جواب دیا۔

"نہیں نہیں، مجھے کوئی غلطی فہمی نہیں ہوئی اور میں یہ بھی غلط نہیں کہوں گا کہ تم لوگ محمد ﷺ کا دین قبول کر چکے ہو"۔ کوئی جواب سنے بغیر عمر اپنے بہنوئی پر جھپٹے اور انہیں زمین پر گرا کر ان کے سینے پر چڑھ بیٹھے اور داڑھی سے پکڑ لیا۔

بہن نے شوہر کو بچانے کی کوشش کی اور بھائی سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ سچ کہتے ہیں، ہم مسلمان ہو گئے ہیں!" حضرت عمر کے ہوش و حواس ٹھکانے نہ رہے، بہن کو زخمی کر دیا اور بہادر فاطمہ لہولہان ہو کر فرش پر گر گئیں۔

چہرہ خون آلود تھا مگر ہمت و جرأت سے کام لیتے ہوئے بہن اپنے بھائی سے بار بار کہتی جاتی تھیں: "ہاں ہاں ہم مسلمان ہیں، اے اللہ کے دشمن! ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئے ہیں! تم جو سلوک چاہو ہم سے روا رکھو، ہمیں اسکی پرواہ نہیں ہے۔"

حضرت عمر نے بہن کا خون دیکھا تو ایک کمزور عورت کی ناقابل تسخیر جرأت سے بے حد متاثر ہوئے اب انہیں ندامت ہوئی کہ ایسا کیوں کر بیٹھے۔ "وہ چرمی کاغذ کا ٹکڑا مجھے دو جسے دیکھ کر تلاوت کی جارہی تھی" عمر نے بڑی نرمی سے بہن کو کہا۔ "میں جو کچھ محمد ﷺ پر نازل ہوا ہے اس کے بارے میں اندازہ لگانا چاہتا ہوں"۔ "ہمیں ڈر ہے کہ آپ اسے ضائع نہ کر دیں"۔ "ڈرومت! اللہ کی قسم، میں پڑھ کر تمہیں واپس کردوں گا" عمر نے کہا۔

اس حقیقت کے باوجود کہ فاطمہ کی آرزو تھی کہ اس کا بھائی مسلمان ہو جائے اور وہ بھائی کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی کوشش کرنا چاہتی تھی مگر پھر بھی اعتراضات اٹھائے اور بھائی سے کہا:

"اے جان پدر! میں چرمی کاغذ کا یہ ٹکڑا تمہیں نہیں دے سکتی کہ تم ناپاک ہو، وہ کتاب جس پر اللہ کا کلام کندہ ہے اسے صرف پاک صاف ہاتھوں سے چھوا جاسکتا ہے۔" حضرت عمر بڑی اطاعت گزاری سے اٹھے اور وضو کیا۔ پھر فاطمہ نے چرمی کاغذ کا وہ ٹکڑا بھائی کے ہاتھ میں تھمادیا جس پر سورۃ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی اور جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

> "ہم نے قرآن تم پر اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ مگر اس کے لئے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے" (۲۰: ۲۔۳)

اس سورۃ کی پہلی آیات پڑھنے کے فوراً بعد عمر جو اچھے پڑھے لکھے تھے۔ تعریف و توصیف کئے بغیر نہ رہ سکے اور چلا کر کہا: "کس قدر خوبصورت الفاظ ہیں، کس قدر پر شکوہ ہے یہ زبان!"

حضرت خباب جہاں چھپے ہوئے تھے وہاں سے نکل آئے اور حضرت عمر سے یوں مخاطب ہوئے:

"اے عمر! کل ہی رسول اللہ ﷺ نے اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا "اے اللہ ابو جہل یا عمر ان دو میں سے کسی ایک کو اسلام کے دائرہ میں داخل فرما کر دین کو تقویت عطا فرما" اور مجھے بڑی توقعات وابستہ تھیں کہ آنحضور ﷺ کی آرزو ضرور پوری ہو گی اور آپ اسلام قبول فرمالیں گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا" مجھے فوراً محمد ﷺ کے پاس لے چلو تاکہ میں آپ ﷺ کے روبرو حاضر ہو کر کلمہ شہادت پڑھ سکوں آنحضور ﷺ کہاں ہیں؟" خبابؓ نے حضرت عمرؓ کو صفا کے علاقے میں واقع ارقم کے گھر بھیج دیا۔

ارقم کے گھر میں آنحضور ﷺ کے پروانے آپ ﷺ کے گرد جمع تھے اور اللہ کا کلام قرآن

ناطق کی زبان سے ان کے سینوں میں اتر رہا تھا، کہ کسی نے دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ ایک ساتھی نے اٹھ کر لکڑی کے دروازہ کے چھوٹے سے سوراخ کے ساتھ آنکھ لگا کر دیکھا تو سامنے وہ جنگجو کھڑا تھا جس کی بڑی دہشت تھی، میان میں تلوار لٹک رہی تھی۔ حضرت عمرؓ کو دیکھ کر وہ شخص سٹپٹا گیا تھا، واپس آیا اور آنحضور ﷺ کو اطلاع دی۔ نبی ﷺ نے اطمینان و سکون سے فرمایا: "اسے اندر لے آؤ، اگر تو وہ نیک ارادوں کے ساتھ آیا ہے تو ہم اس کا استقبال کریں گے اور اگر اس کے قدم اسے کسی بری نیت سے یہاں تک لے آئے ہیں تو ہم اسی کی تلوار سے اسے ختم کر دیں گے۔"

جب تمام حاضرین آنحضور ﷺ کا فیصلہ سن چکے تو عمرؓ اندر داخل ہوئے۔ محمد ﷺ جب بڑے کمرے میں عمر سے روبرو ملے تو آپ ﷺ نے عمر کا کالر پکڑ کر کھینچا اور انہیں کھینچ کر وہاں لے آئے جہاں مسلمان جمع تھے۔ حضور ﷺ نے پوچھا: "اے خطاب کے بیٹے تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے؟ کیا تم اب بھی فسق و فجور میں لتھڑی زندگی گزارنا چاہتے ہو اور ایسا اس وقت تک کرو گے جب تک اللہ کی گرفت میں نہ آجاؤ!" ۔ "اے اللہ کے نبی ﷺ" عمرؓ نے خلاف معمول عجز و انکساری سے جواب دیا: "میں تو اللہ، اس کے پیغمبر اور اللہ کی کتاب پر اپنے ایمان لے آنے کا اعلان کرنے آیا ہوں۔ سب تعریف اللہ کی ہے، وہ عظیم و برتر ہے، محمد ﷺ!" جب آنحضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو اس بات سے آگاہ کیا کہ عمر اچانک اسلام لے آئے ہیں تو ان سب نے اپنی اپنی راہ لی اور اس پروردگار کا شکر بجالائے جس کی مشیت سے ایسا ہوا تھا۔

حضرت عمرؓ چپ چاپ بیٹھ رہنے والے اور اپنے قبول اسلام کو پوشیدہ رکھنے والے انسان نہ تھے۔ وہ راستے میں ایک شخص جمیل ابن معمر سے ملے جس کا تعلق جماح قبیلے سے تھا، اور اس سے یوں ہمکلام ہوئے "اے جمیل تمہیں خبر ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں" ابھی یہ الفاظ حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ جمیل جو خبریں پھیلانے میں بڑی شہرت رکھتا تھا اپنی چادر کو جسم کے گرد مضبوطی سے لپیٹتا ہوا معبد کی جانب بھاگا۔ بت پرست اس وقت ٹولیوں کی شکل میں وہاں جمع تھے، اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا: "اے اہل قریش! میری بات دھیان سے سنو۔ میرے پاس تمہارے لئے ایک حیران کن خبر ہے۔ خطاب کا بیٹا لاجواب ہو گیا ہے، اس کے تمام دلائل، ساری منطق دم توڑ گئی ہے!" "تم جھوٹے ہو، تم جھوٹ بکتے ہو"۔ حضرت عمرؓ نے کہا جو اس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے۔ "بلکہ میں تو صراط مستقیم پر آ گیا ہوں، مجھے راہ نجات مل گئی ہے۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ﷺ ہیں!"۔

یہ الفاظ سنتے ہی اہل قریش طیش میں آ گئے اور مل کر حضرت عمرؓ پر حملہ کر دیا۔ وہ پہلے سے اس بات کی توقع رکھتے تھے۔ کافی دیر کے جھگڑے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے جھگڑا رک گیا تھا۔ معاہدہ

طے ہوا تو عمرؓ زمین پر بیٹھ گئے اور ان کے جانی دشمن گھراؤ کئے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے نہایت حقارت آمیز، لہجے میں فرمایا: "تم میرے ساتھ جو سلوک چاہو کرو لیکن اللہ کی قسم اگر اس وقت میرے ساتھ صرف تین سو مسلمان ہوتے تو ہم نے تمہیں اس معبد کو خالی کر دینے پر مجبور کر دیا ہوتا۔ اور پھر تم آئندہ اسے دوبارہ کبھی حاصل نہ کر سکتے!"۔

اس موقع پر ایک معزز شخص جس نے نہایت شاندار دھاریدار چغا پہن رکھا تھا قریب آیا اور اس سارے ہنگامے کا سبب دریافت کیا۔ جواب ملا: "عمرؓ دیوانہ ہو گیا ہے!" اس معمر شخص نے بت پرستوں سے پوچھا: "یہ کیوں کر ہوا؟ اگر تو اس شخص نے رضاکارانہ طور پر بغیر کسی دباؤ کے کوئی ایسا مذہب اختیار کر لیا ہے جو تمہارے مذہب سے مختلف ہے تو تم خود ہی بتاؤ، کیا اسے اس کا اختیار حاصل نہ تھا؟۔ تم اب اس سے کیا چاہتے ہو؟"

تم لوگ یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ کیا تمہارے خیال میں اس شخص کے عزیز و اقارب اس شخص کی خاطر مداخلت نہیں کریں گے؟ اس بزرگ کی ذہانت وانشمندی سے نہیں بلکہ انتقام کے ڈر سے وہ تمام حملہ آور جو حضرت عمرؓ کے گرد جمع تھے پیچھے ہٹے اور پھر منتشر ہو گئے۔ ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بھاری چغا حضرت عمرؓ کے کندھوں سے سرک گیا ہو۔ محمد ﷺ کے سوا کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ کھلے بندوں عبادت کرتا۔ عمرؓ نے بت پرستوں کے اشتعال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ رسول ﷺ اللہ کی پیروی میں وہ بھی دشمنوں کی نظروں کے سامنے عبادت کیا کریں گے۔ چنانچہ بلاناغہ یہ شجاع اور سخت جان جنگجو محمد ﷺ کی طرح بیت المقدس کی سمت (یروشلم کے قبلہ) رخ کر کے نماز ادا کرتا تھا۔ محمد ﷺ کی عمرؓ بھی کعبہ کے اس زاویے پر کھڑے ہوتے جہاں حجر اسود نصب تھا اور خانہ کعبہ کا یہ زاویہ یمن کی سمت تھا۔ یہاں کھڑے ہو کر حضرت عمرؓ نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ان کی اس دلیری کو دیکھتے ہوئے بہت سے مسلمان کی حوصلہ افزائی ہوئی جو آپ کے قریب آکر کھڑے ہو جاتے اور نماز ادا کیا کرتے تھے۔ کفار شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتے مگر کر کچھ نہیں سکتے تھے کہ عمرؓ موجود ہوتے جن کا لقب "الفاروق" تھا جس کے معنی ہیں "چیر دینے والا"" کاٹ کر پھینک دینے والا" یہ لقب انہیں اس لئے ملا تھا۔ کہ انہوں نے ایک عرب کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے جس نے رسول ﷺ اللہ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

بنو ہاشم اور قریش کا چرمی کاغذ (۶۱۶ء)

تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود قریش کے بت پرستوں نے اپنی جماعت کی نازک صورت حال کو بھانپ لیا تھا اور اس کا انہیں مجبوراً اعتراف کرنا پڑا۔ وہ اس صورت حال سے صرف ایک طریقے سے نکل سکتے تھے اگر وہ اس ناقابل مزاحمت تحریک کو ختم کر سکتے جس سے بلاناغہ کئی کئی افراد دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔ عربوں پر ان کی فضیلت قصہ پارینہ بننے والی تھی۔

انہوں نے ایک اجلاس طلب کیا اور باہمی مشورے سے فیصلہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب جنہیں مکہ سے عنقریب جلاوطن کیا جاتا تھا، دونوں سے مراسم منقطع کر لئے جائیں اور اس وقت تک یہی صورت قائم رہے جب تک وہ اپنے عزیز محمد ﷺ کو ان کے حوالے کر دینے پر رضامند نہ ہو جائیں۔ اس خدشے سے بچنے کے لئے کہ ان میں سے کوئی اس فیصلے سے پھر نہ جائے قریش سرداروں نے چرمی کاغذ کے ایک ٹکڑے پر معاہدہ کی شرائط کندہ کر کے اسے کعبہ کے اندر آویزاں کر دیا۔

ان لوگوں نے بڑی پر فریب چال چلی تھی۔ قریش کا خیال تھا کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب میں بہت سے بت پرست ایسے تھے جو محمد ﷺ سے اپنا رشتہ و تعلق جوڑنے سے انکار کر دیں گے کیونکہ وہ نہیں چاہیں گے کہ خواہ مخواہ پریشانی مول لیں۔ یوں نبی ﷺ کے خاندان کے اندر فساد کا بیج بو دیا جائے گا۔ مگر بت پرستوں کے برعکس محمد ﷺ کے چچا ابو طالب کی مثال سوائے ابولہب کے خاندان کے سب لوگوں کو یکجا کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی، جنہیں ابو طالب نے اجتماعی یگانگت واستحکام کی بنیاد پر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔

یہ حقیقت ہم پر اس بات کو واضح کر دیتی ہے کہ ابو طالب نے اسلام قبول کیوں نہیں کیا حالانکہ انہوں نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس کے پھلنے پھولنے اور فروغ پانے میں آنحضرت ﷺ کا بڑا ساتھ دیا تھا۔ وہ ابولہب کا یہ طعنہ نہیں بھولے تھے: "تمہارے پاس اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم اپنے بیٹے علیؓ کی بات مان لو، کیونکہ محمد ﷺ نے اسے اپنا دست راست بنالیا ہے۔ ابو طالب کی انا انہیں تضحیک سے ڈراتی تھی۔ انہوں نے کہا: "میں نے ایک روز بخوشی اسلام قبول کر لیا ہوتا اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ مکے کے لوگ اس روز میرا تمسخر اڑائینگے جب مجھے نماز ادا کرتے دیکھیں گے۔"

تاہم یہ وہ اسباب نہ تھے جو ابو طالب کے راستے کی رکاوٹ بنتے اگر انہیں یہ خوف دامنگیر نہ ہوتا کہ ان کے بھتیجے کو چاروں طرف سے خطرات نے گھیر رکھا تھا اور وہ اس کی حفاظت کر رہے

تھے۔ ان کا خیال تھا جس روز بچانے اپنے آباؤ اجداد کا مذہب چھوڑ دیا اس روز وہ اپنی تمام طاقت کھو بیٹھیں گے جس سے شاید وہ پوری طرح اپنے بھتیجے کی حفاظت نہ کر سکیں۔

مکہ بدر کر دینے کا اعلان ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے افراد، مسلمانوں یا بت پرستوں نے شہر کے مختلف حصوں میں واقع اپنے اپنے گھروں کو چھوڑ دیا اور قریب کی ایک گھاٹی میں ابو طالب کی ایک قلعہ نما پناہ گاہ میں جمع ہو گئے تھے۔

دو سال کے عرصے میں اس جلاوطنی نے تنگدستی پیدا کر دی تھی۔ سامان خورونوش تیزی سے ختم ہو رہا تھا اور یہ ممکن نہ تھا کہ اس میں اور سامان لا کر ڈالا جاتا۔ بازاروں میں نکلنا ان کے لئے منع تھا اور اگر ان میں سے کوئی مصیبت کا مارا کسی قافلے کے پیچھے پیچھے جانے میں کامیاب ہو جاتا اور خوراک میں شامل کچھ چیزیں خریدنا چاہتا تو بیوپاری ابو جہل کی نگرانی کی وجہ سے یا مخبری کے ڈر سے اس قدر زیادہ قیمتیں مانگتے تھے کہ خریدار خریدنے کا ارادہ ترک کر کے خالی ہاتھ بھوکے پیاسے، فاقے کے شکار خاندان کے پاس لوٹ آتا تھا۔ معاہدہ کی شرائط توڑنے والوں کو بعض اوقات ہمدرد اور رحمدل لوگ اشیائے خورنی مہیا کر دیتے تھے، ان میں ہاشم ابن عمر شامل تھے جو حیلے بہانے سے مدد کر دیتے تھے رات کے وقت وہ اشیائے خورونوش سے لدے ہوئے ایک اونٹ کو لے کر اس گھاٹی میں داخل ہونیوالے مقام پر پہنچتے اور اونٹ کو زور سے چابک مارتے تاکہ وہ بھاگتا ہوا وہاں پہنچ جاتا جہاں بھاگ کر گئے ہوئے بھوکے پیاسے لوگ پناہ گزیں تھے وہ لوگ اونٹ کو پکڑ کر کھانے پینے کی اشیاء اتار لیتے اور اونٹ کو واپس ہانک دیتے۔ مگر اللہ کا بھیجا ہوا اونٹ ہر روز وہاں نہیں پہنچ سکتا تھا! محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے خاندان کے لوگ وادی میں اگی ہوئی جھاڑیوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کر رہے تھے۔

شہر بدر کرنے کا حکمنامہ کیڑا کھا گیا

اس دوران محمد ﷺ کو ایک رویائے صادقہ کے ذریعے بتایا کہ اس ناپاک معاہدہ کے دستاویز کو تباہ کرنے کے لئے، جسے قریش نے لکھا تھا اللہ نے ایک ایسا کیڑا بھیجا ہے جو اس دستاویز کو کتر کتر کر کھا جائے گا صرف اللہ کے پاک نام کو وہ نہیں کھا سکے گا۔

ابو طالب کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ چونکہ اپنے بھتیجے کے خواب کو سچا خواب سمجھتے تھے اس لئے اس پر یقین کر کے آپ اپنے بھائیوں سمیت کفار کے پاس پہنچے۔ وہ لوگ خوشی سے پھولے نہ سمائے کہ ابو طالب اور ان کے بھائی خود چل کر ان کے پاس آئے ہیں۔ ابو طالب بھوکا رہ کر کمزور ہو گئے تھے۔ انہیں گمان گزرا کہ خوراک کا ذخیرہ ختم ہو جانے پر ابو طالب نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں

اور اب وہ یقیناً بھتیجے کو ان کے حوالے کرنے والا ہے۔ انہیں اس بات پر اس قدر یقین تھا کہ ابھی ابو طالب نے اپنی آمد کا مدعا بھی بیان نہیں کیا تھا کہ کفار بولے انہیں ابو طالب کی ساری تجاویز بلا تامل منظور ہیں۔ ابو طالب نے کہا: "آؤ اس چرمی کاغذ کے ٹکڑے کو تو دیکھ لیں۔ اگر محمد ﷺ نے سچ کہا ہے تو فیصلہ منسوخ۔ اگر ایسا ہوا تو تم لوگ قسم کھاؤ کہ تم وہ حکمنامہ منسوخ کر دو گے جس کے ذریعے تم نے ہم پر ظالمانہ دباؤ ڈال رکھا ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اگر محمد ﷺ نے جھوٹ بولا ہے تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔"

اس حکمنامے کو تین بار سر بمہر کیا گیا تھا۔ اسے چونکہ خانہ کعبہ میں رکھ دیا گیا تھا اس لئے نہ تو اسے کسی نے دیکھا تھا نہ چھوا تھا۔ اسی لئے اللہ کے دشمنوں نے سوچا کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ پیغمبر کا خواب مستند اور سچا ہو، چنانچہ اپنی جیت کے نشے سے سرشار یہ لوگ ابو طالب کے ہمراہ خانہ کعبہ پہنچے اور جا کر دیکھا کہ چرمی کاغذ کا ٹکڑا کس حالت میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی صداقت صحیح ثابت ہوئی۔ اس حکمنامہ کے ایک ایک لفظ کو جو ناپاک اور غیر عادلانہ تھا کترنے والے کیڑے نے تباہ کر دیا تھا۔ ایک لفظ بھی صحیح سلامت باقی نہیں بچا تھا سوائے ان الفاظ کے: "تیرے نام سے، اللہ"۔

اس تصدیق نے بت پرستوں پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ زبانیں گنگ ہو گئی تھیں اور منہ سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا۔ ابو جہل سب سے پہلے خانہ کعبہ سے کھسک گیا اور کوشش کی کہ قریش نے جو وعدہ کیا تھا اس سے منکر ہو جائیں اس صورت حال میں بہت سے افراد نے باری باری احتجاج کیا جنہیں ہاشم ابن عمر، زہیر ابن ابی امیہ، معطم ابن عدی وغیرہ بھی شامل تھے، جن کے مفادات اور باہمی گفتگو کو اس مکروہ فرمان سے نقصان پہنچا تھا۔ حالانکہ انہوں نے تو محض دباؤ میں آکر بادل نخواستہ اس پر دستخط کئے تھے۔ انہوں نے کہا: "ہم نے تو اپنی مرضی کے خلاف ناانصافی پر مبنی اس قانون کی حمایت کی تھی۔ اب جبکہ اس کا وجود ہی باقی نہیں رہا تو اس ناپاک معاہدہ کو فوری طور پر منسوخ کر دیا جائے۔"

ابو جہل اس حیرت انگیز حد تک پرجوش احتجاج کے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ معاہدہ منسوخ کر دیا گیا۔ بنو ہاشم اور بنو مطلب اپنے گھروں کو بلا روک ٹوک آ گئے تھے۔

حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات

اب جبکہ یوں لگتا تھا کہ اسلام بحفاظت بلندیوں پر پرواز کرے گا اچانک دو واقعات نے اس کے پر کاٹ دیئے تھے۔ پہلا واقعہ ابو طالب کی وفات کی شکل میں نمودار ہوا، جو اسلام کے انتھک محافظ تھے۔ وہ اسی ۸۰ برس کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

ہم یہ ذکر پہلے ہی کر چکے ہیں کہ اسلام کے لئے اپنی تمام ہمدریوں کے باوجود ابو طالب نے اسلام قبول کرنے کی خواہش کا اظہار کبھی نہیں کیا تھا۔ وفات سے کچھ دیر پہلے ابو طالب نے ان تمام لوگوں کو جو وہاں موجود تھے مشورہ دیا کہ ہر معاملے میں محمد ﷺ کی پیروی کریں، اس لئے کہ انہیں یقین تھا کہ محمد ﷺ انہیں نیکی و سچائی کی جانب لے جائیں گے۔ یہ سن کر آنحضور ﷺ نے بڑی کوشش کر کے ایک خطرہ مول لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے میرے چچا محترم! اپنے دانشمندانہ مشورہ سے آپ ان سب کی روحوں کو تسکین دے سکتے ہیں مگر کیا آپ اپنی ذات کی خاطر کچھ نہیں کریں گے؟ صرف یہ شہادت دے دیں کہ معبود کوئی نہیں سوائے اللہ کے۔'''' اے میرے بھائی کے فرزند! میں جانتا ہوں کہ تم سچ بولتے ہو مگر اس وقت اگر میں یہ شہادت دے بھی دوں تو لوگ کہیں گے میں نے ایسا موت کے خوف سے کیا۔ مجھے یہ خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور تمہارے مشورے پر عمل کرتا تاکہ میں تمہاری ان آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا سکتا جن میں، میں تری محبت کی شدت لکھی ہوئی پڑھ سکتا ہوں۔''

کچھ سیرت نگاروں کے خیال میں اس وقت مرنے والے کے لبوں پر ہلکی ہلکی سی جو جنبش تھی اسے وہاں موجود کچھ لوگ نے کان لگا کر سنا تو یہ آواز آرہی تھی: ''اے پیغمبر خدا، اے میرے بھائی کے بیٹے پریشان مت ہو کہ تیرے چچا نے وہ الفاظ ابھی ابھی کہہ دیئے ہیں جو تو اس کی زبانی سننا چاہتا تھا۔ اس بارے میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے اس لئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے سچ کیا ہے!''

اس صدمے کے بعد آنحضور ﷺ ابھی اس کے نہایت ضرور رساں نتائج سے باہر نکلے بھی نہ تھے کہ آپ ﷺ کو اس سے بڑے ایک نقصان اور صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔

حضرت خدیجہؓ، آپ ﷺ کی قابل تعریف شریک حیات جس نے اس وقت آپ ﷺ کا ساتھ دیا تھا جب آنحضور ﷺ غریب تھے اور آپ ﷺ پر اس وقت ایمان لے آئی تھیں جب لوگ رسول اللہ ﷺ کو فریبی اور دھوکے باز کہنے سے باز نہ آتے تھے۔ یہ وہ خدیجہؓ تھیں جن سے آنحضرت ﷺ نے اپنی ساری امیدیں وابستہ کیں۔ جب آنحضور ﷺ مایوسیوں میں گھرے ہوئے تھے اس شفیق و مہربانی ہستی نے آپ ﷺ کی دلجوئی کی تھی۔ خدیجہ اسلام لانے والی عورتوں میں سب سے آگے تھیں، انہیں ''ام المومنین'' کے نام سے پکارا جاتا تھا، وہ خدیجہؓ پینسٹھ برس کی عمر میں آنحضور ﷺ کو داغ مفارقت دے گئی تھیں (اللہ کی رحمتیں نازل ہوں خدیجہؓ پر)

حضرت خدیجہؓ کو آنحضور ﷺ اپنی زندگی میں بڑی فوقیت دیتے تھے اور جب تک وہ زندہ رہیں حضور ﷺ کو ان سے کبھی کوئی شکایت پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس شریک حیات کی موجودگی میں آپ ﷺ نے دوسری شادی کا کبھی سوچا بھی نہ تھا حالانکہ آپ ﷺ جوان تھے اور عرب کے رسم و

رواج کے مطابق انہیں ایسا کرنے کی اجازت تھی اور کئی گھرانوں سے پیشکش بھی تھی۔ وہ وفات پا گئیں تو بھی آنحضور ﷺ انہیں کبھی بھلا نہ سکے۔

بعد میں حضرت عائشہؓ جو محمد ﷺ کی چہیتی بیوی تھیں جب بلاناغہ آنحضور ﷺ کی زبانی اپنی بیوی کا ذکر سنتیں تو سینے میں ایک حسد سا محسوس کرنے لگتی تھیں۔ وہ کہا کرتی تھیں: "میں آنحضور ﷺ کی بیویوں میں سے کسی سے بھی اس قدر حسد محسوس نہ کرتی تھی جس قدر خدیجہؓ سے، حالانکہ میں کبھی اس سے ملی نہ تھی اور اس کی وفات میری شادی سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ ہمیشہ اس کا ذکر کیا کرتے اور جب کبھی آپ ﷺ بھیڑ ذبح کرتے ہمیشہ گوشت کا بڑا حصہ خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھجواتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں "میں نے ایک بار آپ ﷺ سے کہا، لگتا ہے پوری دنیا میں ایک ہی عورت تھی جس کا نام خدیجہؓ تھا۔" یہ سنتے ہی آنحضورؐ مرحومہ کی وہ خوبیاں گنوانے لگتے تھے جن کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا اور آپ ﷺ کہا کرتے تھے کہ خدیجہؓ کا جنت میں موتیوں کا محل ہو گا جہاں نہ کوئی شور و غل ہو گا نہ ہی گھریلو تفکرات اسے پریشان کریں گے۔" —

"ہالہ بنت خویلد، حضرت خدیجہؓ کی بہن کو رسول اللہ ﷺ سے ملوانے لے جایا گیا تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ اسی طرح بولتی ہیں جس طرح آپ ﷺ کی مرحومہ زوجہ بولتی تھیں۔ آنحضور ﷺ اس قدر متاثر ہوئے کہ میں حسد کی بنا پر اپنے جذبات قابو میں نہ رکھ سکی اور حضور ﷺ سے کہا: "آپ ﷺ ان بوڑھی قریش خواتین کی یاد کو اس قدر دل سے کیوں لگا لیتے ہیں، جن کے منہ میں دانتوں کی جگہ صرف سرخ مسوڑے نظر آتے ہیں اور چہروں پر جھریوں کا جال ان کی ضعیف العمری کی چغلی کھا رہا ہوتا ہے؟ کیا اللہ نے ان کی جگہ آپ ﷺ کو بہتر عورتیں نہیں دے دیں؟"

حضرت عائشہؓ کی ان باتوں کے باوجود، حسن و خوبصورتی اور ذہانت و عقلمندی کی موجودگی میں بھی نبی ﷺ نے ہمیشہ حضرت خدیجہؓ کو ترجیح دی۔ وہ اس دنیا میں اب تک پیدا ہونے والی چار تمام اوصاف سے آراستہ خواتین میں سے ایک خدیجہؓ کو سمجھتے تھے۔ دیگر تین میں فرعون کی بیوی آسیہ جس نے موسیٰؑ کو بچایا، مریمؑ والدہ محترمہ حضرت عیسیٰؑ اور فاطمۃ الزہراؓ آنحضور ﷺ کی صاحبزادی شامل تھیں جو حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔

سوئے طائف روانگی

اس دوہرے صدمے سے نڈھال ہو کر ان دنوں جب کفار کے عزائم بھی کھل کر سامنے آ

گئے تھے اور آنحضور ﷺ کے محافظ و نگراں ابو طالب بھی اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اب تبلیغ کا کام مکہ سے باہر کیا جائے۔ اگر وہ ہمسایہ عرب ملکوں سے کچھ لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو مکہ میں پہلے سے موجود مسلمانوں کے لئے یہ کمک کا کام دیں گے اور ایسا کوئی غیر یقینی یا ناممکن بھی نہ تھا کہ مسلمانوں کا گروہ اس قابل ہو جائے کہ دشمن بھی اس کا احترام کرنے لگے اس سمت پہلی کوشش آپ ﷺ نے طائف میں کی، جو مکہ کے مشرق میں ۷۲ میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ یہ شہر انگور، انجیر، انار اور چمن در چمن کھلے گلابوں کے لئے مشہور تھا۔ رسول ﷺ اور زید بن حارث شہر کے ایک بازار میں پہنچے تو وہاں کئی مشہور ثقفی جمع تھے۔ آپ ﷺ ان کے قریب بیٹھ گئے اور اپنے سفر کی وجہ بتائی، اپنے عظیم مشن کا ذکر فرمایا اور اپنے لوگوں کی عداوت کے بارے میں انہیں آگاہ کیا۔

ان میں سے بہت سے لوگ آپ ﷺ کے الفاظ کے سحر میں گرفتار ہونے ہی والے تھے کہ تین بھائی جو بنو ثقیف میں سر کردہ اور با اثر سمجھے جاتے تھے فوراً مخل ہوئے۔ ایک بھائی نے کہا: "اس شخص نے یقیناً غلاف کعبہ چوری کیا ہے یا پھاڑا ہے، وہاں سے بھاگ کر یہ یہاں آگیا ہے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی کہانی سنانے بیٹھ گیا ہے!" "کیا اللہ کو تمہارے علاوہ اس منصب کے لئے کوئی اور نہیں ملا" دوسرے بھائی نے تضحیک بھرے لہجے میں کہا۔ تیسرا بولا: "اللہ کی قسم میں تیرے ساتھ کوئی سلوک نہیں کر سکتا! اگر تم واقعی اللہ کے پیغمبر ہو جیسا کہ تمہاری دعویٰ ہے تو تم مجھ سے اس قدر ممتاز اور اعلیٰ مقام پر ہو کہ میں تم سے بحث نہیں کر سکتا اور اگر تم محض کوئی جھوٹے دعویدار ہو تو تمہاری باتوں کا جواب دے کر میں اپنے آپ کو چھوٹا اور حقیر بنانا نہیں چاہتا۔"

اس گفتگو سے آنحضور ﷺ کی باتوں کا سحر ٹوٹا تو وہ مجمع جواب تک خاموش تھا اس میں شامل لوگوں نے دشنام طرازی سے اپنی مخالفت کا مظاہرہ شروع کر دیا تھا آنحضور ﷺ نے محسوس کیا کہ وقتی طور پر اس شہر میں کامیابی کی کوئی امید نہیں اور آپ وہاں سے روانگی کے لئے اٹھے۔

اس خیال سے کہ آنحضور ﷺ کو دوبارہ یہاں کوئی کامیابی حاصل نہ ہو مخالفین نے شہر کے اوباش اور لفنگے افراد کو آپ ﷺ کے تعاقب میں بھیج دیا تھا۔ ان میں غلام اور بدمعاش شامل تھے، رسول اللہ ﷺ جس راستے پر جاتے یہ لوگ دو رویہ قطاریں بنا کر سڑک کے کنارے کھڑے ہو جاتے اور آوازے کستے۔ ان بدبختوں نے آنحضور ﷺ کی ٹانگوں پر پتھر مارے اور ایسا کرتے وقت خوشی محسوس کی۔ جب آپ ﷺ کو ستانے کی حد کر دی گئی تو آپ ﷺ ایک سڑک کے وسط میں بیٹھ گئے اور اپنے زخمی پاؤں کو جس میں سے خون بہہ رہا تھا، ڈھانپنے کی کوشش کی۔ ایذا پہنچانے والوں نے آپ ﷺ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھا لیا اور سفاکانہ حرکتیں جاری رکھیں۔ زید بن حارث

سامنے آجاتے اور آنحضور ﷺ کو بچانے کی ناکام کوشش کرتے۔وفادار اور جاں نثار زید کے منہ پر پتھر لگے اور چہرہ لہولہان ہو گیا۔ لڑکھڑاتے، گرتے پڑتے اور ستانے والوں کے نفرتوں سے بھرپور چہروں کے درمیان سے گزرتے محمد ﷺ اور آپ ﷺ کا ساتھی ایک باغ کی دیوار تک پہنچ گئے۔ اس دیوار کے پیچھے انہوں نے پناہ لی۔ وہ ایک ایسے درخت کے سایہ میں تکلیف کی شدت سے بچنے کے لئے بیٹھ گئے جو انگوروں کی بیلوں، پتوں اور انگوروں سے ڈھکا ہوا تھا۔

آنحضور ﷺ نے اپنے پروردگار کو یوں پکارا: "اے اللہ! میں ان لوگوں کے مقابلے میں اپنی طاقت اور جوش و خروش کی کمی کی فریاد تجھ سے کرتا ہوں۔ تو جو بڑا رحیم و کریم ہے، کمزوروں کا آقا ہے اور میرا آقا و مالک بھی تو ہے! میرا تو کوئی بھی نہیں تیرے سوا ہیں جس پر انحصار کر سکوں! اگر تم مجھ سے محض اس لئے ناراض نہیں کہ میں کمزور ہوں اور تیرے کلمے کے لئے محبت و توقیر کو یقینی نہیں بنا سکتا تو مجھے جو مشکلات درپیش ہیں میں ان کی بالکل پرواہ نہیں کرتا!"

بدمعاشوں کے اس ہجوم نے اپنے شکار کا تعاقب کرتے ہوئے باغ کی دیوار پھلانگنے کی جرأت نہ کی۔ اس باغ کے مالک کریم النفس لوگ تھے، انہوں نے جو منظر دیکھا تھا اس پر وہ بہت برہم تھے۔ انہوں نے اپنے مالی عدس کو حکم دیا کہ انگوروں کی ایک ٹوکری باغ میں موجود عارضی مہمانوں کو جا کر پیش کرے۔

جس وقت درخت کے سایہ میں تھوڑی دیر استراحت فرمانے کے بعد انکے جسم کے اعضاء کی سوجن کم ہوئی اور طائف کے شہد سے زیادہ میٹھے انگوروں کے جوس سے پیاس بجھی تو رسول اللہ ﷺ اور ان کا ساتھی دوبارہ مکہ کی طرف جانے والی سڑک پر چل دیئے۔ محمد ﷺ کو مکہ میں اپنے استقبال اور چند بااثر شہریوں کی مدد کی توقع تھی۔ کوہ حرا کی غار میں رکتے ہوئے آپ ﷺ نے زید کو بھیجا کہ وہ کوئی ایسا شخص تلاش کرے جو ان کی حفاظت کر سکے۔ اخناس اور سہیل کے ہاتھوں دو مرتبہ زک اٹھانے کے بعد زید اس مرتبہ معظم بن عدی کے پاس گئے جس نے ساری ذمہ داری خود لے لی۔ اپنے خدام کو اسلحہ سے لیس کیا اور انہیں خانہ کعبہ کے مختلف اطراف میں پہرے پر کھڑا کر دیا۔

اس مرتبہ زید کے ہمراہ خدام کے اس چھوٹے سے مسلح دستے کی نگرانی میں آنحضور ﷺ نے خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اور واپس اپنے گھر تشریف لے گئے۔

شب معراج کا سفر

"الاسریٰ" شب معراج کا سفر اور "المعراج" کے واقعہ نے جس میں آنحضور ﷺ عرش

پر تشریف لے گئے علمائے اسلام میں بیشمار بحث مباحثے پیدا کر دیئے ہیں۔ کچھ سمجھتے ہیں کہ یہ سفر جو ایک معجزاتی سفر تھا فی الواقع جسمانی طور پر طے ہوا جبکہ دوسرے جن کے پاس ان کے دعوے کے مطابق مستند روایات ہیں اسے روحانی سفر قرار دیتے ہیں ان میں آنحضور ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہؓ بنت ابو بکرؓ صدیق بھی شامل ہیں۔ ان روایات کے مطابق اسے اسی طرح کا رویائے صادقہ سمجھنا چاہیے جیسے سچے خواب آنخضرت ﷺ عالم نیند میں دیکھا کرتے تھے۔

واقعہ معراج اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ ۲۷ ربیع الاول کی ایک شب جبریلؑ کو جن کے سپرد اجرام فلکی کی سمتوں کے تعین کی ذمہ داری تھی، خالق کائنات نے حکم دیا کہ آج کی رات سورج کی روشنی میں سے مزید کچھ روشنی لے کر چاند کی چاندنی میں اضافہ کر دو تاکہ وہ شب روشنی سے منور ہو جائے پھر فرشتے کو عرش سے فرش پر وہاں پہنچنا تھا جہاں آنخضور ﷺ سو رہے تھے تاکہ آپ ﷺ کو ساتھ لے کر اللہ سے ملاقات کے لئے ساتھ آسمانوں میں سے گزرتا ہوا عرش بریں پر پہنچ سکے۔

آنخضور ﷺ فرماتے ہیں "میں گہری نیند کی حالت میں تھا جب جبریلؑ میرے پاس پہنچا اس کے پاس وہی براق تھا جس پر حضور ﷺ عموماً سواری کیا کرتے تھے۔ اس جانور جیسا جانور اس زمین پر کہیں نہ تھا۔ اس کا جسم ایک گدھے سے بڑا اور خچر سے کچھ چھوٹا تھا۔ اس کے جسم کی کھال برف سے زیادہ سفید تھی، چہرہ انسان کا تھا مگر وہ بے زبان تھا۔ کسی بڑے پرندے کے پروں کی مانند اس کے شہپر اسے خلا کی بلندیوں میں مائل بہ پرواز رکھتے تھے۔ اس کی گردن کے بالوں، دم، پروں اور سینے کے کچھ حصے پر قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے جو ان گنت ستاروں کی مانند جگمگ جگمگ کرتے تھے۔ میں اُس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور پلک جھپکنے کی دیر میں یہ براق مجھے "مسجد الحرام" سے مسجد الاقصیٰ" (یعنی خانہ کعبہ سے دور دراز یروشلم کے معبد تک) لے گیا۔ میں اپنی سواری سے اترا اور اس کی لگام اس کھونٹے سے باندھ دی جسے پیغمبران خدا استعمال کرتے تھے میں کیا دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص میرے سامنے کھڑا ہے جس کے ایک ہاتھ میں دودھ کا اور دوسرے میں شراب کا پیالہ ہے۔ میں نے دودھ کا پیالہ پی لیا اور شراب کا واپس کر دیا۔ جبریل نے جو میرے ساتھ تھا جو نہ مجھ سے آگے نکلنے کی کوشش کرتا تھا نہ مجھے خود آگے نکلنے دیتا تھا، میرے اس عمل کو پسند کیا اور کہا: "اگر آپ ﷺ نے شراب کو دودھ پر ترجیح دی ہوتی تو آپ ﷺ کی امت جھوٹ کو حق وصداقت پر ترجیح دیتی۔"

بیت المقدس میں جانے کے بعد آنخضور ﷺ "صخرہ" یعنی مقدس چٹان پر چڑھے (جس پر آج کل مسجد عمرؓ کا شاندار گنبد نظر آتا ہے) جو احترام میں جھک گئی اور ایسا اس لئے بھی ہوا تاکہ

آپ ﷺ کو براق پر دوبارہ سوار ہونے میں آسانی رہے۔ آنحضور ﷺ کے ساتھ جبریل اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے اور آسمانوں میں سے گزرتے جارہے تھے۔

معراج کی تمام تفصیلات کو یہاں قلمبند کرنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔ اہل قلم نے جن میں اہل فارس خاص طور پر شامل ہیں، اس ضمن میں اپنے تخیل کو کہیں کہیں بے لگام بھی چھوڑ دیا ہے جبکہ دوسروں نے جن میں ابن ہشام، ابن سعد اور ابوالفدا شامل ہیں نے نہایت سنجیدہ و سادہ بیان پر اکتفا کیا ہے۔ ہم صرف محمد ﷺ کی دوسرے پیغمبران خدا سے ملاقاتوں کا ذکر کریں گے، وہ پیغمبران خدا جو آپ ﷺ سے پہلے گزر چکے تھے: حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ پھر آنحضور ﷺ کی جنت الفردوس میں تشریف آوری کا ذکر ہوگا جو مومنین کا ٹھکانہ ہے۔ فردوس بریں کے باغات کی خوشبو بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کے قدم چومے گی پھر آپ ﷺ کو جہنم دکھائی جائے گی جو کفار کا ٹھکانہ ہے۔ جب آنحضور ﷺ کا گزر وہاں سے ہوا تو نار جہنم کے شعلے یخ بستہ ہو گئے۔

سات آسمانوں میں سے گزرنے کے بعد جلد ہی وہ مقام آن پہنچا تھا جہاں "لوح محفوظ" پر قلم لکھنے میں مصروف تھا اور قلم کے لکھنے کی آواز آرہی تھی۔ فرشتے خالق کائنات کی حمد وثناء میں مصروف تھے۔ آخرکار آنحضور ﷺ "سدرۃ المنتہیٰ" تک پہنچ گئے تھے۔ یہ حد انتہا تھی۔ یہاں پہنچ کر جبریل یہ کہہ کر جدا ہو گئے: "یہ حد ادراک ہے جہاں رک جانے پر میں مجبور ہوں کہ اس مقام سے آگے میرا گذر ممکن نہیں مگر اے شاہ مرسلان، اے محبوب خدا، آپ ﷺ اپنا سفر جاری رکھیں اور اپنے نور کے جلو میں نور مجسم خالق کائنات تک پہنچ جائیں، کہ رب دو جہاں آج کی رات اپنے محبوب کی آمد کا منتظر ہے۔"

اور پھر اللہ کا منتخب بندہ، اس کا محبوب وجہ تخلیق کائنات، رحمتہ اللعالمین، ان پردوں میں سے گزرتا گیا جن میں وہ نہاں تھا جو انسانی نظروں سے مستور ہے یہاں تک کہ وہ وحدت کے آخری پردے تک جا پہنچا۔ پھر اس نے اپنی نظروں سے اس ذات مطلق کو دیکھا جسے کوئی دوسری آنکھ دیکھنے کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ جس کا جلوہ نہ دیکھا جائے نہ انسانی ذہن اپنے تخیلات کی ساری اڑان کے باوجود اسے اپنے تخیل میں لا سکے محمد ﷺ کی جسمانی آنکھیں اس تجلی کو پوری طرح نہ دیکھ سکتی تھیں اس لئے اللہ نے اپنے رسول کے قلب کی آنکھ روشن فرمادی، جو اب ذات خداوندی کے لامتناہی جلووں کو دیکھ سکتی تھی۔

اللہ نے اپنے محبوب کو حکم دیا کہ اپنے پروردگار کے تخت کے اور قریب ہو جائے: "تو وہ کمان کے دو کناروں کے (فاصلے) برابر رہ گیا یا اس سے بھی کم"

(۹:۵۳)

پھر محمد ﷺ کے انتخاب پر انہیں امت کے لئے خوشخبری لے کر واپس جانے کو کہا۔ اللہ نے پچاس نمازیں مقرر کر دی تھیں جو ہر مومن کو ہر روز اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ادا کرنا تھیں تاکہ اس کی ان گنت نعمتوں کا شکر ادا کر سکے۔

اللہ کا محبوب واپس لوٹا تو موسیٰؑ دوبارہ ملے اور پوچھا، "اے اللہ کے رسول! تمہارے رب نے اپنے بندوں کے لئے کتنی نمازوں کا حکم دیا ہے۔" "دن رات میں پچاس" آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔ موسیٰؑ نے فرمایا: "دن رات کے دوران پچاس، اے ساری مخلوق میں اعلیٰ و افضل! واپس جایئے اور اللہ سے اِستدعا کیجئے کہ اس بوجھ کو ہلکا فرما دے، بنی نوع انسان کے لئے اتنا بوجھ اٹھانا ممکن نہیں ہو گا، ان سے جو کمزور بھی ہیں اور کاہل و سست بھی۔" محمد ﷺ کئی بار واپس گئے یہاں تک کہ نمازوں کی تعداد پچاس سے صرف پانچ رہ گئی۔ (نمازوں کی اس تعداد کی کمی کے حوالے سے دو طرح کے نقطہ نظر علماء کی طرف سے سامنے آئے: علامہ غلام احمد پرویز اور اسی مکتبہ فکر کے علماء نے کہا یہ کیا بات ہوئی کہ آنحضور ﷺ کو مشورہ دے رہے ہیں موسیٰؑ! اور یہ کہ اللہ نے جب پچاس نمازوں کا حکم دے دیا تھا تو آنحضور ﷺ بھلا کیسے واپس بار بار تشریف لے گئے اور نمازوں کی تعداد پچاس سے پانچ ہو گئی تب مطمئن ہوئے۔ دوسرے مکتبہ فکر کے علماء کے خیال میں یہ تو اپنے محبوب کو بار بار واپس بلا کر اپنی عنایات سے نوازنے کا بہانہ تھا ورنہ پروردگار اس حقیقت حال سے تو بخوبی آگاہ تھا۔ موسیٰؑ کا مشورہ تو محض ایک درمیانی کڑی تھی جس سے آنحضور ﷺ کے مقام و مرتبے میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ فکر ہر کس...... مترجم)

یہ تمثیل جس سے ہر روز پانچ نمازوں کی ادائیگی کا فیصلہ ہوا اس سے اس بات کا اشارہ بھی ملتا ہے کہ عبادت و ریاضت کی زیادتی بھی اسلامی روح کے منافی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کر دے اور انسان پیدا کیا گیا ہے کمزور"
(۴:۲۸)

کیا اللہ اپنے بندوں کی نمازوں کا محتاج ہے؟ ارشاد ہوا: "ہم تجھ سے نہیں مانگتے رزق بلکہ ہم تجھے رزق دیتے ہیں" (۲۰:۱۳۲)

اللہ نے اپنے بندوں کے لئے نماز فرض کی جو انسان کے لئے اس کے پروردگار کی بہت بڑی عنایت و مہربانی ہے۔ مومنین جب پانچ وقت کی نماز ادا کرتے ہیں تو اس سے انہیں اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔ اس اطمینان کی حالت میں خوشی و مسرت کی انتہا ہو یا پریشانی کی وہ صورت جو عام

انسانوں کو مایوسیوں کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں پہنچادیتی ہے دونوں حالتوں میں مومنین صبر و شکر کا مجسمہ بنے اپنے خالق و مالک کے شکر گزار نظر آتے ہیں۔ نماز کے لئے جب پانچ وقت یہ لوگ وضو کرتے ہیں تو جسم کی طہارت و پاکیزگی کے ساتھ ساتھ انہیں روح کی پاکیزگی کا خیال بھی آتا ہے۔

معراج کے واقعہ کے بعد آنحضور ﷺ نہایت خوش تھے کہ ایک روز آپ ﷺ کا جانی دشمن ابو جہل ملا اور طنزاً کہنے لگا: "اے محمد ﷺ آج کی صبح تم ہمیں اپنی حیرت انگیز داستانوں میں سے کوئی نئی داستان نہیں سناؤ گے؟" آنحضور ﷺ نے جواب دیا: "بیشک آج تمہیں سنانے کے لئے میرے پاس بہت کچھ ہے، گذشتہ شب اور آج کی صبح کے درمیانی وقفے میں، میں یروشلم گیا تھا اور واپس بھی آگیا۔" ابو جہل نے چلا چلا کر لوگوں کو جمع کیا اور کہا: "اے قریش! جلد کرو، آؤ اور محمد ﷺ کی زبانی شب معراج کے سفر کی حیرت انگیز کہانی سنو!"

بہت جلد کافی بڑا مجمع اکٹھا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے وہ سارا واقعہ تفصیل کے ساتھ بتایا جس کا ذکر ہم اوپر کر آئے ہیں سامعین میں زیادہ تعداد بت پرستوں کی تھی۔ انہوں نے اپنے سردار کی مثال کو سامنے رکھا اور بڑے روکھے پن سے مصنوعی قہقہے لگائے جن میں خوشی کم اور تضحیک زیادہ شامل تھی۔ کچھ نے تالیاں بجائیں تو کچھ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئے اور یہ تاثر دیا گویا اس ناقابل یقین واقعہ کو سنکر ان کا سر پھٹنے لگا ہے۔ جہاں تک مومنین کا تعلق تھا ان میں سے کچھ ایسے تھے جو یہ سوچنے لگے تھے کہ کیا اس واقعہ کی صداقت پر یقین کر لینا چاہیے۔ لوگوں کی کچھ تعداد وہ تھی جو عوام کا رویہ دیکھ کر کھلے بندوں اپنے یقین کا اظہار کرنے سے گریزاں تھے۔

اس تذبذب کی کیفیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ابو جہل حضرت ابو بکرؓ سے یوں مخاطب ہوا: "ممکن ہے تم اپنے نبی ﷺ کی آخری حیران کن مہم کے بارے میں کچھ بتا سکو جس کا دعویٰ ہے کہ وہ ایک ہی رات کے دوران مکہ کے بیت الحرام سے یروشلم کے دور دراز معبد تک ہو آیا ہے!"

ابو جہل اب جواب کے انتظار میں یہ توقع رکھتا تھا کہ حضرت ابو بکرؓ بھی حیرت کا اظہار کریں گے اور ان کے چہرے پر حزن و ملال پھیل جائے گا۔ اس تصور سے ابو جہل بے حد خوش تھا۔

مگر ابو جہل کی توقعات کے بالکل برعکس، ابو بکر صدیقؓ نے برجستہ جواب دیا: "محمد ﷺ جو کچھ کہتے ہیں سچائی و صداقت پر مبنی ہوتا ہے، اس پر میرا ایمان کامل ہے۔ اگر آنحضور ﷺ کہیں کہ وہ ایک گھنٹے میں ساتویں آسمان تک پہنچ گئے اور اسی وقت کے اندر اندر واپس تشریف لے آئے پھر بھی مجھے آپ ﷺ کے دعوے کی صداقت پر کوئی شک و شبہ نہ ہوگا۔"

اس بیان اور تصدیق سے مومنین کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی۔ ابو جہل تو لوگوں کے ذہنوں میں شک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا مگر ابو بکرؓ نے لوگوں کے یقین کو پختہ تر کر دیا تھا۔

ابو جہل نے جو کسی نہ کسی طرح آنحضور ﷺ کی باتوں کو فریب ثابت کر کے آپ ﷺ کو لاجواب کرنا چاہتا تھا آنحضور ﷺ سے پوچھا کہ وہ یروشلم کے معبد کے بارے میں کچھ تفصیلات بتائیں، وہ کیسا تھا، اس کی عمارت کیسی تھی وغیرہ۔ مگر ابو جہل کے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی جب اس نے دیکھا کہ اس کے خیال میں تو محمد ﷺ وہاں گئے ہی نہیں اور محض کوئی خواب دیکھا ہے، مگر آپ ﷺ نے یروشلم شہر کے بارے میں اور معبد کے بارے میں جزئیات سمیت تمام اہم مقامات کی تفصیل تک بیان کر دی۔ جو لوگ جمع تھے ان میں سے جو جو یروشلم جا چکے تھے سب نے باری باری آنحضور ﷺ کی بتائی ہوئی تفصیلات کی تصدیق کر دی تھی۔

مومنین کے عقیدے کو اس سے بڑی تقویت ملی۔ انہوں نے بلا تامل "پاکیزگی کے پانچ لباس" پہن لئے یعنی عرش سے آنحضور ﷺ ان کے لئے پانچ نمازوں کا جو تحفہ لائے تھے اسے انہوں نے دل و جان سے قبول کر لیا۔

یثرب کے چھ افراد کا قبول اسلام (۶۲۰ء)

سال کے آخر میں حضرت عثمانؓ ابن عفان اور آپ کی اہلیہ حضرت رقیہؓ حبشہ سے واپس لوٹے تو ان کے ساتھ چند مہاجرین بھی تھے، ان میں سے ایک کا نام سقران تھا جو یہاں پہنچتے ہی وفات پا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کی بیوہ سعودہ بنت زوما سے شادی کی تا کہ مہاجرین میں سے اسلام لانے والی پہلی خاتون کو قبول اسلام پر نوازا جا سکے۔ جس نے بڑی بہادری اور جرأت کے ساتھ ظلم و تشدد برداشت کر کے جلاوطنی کی مشکلات کو گلے سے لگایا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی اسلام اور رسول خدا ﷺ سے بے پناہ عقیدت کو دیکھتے ہوئے اور یہ جان کر کہ ابو بکرؓ ایک صادق اور راست گو انسان ہیں آنحضور ﷺ نے انہیں بھی مزید قریب لانے کے لئے اسی زمانے میں ان کی بیٹی عائشہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا حالانکہ وہ ابھی بمشکل دس برس کی ہوئی تھیں۔ مگر رخصتی کئی سال بعد اس وقت ہوئی جب ہجرت کے بعد آنحضور ﷺ مدینہ طیبہ میں تھے۔

حضرت ابو بکرؓ نے قبول اسلام کے بعد بڑی ثابت قدمی اور ہمت و حوصلے کا مظاہرہ کیا پانچ نمازوں کی ادائیگی کے عمل نے مومنین کو بڑی قربت بخشی تھی اور ان کی طاقت میں بھی از خود اضافہ ہوا تھا مگر شب معراج کے واقعہ نے اسلام کے فروغ میں کوئی اضافہ نہیں کیا تھا بلکہ اس کے برعکس معراج کے واقعہ کو سن کر دشمنوں نے تمسخر میں اضافہ کر دیا تھا اور مسلمانوں کو نئے نئے طریقوں سے پریشان کرنے اور اذیت دینے کی ابتدا ہو گئی تھی۔

مگر اس سے دوسرے لوگ تو بددل ہو سکتے تھے محمد ﷺ نہیں۔ ہمت و حوصلہ ہارنا تو خدا کے رسول ﷺ کو آتا ہی نہ تھا، انہیں یقین کامل تھا کہ اللہ اپنے رسول ﷺ کو تنہا نہیں چھوڑے گا، اس رسول ﷺ کو جس پر اس نے یہ آیات نازل فرمائیں:

"کہہ دیجئے میں پناہ میں آتا ہوں لوگوں کے رب کی، لوگوں کے بادشاہ کی، لوگوں کے معبود کی، وسوسہ ڈالنے والے، چھپ چھپ کر حملہ کرنے والے کے شر سے، جو وسوسہ ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں، جنوں میں سے اور انسانوں میں سے۔" (۱۱۴: ۱-۶)

اہل مکہ کو دعوت اسلام دینے کو فی الحال ملتوی فرماتے ہوئے آنحضور ﷺ نے شہر کے ان اجنبی عربوں پر توجہ دی، جو مناسک حج کی ادائیگی کے لئے خانہ کعبہ میں جمع ہوتے تھے اور طواف کعبہ میں مصروف نظر آتے تھے۔ اس دوران جو میلہ لگتا تھا آپ ﷺ انتھک کوشش کر کے اس میں مختلف گروہوں تک پہنچتے تھے۔ مگر آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ کا چچا ابولہب ہوتا وہ جونہی آنحضور ﷺ کو لوگوں کے درمیان دیکھتا، ان لوگوں سے پکار پکار کر کہتا: "خبردار! اس شخص کی باتوں میں نہ آنا یہ تو تمہارے دلوں سے لات و عزیٰ کا مذہب نکال دینا چاہتا ہے اور تمہیں اپنے فریب میں لاکر اپنے ان مجنونانہ عقائد اور نظریات کا پابند بنانا چاہتا ہے جن کے بارے میں اس کا کہنا ہے کہ ان کی تبلیغ اس کے مشن میں شامل ہے۔" ان الفاظ سے عربوں کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیئے گئے تھے اور وہ اس طرح کی باتیں کہتے ہوئے محمد ﷺ سے دور چلے جاتے: "آپ ﷺ کے شہر کے لوگ آپ کو ہماری نسبت بہتر جانتے ہیں، سو پہلے انہیں ہم خیال بناؤ! یا اگر اللہ آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے تو پھر آپ کی عظمت یا شان و شوکت نہ ہی آپ کی جماعت ہمیں نفع پہنچائے گی۔ اس لئے آپ کے ساتھ شامل ہو جانے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔"

لوگ اس طرح آپ ﷺ کے پیغام کو مسترد کرتے تو اس کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ ہوتا اور جونہی کوئی قابل ذکر شخص مکہ پہنچتا اور اس کی خبر آنحضور ﷺ کو ہو جاتی تو وہ آپ ﷺ فوراً اس کے پاس چلے جاتے۔

ایک روز عقبہ کی پہاڑی پر آپ ﷺ کو چھ افراد کا ایک گروہ نظر آیا جو نووارد نظر آتے تھے آنحضور ﷺ نے اپنی معمول کی نرمی کے ساتھ انہیں یوں مخاطب کیا: "آپ حضرات کا کیا تعارف ہے؟" "ہمارا تعلق قبیلہ خزرج سے ہے۔" "میرے خیال میں یثرب میں مقیم یہودیوں کے آپ لوگ آقا ہیں" -- "ہم یقیناً ان کے آقا ہیں" -- "آپ لوگ یہاں میرے قریب نہیں آجاتے تاکہ میں آپ حضرات سے کچھ باتیں کر سکوں؟" "بسر و چشم!" آنحضور ﷺ

نے قرآن حکیم کی آیات کی تلاوت کے ذریعے انہیں دائرہ اسلام میں لانا چاہا۔ آپ ﷺ کی شیریں کلامی اور الفاظ کے نئے پن سے مسحور ہو کر خزرج کے ان افراد نے آنحضور ﷺ کی باتیں بغور سنیں، پھر تھوڑی دیر کے لئے ان پر غور و فکر کیا۔

یہودی اس قبیلے کی سرزمین پر آباد تھے اور ان کی غلامی میں زندگی گزار رہے تھے مگر یہ لوگ آسمانی صحیفوں کا علم رکھتے تھے۔ پس جب کبھی ان یہودیوں اور انکے آقاؤں میں کسی بات پر اختلاف رائے پیدا ہو جاتا تو بنی اسرائیل کی اس اولاد کی عادت تھی کہ وہ یوں بڑبڑانے لگتی تھی:
"ہم ایک رسول کی آمد کے منتظر ہیں، جب وہ مبعوث ہوگا تو ہم سب اس کی پیروی کریں گے، ہم اس کی مدد کے شکر گزار ہو کر تم پر غلبہ حاصل کر لیں گے اور پھر ہماری باری ہوگی کہ ہم تمہارے آقا بن جائیں۔" جس وقت محمد ﷺ قبیلہ خزرج کے ان افراد سے مخاطب تھے انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اس نتیجے پر پہنچے: "یقیناً یہی وہ پیغمبر ہے جس کی بعثت سے یہودی خوفزدہ ہیں۔ ہم انہیں اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری اس شخص سے ملاقاتوں کے سلسلے میں کوئی پیش بندی کر لیں۔"

آنحضور ﷺ کی دعوت اسلام کے جواب میں بنو خزرج کے ان افراد نے کہا:
"خزرج قبیلے کی قبیلہ اوس کے ساتھ مسلسل جنگوں کی وجہ سے ہماری سرزمین ویران ہو کر رہ گئی ہے ہم ان کے پاس جا کر آپ ﷺ کے مشن کے بارے میں بتائیں گے۔ اگر آ ﷺ کے وسیلے سے اللہ ہم دو قبیلوں کو متحد کر دے تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ پورے عرب میں آپ سے زیادہ طاقتور انسان اور کوئی نہیں ہوگا!

عقبہ کے دو حلف (۶۲۱ء)

دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے ان افراد نے اپنا عہد نبھایا اور محمد ﷺ کی تعلیمات کو اپنے علاقے میں پھیلایا۔ اگلے سال یثرب سے بارہ مسلمان، جن میں دس کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا اور دو قبیلہ اوس سے تھے، مکہ آئے تاکہ اپنی خوش و مسرت میں یہاں کے مسلمانوں کو بھی شامل کر سکیں۔ یہ لوگ آنحضور ﷺ کو عقبہ پہاڑی پر ملے اور ان سے اپنی وفاداری کا حلف اٹھایا۔ ان کی مذہبی تعلیمات کی تکمیل کے لئے اور مزید لوگوں کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کے لئے محمد ﷺ نے مصعبؓ ابن عمر کو، جو علم و فضل کے لحاظ سے مسلمانوں میں ممتاز مقام کے حامل تھے، یثرب واپس جانے والے ان بارہ افراد کے ساتھ روانہ کیا۔

مکہ میں اشاعت دین میں جو مشکلات پیش آئی تھیں وہ اسلامی عقائد کی تبلیغ میں یثرب میں

در پیش نہ تھیں۔اس لئے کہ مکہ میں بتوں کی پرستش کرنے والوں کے نظریات پر ضرب پڑتی تھی۔ مصعبؓ کا کام خاص طور پر آسان ہو گیا تھا کیونکہ قرآن حکیم کی جن سورتوں کی وہ تلاوت کرتے تھے وہ ایک "مستقل معجزہ" کا کام کرتی تھیں اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اپنا اثر دکھاتی تھیں، لگتا تھا ملک بھر میں جہاں قحط پھیلا ہوا تھا بادو باراں کا ایک ایسا نفع بخش طوفان آیا ہے جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مردہ زمین میں جان ڈال دی ہے اور اسکے نتیجے میں زمین کی زرخیزی واپس لوٹ آئی تھی۔ اسلام نے شہر کے ہر حصے پر مفید شبنم فشانی کر دی تھی جس سے لوگوں کے آپس کے تنازعات ختم ہو گئے تھے اور ان کے دلوں میں نیکی، اچھائی اور اخوت و بھائی چارہ نے اپنی جگہ بنالی تھی۔

بہت جلد قبیلہ اوس اور خزرج دونوں میں ایک خاندان بھی ایسا نہ تھا جو بہت سے مومنین کو اپنے کنبے کے افراد نہ سمجھتا ہو۔ مصعبؓ بجا طور پر اپنے مشن کی کامیابی پر نازاں تھے۔ وہ مکہ واپس آئے تاکہ آنحضور ﷺ کو اپنی بے پناہ کامیابی کی خبر دے سکیں۔

جب حج کا زمانہ آیا تو ۷۵ مسلمان جن میں دو خواتین تھیں شہر کے ان لوگوں کے قافلے میں شامل ہو گئے جو ابھی تک بت پرست تھے۔ اسلام قبول کرنے والے افراد نے بڑے جوش و جذبے سے آنحضور ﷺ سے عقبہ پہاڑی پر تشریق کے دوسرے روز سے ایک دن پہلے کی شب ملنے کا اہتمام کیا تھا یہ لوگ اپنے شہر (یثرب) میں آنحضور ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو ایک محفوظ جگہ کی پیشکش کرنا چاہتے تھے۔

حجاج میں سے ایک شخص کعب ابن مالک بتاتے ہیں کہ: "ہم اپنے شہر کے بت پرستوں سے اپنی نقل و حرکت خفیہ رکھنا چاہتے تھے، ان کے درمیان ہم رات کے تیسرے حصے تک سوئے پھر ایک ایک کر کے چھپ کر وہاں سے نکل آئے یہاں تک کہ ہم عقبہ پہاڑی پر پہنچنے والے راستے پر چپ چاپ آہستہ آہستہ چلتے رہے اور اس درے کی جانب سے آرہے تھے جو عقبہ کے نشیب میں واقع ہے وہاں ہم سب جمع ہو گئے تاکہ آنحضور ﷺ کا انتظار کر سکیں۔ آپ ﷺ جلد وہاں تشریف لے آئے تھے اور اس وقت ان کے ساتھ آپ ﷺ کے چچا عباس بن عبد المطلب بھی تھے۔ انہوں نے ابھی اپنے آباؤ اجداد کا مذہب نہیں چھوڑا تھا مگر وہ اپنے بھتیجے سے بے حد محبت کرتے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ ان کے بھتیجے سے ہر بدقسمتی دور رہے۔ اس معاملہ میں وہ اپنے بھائی ابو طالب کے نقش قدم پر چل رہے تھے یثرب کے لوگوں کے منصوبے کی خبر سنی تو حضرت عباس نے اپنی نظروں سے دیکھنا چاہا کہ محمد ﷺ کو کس حد تک ان لوگوں کی تجاویز پر بھروسہ کرنا چاہیے، عباس ابن عبد المطلب نے سب سے پہلے ان لوگوں سے خطاب کیا اور ان سے یوں ہمکلام ہوئے: "اے خزرج اور اوس کے لوگو! جیسا کہ تم جانتے ہو میرے بھائی کے اس بیٹے کا ہمارے درمیان بہت بڑا مقام

ہے، بیشک ہم اس کے عقائد سے متفق نہیں ہیں مگر اس کے باوجود شہر کے مخالفین کے مقابلے میں ہم نے ہر قیمت پر اس کی حفاظت کی ہے۔ ہماری قوم میں اسے عزت واحترام اور حفاظت دونوں حاصل ہیں۔ اس وقت یہ آپ لوگوں کی طرف مائل ہے اور آپ سب کے درمیان قیام کے بارے میں فیصلہ کرنا چاہتا ہے۔ ذرا سوچ لو! اگر تم لوگ اپنے عہد پر قائم رہ سکو اور تمام خطرات میں اس کو تحفظ فراہم کر سکو تو بہتر ہو گا۔ لیکن کسی روز اگر تم یہ محسوس کرنے لگو کہ اب تم اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے اور یوں اسے اس کے دشمنوں کے ہاتھ میں دے دینے پر آمادہ ہو جاؤ تو بہتر یہ ہو گا کہ ابھی اس بات کا اعتراف کر لو کہ تم لوگ ثابت قدم نہ رہ سکو گے اور اپنی تجاویز سے انحراف کر لو گے اور اسے اس کے اپنے لوگوں میں یہیں رہنے دو، یثرب نہ لے کر جاؤ۔"

بلا کسی سوچ بچار کے ہم نے جواب دیا: "اے عباس ابن عبدالمطلب! آپ نے ہماری ساری بات سنی، ہماری تجاویز آپ کے علم میں آئیں۔ آپ ہم پر مکمل بھروسہ کر سکتے ہیں!" پھر ہم محمد ﷺ سے مخاطب ہوئے: "اے اللہ کے رسول ﷺ! فرمایئے آپ ﷺ ہم سے کیا چاہتے ہیں اپنے اللہ کے لئے اور اپنے لئے؟"

قرآن پاک کی چند سورتیں تلاوت فرمانے کے بعد اور اسلام کے بنیادی اصولوں کا خلاصہ بیان کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "قسم کھاؤ کہ تم لوگ مجھے اور میرے ساتھیوں کی حفاظت کے لئے لڑو گے بالکل اسی طرح جیسے تم لوگ بیویوں اور اپنے بچوں کو تحفظ دینے کے لئے لڑتے ہو۔" ہم سب نے یک زبان ہو کر حلف اٹھایا: "اللہ کی قسم! ہم لوگ جنگ کے دوران پیدا ہونے والے بچے ہیں اور ہمارے اجداد نے ہمیں ہر طرح کے ہتھیار بنانے کی تربیت دی ہے۔"

اس دوران ابوالہاشم مخل ہوئے "اے پیغمبر خدا! ہمارے اور یثرب کے یہودیوں کے درمیان ایک معاہدہ موجود ہے جسے آپ ﷺ کے مشن کی خاطر ہمیں توڑنا ہو گا۔ اور اپنی سرزمین پر ہماری کیا وقعت رہ جائے گی اگر تم فتح و نصرت ملنے کے بعد اس معاہدہ سے پھر جاتے ہو؟"

آنحضور ﷺ کے لبوں پر تبسم کی کلیاں چٹک گئیں، آپ ﷺ نے احتجاجاً فرمایا: "اس بارے میں اطمینان رکھو! تمہارا خون اب میرا خون بن چکا ہے اور تمہاری عزت و آبرو، میری آبرو۔ جو کوئی تم سے زیادتی کرے گا، وہ مجھ سے زیادتی کا مرتکب ہو گا۔ جن دشمنوں سے تمہاری جنگ ہو گی ان ہی سے میں لڑوں گا، تم جس کے حمائتی ہو گے میں بھی اس کی حمایت کروں گا، تم میرے ہو اور میں تمہارا ہوں! اپنے میں سے بارہ اشراف کو بطور اپنے سردار چن لو۔"

باہمی مشورے سے ہم نے خزرج سے نو اور اوس سے تین سردار چن لئے تھے۔ جب ہم ان

بارہ افراد کو آنحضور ﷺ کی خدمت میں لے کر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگ اپنی قوم میں اسی طرح میرے نمائندے اور مندوب کے طور پر ہو گے جس طرح اپنی قوم میں عیسیٰؑ ابن مریم کے حواری تھے۔

ان افراد نے عہد کیا لیکن وہ ابھی با قاعدہ حلف اٹھانے ہی والے تھے کہ ابن ابو عبیدہ نے کھڑے ہو کر کہا: "اے خزرج اور اوس کے لوگو! تم اس شخص کے ساتھ جو معاہدہ کرنے والے ہو کیا اس کے نتائج پر بھی تم لوگوں نے سنجیدگی سے غور کر لیا ہے؟ تم قسم کھا رہے ہو کہ اس کی خاطر تم سفید فام اور سیاہ فام انسانوں سے جنگ کرو گے۔ لیکن مستقبل میں جب تم نے یہ دیکھا کہ تمہاری جائیداد تباہ کی جارہی ہے اور تمہارے سر کردہ اشخاص کو قتل کیا جارہا ہے اور تمہیں مجبور کر دیا گیا کہ اس شخص کا ساتھ چھوڑ دو اور تم نے ایسا کر لیا تو دونوں جہانوں کی شرمندگی تمہارا مقدر ہو گا۔" "ہم اپنی جائیدادوں کے نقصان کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں اور اپنے سر کردہ ساتھیوں کی جانوں سے اسلام کی قربانی پیش کرنے سے بھی پس و پیش نہیں کریں گے، بشرطیکہ اس قسم کی قربانی سے اسلام کو فائدہ پہنچتا ہو، ہم نے بلا جھجھک جواب دیا۔ "لیکن کیا ہم پیغمبر خدا ﷺ سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ اس سب کے بدلے میں ہمیں کیا ملے گا؟" آنحضور ﷺ نے فرمایا: "جنت الفردوس!" قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

> "اور جن لوگوں نے اپنے رب کی خوشی حاصل کرنے کے لئے صبر کیا، اور انہوں نے نماز قائم کی، اور جو ہم نے دیا اس سے خرچ کیا پوشیدہ اور ظاہر، اور وہ نیکی سے برائی کو ٹال دیتے ہیں، وہی ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے۔ ہیشگی کے باغات (ہیں) ان میں وہ داخل ہوں گے اور وہ جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے نیک ہوئے اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہوں گے، (یہ کہتے ہوئے کہ) تم پر سلامتی ہو اس لئے کہ تم نے صبر کیا۔ پس خوب ہے آخرت کا گھر" (۱۳: ۲۲۔۲۴)
>
> "جب بھی انہیں اس سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا، وہ کہیں گے یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے کھانے کو دیا گیا حالانکہ انہیں اس سے ملتا جلتا دیا گیا۔" (۲: ۲۵)
>
> "اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں، جیسے موتی (کے دانے) سیپی میں چھپے ہوئے۔ (۵۶: ۲۲۔۲۳)
>
> "وہ اس میں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گناہ کی بات" (۵۲: ۲۵)

"اور ہم نے ان کے سینوں سے کینے کھینچ لئے، اور وہ کہیں گے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہماری اس کی طرف رہنمائی کی" (۷:۴۳)

"اور ایک اور (بات بھی) جسے تم بہت چاہتے ہو (یعنی) اللہ سے مدد اور قریبی فتح، اور مومنوں کو خوشخبری دیجئے اے ایمان والو تم ہو جاؤ اللہ کے مددگار۔"
(۶۱:۱۳۔۱۴)

جب جنت الفردوس میں اللہ انہیں اپنے کئے ہوئے وعدوں کے مطابق اس طرح کی نعمتوں سے نوازے گا جن کا وہ تصور بھی نہ کر سکتے تھے اور جنہیں انسانی ذہنوں کو سمجھانے کے لئے ایسی نشانیوں کی شکل میں بتایا گیا جو ان کے فہم میں آسکیں تو مومین کے دل یقین کی دولت سے لبریز ہو گئے اور انہوں نے آنحضور ﷺ سے کہا: "اے رسول اللہ! اپنا ہاتھ آگے کیجئے" "محمد ﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، اسے یوں کھلا رکھا تاکہ ہتھیلی سیدھی ہو اور اسد ابن ضرار آگے بڑھا اور اپنے سیدھے ہاتھ سے اسے چھوا، پھر ابوالہاشم اور برہ نے آگے بڑھ کر اس کی تقلید کی۔ یوں ایک ایک کر کے یثرب سے آئے ہوئے تمام حاجیوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ سب لوگ اس روز سے "انصارین" کہلائے۔

اب ہم واپس اپنے پڑاؤ والے مقام کی جانب لوٹنے کے لئے تیار ہو رہے تھے ہمارے دل خوشی و مسرت سے اچھل رہے تھے۔ رات کا سناٹا تھا اور عقبہ پہاڑی کی چوٹی کہ ایک آواز گونجی، اس قدر تیز آواز میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ کوئی کہہ رہا تھا:

"اے اہل قریش کے اجتماع میں شامل لوگو! اپنے بچاؤ کے لئے تیار ہو جاؤ خزرج اور اوس کے بیٹوں نے تم لوگوں پر حملہ آور ہونے کی قسم کھالی ہے اور اپنی تلواریں نکال چکے ہیں!"

ہم کانپ گئے تھے مگر آنحضور ﷺ نے ہمارا خوف دور کرنے کے لئے فرمایا: "یہ آواز عقبہ کے ابلیس کی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان چیخ رہا ہے۔ وہ تو اللہ کا دشمن ہے اور اس کی آواز ہمارے مخالفین میں سے کسی نے نہیں سنی۔" ہم اپنے خیموں میں واپس آگئے۔ ہمارے قافلے کے تمام لوگ گہری نیند میں تھے اور انہیں تو ذرہ برابر شک بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جب سوئے تھے ہم کہاں سے ہو آئے اور کیا کچھ ظہور پزیر ہو چکا تھا۔

تاہم دوسرے روز جاگنے پر قریش سرداروں کا ایک وفد آیا، ابلیس کی آواز نے تو انہیں باخبر نہیں کیا تھا مگر ان کے وہ جاسوس جو آنحضور ﷺ کے قدموں کے نشانات کے ذریعے مخبری کر چکے تھے، ان کی مدد سے یہ وہاں پہنچے اور کہا: "اے خزرج اور اوس کے لوگو! ہم نے سنا ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے ایک آدمی کو جس کا نام محمد ﷺ ابن عبداللہ ہے لالچ دے کر اس سے معاہدہ

کیا ہے کہ تم لوگ ہمارے ساتھ جنگ کرو گے۔"

ہمارے قافلے کے بت پرستوں نے جنہیں رات کے واقعہ کی کوئی خبر نہ تھی قسم کھائی کہ اہل قریش کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ ان کے ایک سردار ابو سلول نے کہا:

"یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا، میری قوم مجھ سے کچھ نہیں چھپاتی اگر ایسا ہوا ہوتا تو مجھے ضرور اس کی خبر ہو جاتی" قبیلہ قریش کے لوگ چلے گئے تھے اور کسی حد تک انہیں اطمینان ہو گیا تھا۔ راستے میں انہیں کچھ بدو ملے جنہوں نے عقبہ پہاڑی پر عجیب قسم کا اجتماع دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے شک و شبہات اہل قریش کے دلوں میں منتقل کر دیئے تھے۔ یہ لوگ تیزی کے ساتھ ہمارے خیموں کی طرف واپس آئے۔ مگر خیمے تو کب کے لپیٹے جا چکے تھے پرندے اڑ چکے تھے اور اب تک خطرے سے بہت دور نکل چکے تھے۔

آنحضور ﷺ کے خلاف سازش

اب آنحضور کو پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ یثرب میں وہ بحفاظت رہ سکیں گے چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے تمام ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ یثرب کی چار دیواری میں پناہ لے لیں۔

بت پرستوں کے خدشات دور نہیں ہو رہے تھے۔ اس لئے کہ ان کے دشمن ایک مخالف شہر کے باسیوں سے ملاقاتیں کر رہے تھے۔ بت پرستوں نے بڑی سختی کے ساتھ اس اتحاد میں مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کی مومنین ایک ایک کر کے یا چھوٹے چھوٹے گروہوں کی شکل میں یثرب پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تھے جہاں انہیں کوئی خطرہ نہ تھا۔ اس روز سے انہیں "مہاجرین" کے نام سے یاد کیا جانے لگا تھا۔

ان کی طرف سے تمام فکر سے آزاد ہو کر آنحضرت ﷺ، علیؓ اور ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ مکہ میں رک گئے تھے۔ انہوں نے جو خطرہ مول لیا تھا اس سے وہ پوری طرح آگاہ تھے حضرت ابو بکرؓ کے حلف کے باوجود محمد ﷺ ایک بہت بڑی کوشش کر گزرنا چاہتے تھے اور وہ یہ تھی کہ اپنا آبائی شہر مکہ چھوڑنے سے قبل طاقت کا استعمال کر لیا جائے۔ آپ ﷺ کو اب بھی توقع تھی کہ شہر کے مزید کچھ لوگوں کو بت پرستی سے بچایا جا سکتا ہے، خصوصاً اب جبکہ ان کے پاس ایک جائے پناہ بھی تھی جو ان لوگوں کو پیش کی جا سکتی تھی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ آنحضور ﷺ اللہ کی اجازت کے بغیر پیغمبرانہ ذمہ داری چھوڑنا نہیں چاہتے تھے۔

مومنین کی ہجرت سے قریش بت پرستوں کے اشتعال میں بھی اضافہ ہوا اور انہیں فکر مند بھی کر دیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کن ضرب لگانے کا فیصلہ کیا۔

بت پرستوں کے جد امجد قصی ابن کلاب نے "دارالندوہ" یا "مشاورت خانہ" تعمیر کیا تھا۔ ان لوگوں نے وہاں اجلاس بلایا۔ دارالندوہ میں بڑے اہم فیصلے کئے گئے۔ یہاں صرف قصی خاندان سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو آنے کی اجازت تھی اور شرط یہ تھی کہ وہ چالیس سال کی عمر کو پہنچ چکے ہوں۔ جس وقت قریش کے نمائندگان مختلف علاقوں سے دارالندوہ میں داخل ہو رہے تھے اس لمحے ایک دراز قامت، رعب اور دبدبے والا معمر شخص دالان میں نظر آیا۔ اس نے اونی لباس پہن رکھا تھا۔ اس سوال پر کہ وہ کون ہے اور وہاں کیوں آیا ہے اس نے جواب دیا:

"میں نجد کا شیخ ہو۔ تمہارے شریفانہ چال ڈھال سے متاثر ہو کر اور تمہاری خوشبو سے مرعوب ہو کر جو تمہارے استعمال میں عطر سے آ رہی ہے میرا دل چاہا کہ تم سے باتیں کی جائیں۔ اگر تم مجھے اپنے اجتماع میں شرکت کی اجازت دے دو تو ہو سکتا ہے میرا مشورہ بھی کچھ یوں ہی رائیگاں نہ جائے۔"

نجد کے لوگ اس قدر دور دراز علاقے میں رہتے تھے کہ ان پر یہ شک نہیں کیا جا سکتا تھا کہ انہوں نے محمد ﷺ سے سازباز کر لی ہے اس لئے دارالندوہ کے بزرگوں نے اس اجنبی کو اپنے اجلاس میں شرکت کی اجازت دے دی۔ چنانچہ نجد کا یہ بزرگ باقی حاضرین کے ہمراہ مشاورت کے لئے مخصوص بڑے کمرے میں داخل ہوا۔ میر مجلس نے فوراً ہی بحث آغاز کرتے ہوا کہا: "ہم سب محمد ﷺ کی سازشوں سے واقف ہیں۔ اور ہمیں اس خطرہ کا بھی علم ہے جو اس وقت ہمارے ملک کو درپیش ہے۔ ہمیں اپنے دفاع کے لئے تمام ممکنہ انتظامات کرنے ہوں گے۔ اس سلسلے میں ہم میں سے ہر شخص کو اپنی رائے کے اظہار کی اجازت ہے۔"

سب سے پہلے ابوالبختری نے تجویز پیش کی: "ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دشمن کو قید خانے میں ڈال دیں، اسے زنجیریں پہنا دیں اور زنداں کا دروازہ اس وقت تک مقفل رہے جب تک وہ اس کے اندر جان نہ دے دے۔" نجد کے شیخ نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا: "اس فیصلے کے نتائج بڑے خطرناک ہوں گے۔ تم لوگوں کے ظلم و تشدد کی خبر زندان کے دروازوں سے نکل کر محمد ﷺ کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گی اور تم جانتے ہو کہ وہ اسے آزاد کرانے کے لئے تم پر حملہ کر دیں گے۔ اور یثرب کے مسلمانوں کی مدد سے انہیں تم پر فتح و نصرت حاصل ہو گی۔ سو بہتر ہو گا کہ کسی اور کے پاس کوئی زیادہ موزوں مشورہ ہو تو دے۔"

اب ابن ربیعہ کھڑا ہوا اور کہا: "ہم کیوں نہ اسے اپنے درمیان سے نکال کر ملک بدر کر دیں؟ جب وہ ملک ہی چھوڑ جائے گا تو پھر ہمیں یہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس نے کہاں پناہ لی ہے اور اس کا کیا بنا ہے۔ ہمیں تو اس طرح اس سے نجات مل چکی ہو گی۔" "بیشک یہ بڑی اچھی تجویز

ہے "نجد کے شیخ کے کہا:

"تم لوگ شاید اپنے مخالف کی جادو بیانی سے واقف نہیں ہو، اس کی آواز کے سحر سے غالباً آگاہ نہیں اور اس کی باتوں میں دلائل اور منطق کس قدر ہوتی ہے تم یہ بھی شاید نہیں جانتے؟"

جونہی وہ قرب وجوار کے عرب قبائل کی سرزمین پر قدم رکھے گا اور اپنے بیان کا فسوں ان لوگوں میں پھونکے گا، انہیں اپنی پیروی میں لے لے گا اور پھر جلاوطنی ختم کر کے ان سب کے سردار کی حیثیت سے واپس وطن لوٹ آئے گا۔ پھر وہ تم لوگوں سے جیسا سلوک چاہے گا کرے گا! اس لئے مناسب ہوگا کہ اسے ختم کرنے کے لئے کوئی زیادہ قابل عمل اور بہتر منصوبہ بناؤ۔"

اب ابوجہل کی باری تھی۔ وہ اٹھا اور اجلاس کے لوگوں سے یوں مخاطب ہوا: "مجھے اپنے خداؤں کی قسم میرے پاس ایک تجویز ہے اور مجھے یقین ہے کہ آپ سب اس سے متفق ہوں گے۔" سامعین نے کہا: "بتایئے کیا تجویز ہے آپ کی؟" "تجویز یہ ہے کہ ہم اپنے قبیلے میں سے ہر علاقے سے ایک ایسے نوجوان کا انتخاب کریں گے جو کسی معزز خاندان سے ہوگا اور اس کا بہادر و جری ہونا ضروری ہوگا۔ ہم اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار والی تلوار دے دیں گے۔ یہ سارے نوجوان مل کر بیک وقت محمد ﷺ پر حملہ آور ہوں گے۔ یوں محمد ﷺ کے قتل کی ذمہ داری بجائے کسی ایک فرد کے کئی افراد پر عائد ہوگی جو مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ اور عبدالمناف، جو مقتول کے رشتہ دار ہیں ہمارے قبیلے کے ہر علاقے کے لوگوں کے خلاف اعلان جنگ نہیں کر سکیں گے۔ یوں انہیں مجبوراً قصاص قبول کرنا پڑے گا جو ہم بخوشی ادا کر دیں گے۔" "نجد کے شیخ نے جو دراصل ابلیس تھا اور انسانی شکل میں ان کے درمیان آیا ہوا تھا، اپنی رائے دیتے ہوئے کہا: "بات تو یہ بڑی دانشمندی کی ہے، تمہاری مشکل کا حل اس کے سوا کسی اور شے میں نہیں۔"

اس اجلاس میں متفقہ طور پر اس پر فریب تجویز کو منظور کر لیا گیا تھا۔ کفار نے اپنے آپ کو یہ کہہ کر خوش کر لیا تھا کہ انہیں ان کے دشمن سے تو پہلے ہی نجات مل چکی تھی لیکن انہوں نے اللہ پر بھروسہ کئے بغیر اس پر انحصار کر لیا تھا۔ اللہ نے جبریل کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کو باخبر کیا کہ آپ ﷺ کی جان خطرے میں ہے، دشمن سازش کر رہا ہے۔ ساتھ ہی آنحضور ﷺ کے لئے یہ احکامات الٰہی بھی پہنچے کہ اب وہ بھی اپنی باری پر ہجرت کر جائیں۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کی گئی:

"آج رات معمول کے مطابق اپنی چارپائی پر نہ سوئیں۔"

کفار نے آنحضرت ﷺ کے پاس بہت سی رقوم بطور امانت رکھوائی ہوئی تھیں۔ ہر شخص کی امانت واپس کئے بغیر آپ ہجرت نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس کام کے لئے آپ ﷺ نے جس قابل اعتماد شخص کا انتخاب کیا وہ حضرت علیؓ تھے۔ آپ ﷺ نے جو سنا تھا وہ ساری بات علیؓ کو بتائی اور پھر

آپ سے یوں مخاطب ہوئے: میرے بستر پر سو جاؤ اور وہی چارپائی استعمال کرو جو معمول کے مطابق میرے زیر استعمال رہتی ہے اور میری یہ سبز چادر حضر موت والی اوڑھ لو ڈرنا نہیں میرا دشمن تمہیں کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔"

رات کے پہلے حصے کے چار گھنٹے گزر گئے تو سازشیوں کو جن میں ابو جہل بھی شامل تھا آنحضرت ﷺ کے گھر کے قریب گھات میں بٹھا دیا گیا تھا۔ تاکہ محمد ﷺ کو فرار ہو جانے سے روک سکیں۔ یہ لوگ رات کی تاریکی میں اپنے جرم کا ارتکاب نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ اس صورت میں خدشہ تھا کہ لوگ اس فعل میں اہل قریش کی شمولیت سے انکار کر دیں گے۔ چنانچہ ان سازشیوں نے پو پھٹنے کا انتظار کیا تاکہ روشنی میں ہر شے نظر آ رہی ہو اور اس قتل میں ہر شخص کا برابر کا حصہ ہو۔ مگر وہ ذات کہ جسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ وہ اپنے اس رسول ﷺ کی نگہبانی کر رہی تھی جو دشمنوں میں گھرا ہوا تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا:

> بے شک ہم نے ان کی گردنوں میں ڈالے ہیں طوق، پھر وہ ٹھوڑی تک (اڑ گئے ہیں) تو انکے سر الل رہے۔ اور ہم نے کر دی ان کے آگے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار، پھر ہم نے انہیں ڈھانپ دیا۔ پس وہ دیکھتے نہیں۔"
> (۳۶: ۸-۹)

محمد ﷺ اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے گھر سے چپکے سے نکلے، زمین پر سے تھوڑی سی مٹی اٹھائی اور ایک دو مٹھیاں مٹی کی سازشیوں کے سر پر پھینک دیں۔ پھر وہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان بدمعاشوں کی آنکھیں جو پہلے ہی طویل انتظار کی وجہ سے بوجھل ہو رہی تھیں اور نیند کے غلبے نے انہیں آ دبوچا تھا اللہ کے حکم سے یوں اندھی ہو گئیں کہ وہ آنحضور ﷺ کو نہ دیکھ سکے۔

ایک شخص کا ادھر سے گزر ہوا تو اس نے ان لوگوں سے پوچھا: "تمہیں یہاں کس کا انتظار ہے؟" "محمد ﷺ کا"۔ "اسے تو اس کے پروردگار نے بچا لیا ہے اور وہ تمہاری آنکھوں میں دھول جھونک کر یہاں سے جا چکا ہے۔ وہ تمہاری نظروں کے سامنے یہاں سے گزرا اور تمہارے سروں میں مٹی ڈال کر وہ خوشی خوشی یہاں سے اپنی منزل کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔" اس راہگزر نے کہا۔

ہر حیرت زدہ شخص نے اپنا سر تھام لیا اور سر میں پڑی ہوئی مٹی کو انگلیوں سے ٹٹولا۔ وہ سب کے سب دم بخود ہو چکے تھے۔ دروازے کے چھوٹے سے سوراخ سے جھانک کر اندر دیکھا تو انہیں محمد ﷺ کے بستر پر آنحضور ﷺ کی سبز چادر اوڑھے کوئی شخص سویا ہوا نظر آیا ان بدبخت انسانوں کی سمجھ میں پوری بات پھر بھی نہ آئی وہ صبح تک سنتریوں کی طرح باہر دروازے پر کھڑے رہے کیونکہ ان کے خیال میں آنحضور ﷺ سو رہے تھے۔

طلوع آفتاب کے بعد اسی ہیجانی کیفیت میں انہوں نے دروازے پر زور زور سے دستک دی۔ تلواریں میانوں سے نکال کر اپنی دانست میں محمد ﷺ پر جھپٹے۔ اس دوران حضرت علیؓ اٹھ بیٹھے تھے اور ان کا چہرہ ان لوگوں کی طرف تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو پہچان لینے کے بعد چلا کر کہا: "یہ کیا؟ تم علیؓ ہو؟ تمہارا ساتھی کہاں ہے؟" "مجھے معلوم نہیں!"

انہیں اس بات پر بے حد تشویش آیا کہ ان کے ساتھ دھوکہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو پکڑ کر معبد میں قید کر دیا۔ لیکن جلد ہی انہیں اپنی بہت بڑی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابو طالب کے بیٹے کو قید کر کے اچھا نہیں کیا۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے حضرت علیؓ کو آزاد کر دیا تھا۔

اور ہم نے کر دی ان کے آگے دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار،
پھر ہم نے انہیں ڈھانپ دیا۔ پس وہ دیکھتے نہیں (۳۶ : ۹)

وَقَـٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَـٰتِلُونَكُمْ
اور تم اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔(۲: ۱۹۰)

باب۔ ۵

آنحضور ﷺ کی ہجرت مدینہ

جس وقت مسلمان یثرب کو ہجرت کر رہے تھے، حضرت ابو بکرؓ نے آنحضور ﷺ سے استدعا کی کہ انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ جانے کی اجازت دے دیں، مگر رسول اللہ نے جواب دیا: "جلد بازی کی چنداں ضرورت نہیں، ہو سکتا ہے اللہ سفر میں تمہیں ایسا ساتھ عنایت فرمادے جس کے ہمراہ سفر کرنے کو تم ترجیح دینا پسند کرو۔"

اس توقع کے ساتھ کہ یہ ہمسفر آنحضور ﷺ ہی ہو سکتے ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے دو تیز رفتار اونٹنیاں خرید لیں۔ ان کی خوراک کا وہ بہت خیال رکھتے تھے اور انہیں گھر کے دالان میں باندھتے تھے۔ یہ سفر کے لئے ہر وقت تیار رکھی جاتی تھیں۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ بلاناغہ ان کے والد محترم کو ملنے تشریف لاتے تھے صبح آجاتے یا شام اور خلاف معمول وقت پر بھی آجاتے تھے۔ ابو بکر صدیقؓ نے اندازہ لگالیا تھا کہ ان کے داماد کا ان کے گھر یوں باقاعدگی سے اور جلدی جلدی آنا بلا سبب نہ تھا بلکہ ضرور کوئی اہم معاملہ درپیش تھا۔ ایک روز رسول خدا ﷺ تشریف لائے تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ کو ایک بنچ پر تشریف رکھنے کو کہا۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: "اللہ نے مجھے اپنی قوم کے ہمراہ مکہ سے روانگی کی اجازت دے دی ہے۔ اب میری باری ہے کہ میں ہجرت کروں۔ ابو بکرؓ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کرتے ہوئے آنحضور ﷺ سے پوچھا: "اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا میرے ساتھ؟" "ہاں تمہارے ہمراہ یہ سفر طے ہوگا۔" "یہ سنتے ہی میرے ابا جان کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو امڈ آئے تھے، ایسے آنسو میں نے ان کی آنکھوں میں اس سے قبل کبھی نہ دیکھے تھے۔ اور انہوں نے آنحضور ﷺ کو اطلاع دے دی تھی۔ کہ سفر کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں ہیں۔"

دو اونٹنیاں جو اس سفر کے لئے پہلے سے تیار تھیں ابن فہیرہ بت پرست کے حوالہ کر دی گئی

تھیں۔ جو تھا تو بت پرست مگر حضرت ابو بکرؓ اس پر بہت بھروسہ کرتے تھے۔ وہی انہیں چرانے کے لئے لے جاتا تھا اور تین یوم بعد وہ ان اونٹنیوں کو جبل ثور کی غار کے منہ پر لے آیا تھا جو مکہ سے ڈیڑھ گھنٹے کی مسافت پر تھی۔ یہ راستہ سمندر تک جاتا تھا اسی شخص نے یثرب تک رہنمائی کرنی تھی۔

گھر کے چھوٹے سے عقبی دروازے سے نکل کر آنحضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ دونوں خفیہ طور پر ہجرت مدینہ پر روانہ ہوئے وہ دبے پاؤں چل کر غار ثور تک پہنچے۔ آنحضور ﷺ برہنہ پا تھے اس لئے آپ ﷺ کے پاؤں سے خون نکل آیا تھا، اس لئے کہ پہاڑی راستے کے نوکیلے کنکروں نے پاؤں زخمی کر دیئے تھے۔ بقیہ مسافت حضرت ابو بکرؓ نے آنحضور ﷺ کو کمر پر اٹھا کر طے کی تھی۔ وہ غار کے منہ پہ پہنچے تو پہلے ابو بکرؓ اندر داخل ہوئے تاکہ کونے کھدرے دیکھ لیں کہ کہیں کسی جنگلی درندے یا زہریلے کیڑے کا ٹھکانہ نہ ہو۔ غار کو کنکریوں سے صاف کیا اور کنکر پتھر جھولی میں ڈال کر باہر پھینکے۔ پھر اپنے لباس سے کپڑے کا ٹکڑا اپھاڑ کر غار کے روزن بند کئے کیونکہ ہو سکتا تھا کہ ان میں بچھوؤں اور زہریلے کیڑوں کا ٹھکانہ ہو۔ پھر آنحضور ﷺ غار کے اندر تشریف لائے، وہ اپنے یار غار حضرت ابو بکر صدیقؓ کی ران پر سر رکھ کر سو گئے۔

غار میں ریت کے نیچے زہریلا سانپ چھپا بیٹھا تھا، حضرت ابو بکرؓ کی متلاشی نظروں سے بچ کر وہ سانپ غار کے اندر موجود رہا۔ بے خیالی میں ابو بکرؓ کا پاؤں اس سانپ پر آ گیا تو اس نے آپ کی ایڑی میں ڈنگ مار کر آپ کو ڈس لیا تھا۔ اس خوف سے کہ آنحضور ﷺ جاگ نہ جائیں حضرت ابو بکر ﷺ نے کوشش کی کہ ذرہ برابر حرکت بھی نہ کریں کیونکہ محمد ﷺ ان کی ران پر سر رکھے محو استراحت تھے شدت درد کے باوجود منہ سے آواز تک نہ نکالی اور جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھے رہے۔

بہت جلد زہر جسم میں پھیلا تو ابو بکرؓ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ آنسوؤں کے چند قطرے آنحضور ﷺ کے رخساروں پر گرے تو آپ ﷺ کی آنکھ کھل گئی۔ آپ ﷺ نے پوچھا: "اے میرے مخلص اور وفادار دوست! تمہیں کیا ہوا؟ یہ آنسو کیسے؟" "مجھے سانپ نے ڈس لیا ہے۔"

حضرت ابو بکرؓ کی اس قربانی اور ایثار کو دیکھ کر آنحضور ﷺ کو بے حد خوشی ہوئی۔ آپ ﷺ نے سانپ کے ڈسنے والی جگہ پر اپنا لعب دہن رگڑا تو تمام درد اور سوجن جاتی رہی۔

محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کے یوں مکہ سے نکل جانے پر قریش پاگل ہو گئے، انہوں نے دو ڈھنڈورچی شہر کے دو اطراف میں روانہ کر دیئے اور اعلان یہ کرایا کہ جو کوئی آنحضور ﷺ اور ان کے یار غار کو گرفتار کر کے لائے گا اسے انعام میں ۱۰۰ اونٹنیاں دی جائیں گی۔ نہایت ہوشیار اور

تجربہ کار کھوجی تمام اطراف میں پھیل گئے تھے۔

ابو جہل وقت ضائع کئے بغیر حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچا۔ دروازہ پر بڑے غصے سے دستک دی حضرت عائشہؓ کی بہن اسماء بنت ابا بو بکرؓ باہر آئی تو ابو جہل نے پوچھا: "تمہارا باپ کہاں ہے؟" جواب ملا: "اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔" اس ظالم نے اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کے کانوں سے ایک بالی ٹوٹ کر گر گئی۔ پھر وہ کچھ نوجوانوں کے اس گروہ میں شامل ہوا جو غار ثور تک قدموں کے نشانات پر چلتا آن پہنچا تھا۔

اس غار میں ابھی بمشکل اللہ کے رسول ﷺ نے پناہ ہی لی تھی کہ اللہ نے ایک جنگلی بوٹی کو حکم دیا کہ قد آدم کی بلندی تک چلی جائے۔ اسے "ام الغلان" کہتے تھے۔ اس نے غار کے اندر جانے والا راستہ بند کر دیا تھا۔ پھر ایک مکڑی کو حکم ملا کہ وہ اس جنگلی بوٹی اور غار کے نوکدار کناروں کے درمیان اپنا جالا بنا ڈالے۔ پھر جنگلی کبوتروں کے جوڑے کو حکم ہوا کہ غار کے تنگ دہانے میں گھونسلہ بنا کر اس میں انڈے دے ڈالیں۔

اس لمحے تمام کھوجی شہر کے مختلف حصوں میں چلتے چلتے یہاں پہنچ چکے تھے۔ وہ انعام کے لالچ میں آ گئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر مکڑی کا جالا تنا ہوا ہے۔ اگر کوئی غار میں داخل ہوا ہوتا تو یہ جالا جو ہوا کے ہلکے سے جھونکے سے تار تار ہو جاتا ہے صحیح سلامت کیسے رہ سکتا تھا۔

ایک کافر امیہ ابن حلف نے اعلان کیا: "اس غار میں جانا فضول ہے وہ غار میں داخل ہونے ہی والے تھے کہ اس نے مکڑی کے جالے کی طرف اشارہ کیا اور کہا: "ہمیں جس شخص کی تلاش ہے یہ جالا اس کی پیدائش سے پہلے کا ہے، محمد ﷺ کیوں کر اس جالے کے نازک اور باریک دھاگے توڑے بغیر غار میں داخل ہو سکتے تھے؟ اور وہ دیکھو! کبوتروں کے انڈوں کو۔ اندر داخل ہوتے ہوئے انڈوں کو نہ توڑ دیا ہوتا اس نے؟"

سب نے ان نتائج کو صحیح سمجھا اور غار کے اندر داخل ہو کر تلاش جاری رکھنے کو عبث جان کر ارادہ ترک کر دیا۔ صرف ابو جہل کا خیال تھا کہ وہ لوگ صحیح راستے پر آئے تھے۔ اس نے کہا: "پھر بھی میرے خیال میں دشمن ابھی زیادہ دور نہیں پہنچا ہو گا۔ وہ ضرور اس وقت ہمیں دیکھ رہا ہو گا مگر اس کے جادو سے ہماری نظروں پر پردہ پڑ گیا ہو گا!" وہ لوگ چلے گئے اور کھوجیوں کے بتائے گئے آنحضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے قدموں کے نشانات کی موجودگی کے باوجود ان کی عقل پر پردہ ڈال دیا گیا تھا۔

باہر یہ سارا ڈرامائی منظر تھا اور غار کے اندر ابو بکرؓ اس خدشے سے کانپ گئے تھے کہ دشمن کہیں غار کے اندر داخل نہ ہو جائے، انہیں اپنی زندگی کی مطلق پرواہ نہ تھی، انہیں زندگی عزیز

تھی تو آنحضور ﷺ کی -- پروانہ جو شمع کا طواف جاری رکھنے کا آرزو مند تھا شمع کو جلتے رہنا دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ آنحضرت ﷺ سے یوں مخاطب ہوئے: "میری موت کا مطلب محض ایک انسان کی موت ہے مگر (اللہ نہ کرے) آپ ﷺ کو کچھ ہو گیا تو آپ ﷺ کے تمام پیروؤں کی زندگیوں کا سوال ہو گا!"

تین دن اور تین راتیں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ غار ثور میں چھپے رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے فرزند عبداللہ دن بھر کفار مکہ کے درمیان رہتے اور رات کو زیادہ سے زیادہ خبریں غار میں پہنچانے آجاتے تھے۔ ابن فہیرہ حضرت ابو بکرؓ کے ایک چرواہے تھے۔ وہ آپ کی بکریاں قریش کے ریوڑوں کے ساتھ چرایا کرتے تھے۔ رات کو وہ ان بکریوں کو غار کے دہانے پر لے آتے اور اس طرح دودھ اور گوشت غار میں پہنچا جاتے تھے۔ اگلے روز وہ اپنا ریوڑ اس طرح واپس لے کر جاتے کہ عبداللہ کے قدموں کے نشان باقی نہ رہ جائیں۔

تیسرے روز جب قریش کے لوگ کچھ کم سرگرم نظر آئے تو ابن ارقص طے شدہ پروگرام کے تحت حضرت ابو بکرؓ کی دو اونٹنیاں اور ایک اپنی لے کر غار ثور کی جانب روانہ ہوا۔ اسماء بھی بے خبر نہ تھی۔ وہ کھانے پینے کی چیزوں کے دو تھیلے بھر لائی۔ سب تیار ہو گئے تو سب سے اچھی اونٹنی آنحضور ﷺ کو پیش کی اور انہیں اس پر سوار ہونے کے لئے کہا۔ محمد ﷺ نے جواب دیا: "جو اونٹنی میری نہیں میں اس پر سواری نہیں کر سکتا۔" "مجھے اپنے ماں باپ کی قسم! یہ اونٹنی آپ ﷺ کی ہے۔ میں نے یہ آپ ﷺ کو دے دی ہے۔" "میں اسے تحفہ کے طور پر قبول نہیں کر سکتا۔ مجھے بتاؤ اسے کتنے میں خریدا تھا۔ میں اس کی قیمت خرید پر اسے خرید لوں گا۔" سودا ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ اس اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ ابو بکرؓ دوسری اونٹنی پر سوار ہوئے جو آپ ﷺ کی اونٹنی کے پیچھے پیچھے روانہ ہوئی۔ پھر اس کے بعد ابن فہیرہ تھے آپ کے وفادار خادم۔ ابن ارقص اپنے اونٹ پر تھے اور اس مختصر سی تعداد پر مشتمل قافلے کی رہنمائی کرتے ہوئے یثرب جانے والے راستے پر جا رہے تھے جو وقفے وقفے سے ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ ہو کر گزرتا تھا۔

سراقہ ابن مالک کا افسوسناک حادثہ

سراقہ ابن مالک کا بیان ہے کہ:

"میں اہل مکہ کے اس گروہ میں شامل تھا جو حالیہ واقعات اور محمد ﷺ کے سر کی قیمت مقرر کئے جانے کے موضوع پر باتیں کر رہے تھے کہ خانہ بدوش قبائل کے ایک شخص نے جو صحرائی علاقے کی طرف سے آرہا تھا ہمیں یہ کہانی سنائی: "جو راستہ سمندر کی طرف جاتا ہے اس پر میں نے ایک چھوٹا سے قافلہ دیکھا جس میں تین اونٹنیاں تھیں۔ میں ان کے سواروں کو پہچانتا تھا۔ وہ

محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تھے۔"

میں نے اسے آنکھ کے اشارے سے خاموش رہنے کے لئے کہا اور میں بلند آواز سے بڑی بے نیازی سے بولا: "تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ جن لوگوں کو تم نے دیکھا وہ تو میرے آدمی تھے، ان بدوؤں کو تو میں نے اپنے گمشدہ اونٹ تلاش کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

میں تھوڑی دیر شہر والوں کے ساتھ رہا، پھر گھر لوٹا اور اپنی لونڈی کو حکم دیا کہ میرے گھوڑے کو وادی کی کسی ویران جگہ لے جائے۔ میں نے اپنے ایک حبشی غلام کو بھی حکم سنایا، جو غیر معمولی طاقت اور ہمت و حوصلے کا مالک تھا کہ وہ بھی میرا ایک اونٹ اسی مقام پر پہنچا دے اور وہاں میرا انتظار کرے۔ میں گھر کے پچھلے دروازے سے نکلا۔ میں نے اپنے نیزے کو جھکا کر زمین کے قریب کر لیا تھا تاکہ دھوپ میں اسکی چمک نظر نہ آئے۔ میں یہ ساری احتیاطی تدابیر اس لئے اختیار کر رہا تھا کہ وہ لوگ جنہیں انعام کا لالچ تھا ان کی نظروں سے بچ سکوں ورنہ وہ میرے پیچھے آکر محمد ﷺ کو گرفتار کرنے میں کامیابی پر مجھ سے انعام میں سے اپنا حصہ طلب کریں گے۔

مقررہ مقام پر پہنچ کر میں اپنے اونٹ پر سوار ہوا، میرا غلام گھوڑے کی باگ تھامے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ میں محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کے اختیار کردہ راستے پر نشانات کی مدد سے چلتا جا رہا تھا جب مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ اب میں ان کے قریب پہنچ چکا ہوں تو میں اونٹ سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور اونٹ کو اپنے غلام کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ اسے میں نے حکم دیا کہ جلد از جلد مجھ سے آن ملے۔

میرا گھوڑا اس لئے تازہ دم تھا کہ چند روز سے اس پر کسی نے سواری نہیں کی تھی اور اس گھوڑے کی تیز رفتاری کی وجہ سے اس کی بڑی شہرت تھی۔ میں نے اس سرپٹ دوڑایا مگر کچھ ہی دور جا کر اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ گر پڑا۔ اس کے نتھنے ریت میں گھس گئے تھے وہ ہنہنا رہا تھا اور اس کا جسم کانپنے لگا تھا۔ میں گھوڑے کی پیٹھ پر سے دور جا گرا تھا۔ یہ بدشگونی دیکھ کر میں نے ترکش سے فال کے لئے مستعمل تیر نکالے تاکہ بذریعہ فال اپنی قسمت کا حال جان سکوں۔ مجھے اشارہ یہ ملا کہ میری بدنصیبی میرا انتظار کر رہی تھی۔ مگر انعام کی توقع نے میرے حرص میں اضافہ کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے منصوبے کے مطابق تعاقب جاری رکھا۔

جلد ہی مجھے وہ دونوں انسان دکھائی دیئے جنکی گرفتاری پر مجھے انعام ملنے کی توقع تھی۔ میں نے گھوڑے کو ایڑی لگائی اور پلک جھپکتے ہی اتنا قریب پہنچ چکا تھا کہ اب مجھے آواز تک سنائی دے رہی تھی۔ آنحضور ﷺ قرآن حکیم کی تلاوت فرما رہے تھے۔ میرے گھوڑے کی چاپ نے بھی انہیں پریشان نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے سر گھما کر دیکھنا بھی ضروری نہ سمجھا۔ اس کے برعکس ابو بکرؓ کی نگاہ چاروں طرف تھی۔ وہ کافی فکر مند نظر آتے تھے۔

ایک ہی کوشش کے ساتھ میں ان کے سر پر تھا جبکہ میرے گھوڑے کی ٹانگیں گھٹنوں تک زمین میں دھنس چکی تھیں۔ حالانکہ اس جگہ کی زمین بہت سخت اور چٹیل تھی۔ میں گھوڑے کے سر پر سے ہوتا ہوا زمین پر آرہا۔ میں ہانپتا کانپتا اور گھوڑے کو برا بھلا کہتا ہوا اس کوشش میں تھا کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ مگر میری کوشش بھی ثمر آور ہوتی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جوں جوں وہ زمین سے پاؤں باہر کھینچتا مزید زمین میں دھنستا جا رہا تھا۔ اب وہ پیٹ تک زمین میں دھنس چکا تھا۔ پھر ایک بگولے کی شکل میں دھواں نکلا اور میرا گھوڑا زمین کے اندر غائب ہو گیا تھا۔ مجھے ایک انجانے خوف نے دبوچ لیا تھا۔

میں نے ایک بار اور فال نکالنے والے تیروں کی مدد سے اپنی قسمت جاننے کی کوشش کی مجھے اپنی بدبختی کے بارے میں باخبر کیا جا رہا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ کوئی بڑی مصیبت میری قسمت میں لکھی جا چکی تھی اور مجھے اپنے عزائم کی کوئی بہت بڑی سزا ملنے والی تھی۔ میں نے چلا کر کہا: "اے محمد ﷺ مجھ پر رحم کھائیے! اس کے بدلے میں آپ ﷺ کو میں بڑی مفید خبر سناؤں گا۔ میں انہیں جو میرے پیچھے آرہے ہیں دھوکہ دوں گا جس کے نتیجے میں آپ ﷺ کو فائدہ پہنچے گا۔ خدا کے لئے اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ میرا گھوڑا زمین سے نکل آئے۔"

محمد ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ بلند کئے اور کہا: "اے اللہ اگر سراقہ واقعی مخلص ہے تو اس کا گھوڑا اسے مل جائے۔" دعائیہ کلمات محمد ﷺ کی زبان سے نکلنے کی دیر تھی کہ زمین نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی اور میرا گھوڑا باہر نکل آیا۔ میں گھوڑے پر سوار ہو کر قریب پہنچا اور اپنا اسلحہ اور سامان خورونوش بانٹ کر محمد ﷺ اور ابو بکرؓ کو دینے کی پیشکش کی۔ انہوں نے ایک مشرک سے یہ سب کچھ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر مجھے حکم دیا کہ میں انہیں ان کے حال پر چھوڑ کر چلا جاؤں۔

جو کچھ میں دیکھ چکا تھا اس سے اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ آخر میں فتح یقیناً محمد ﷺ کی ہے میں نے استدعا کی کہ اگر مجھے معاف کر دیا جائے۔ تو میں انہیں بحفاظت منزل مقصود تک پہنچانے میں مدد دوں گا۔ میں نے یہ بھی بتایا کہ اب میری ان سے کوئی عداوت باقی نہیں رہی تھی۔ آنحضور ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ابو بکرؓ نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر ایک تحریر لکھ دی جس سے طائف کی مہم میں مجھے اپنی جان بچانے میں مدد مل گئی تھی۔ میں واپس لوٹ آیا تھا۔ میں ایک بار پھر مکہ میں تھا۔ میں نے اپنے سیاہ فام غلام اور شہر والوں کو بتایا کہ مجھے تو کوئی بھی نظر نہیں آیا اور میں نے خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کیا اور سعی لاحاصل سے اپنے آپ کو تھکایا۔

رسول اللہ ﷺ کی قبا میں آمد (۲۸ جون ۶۲۲ء)

عرب ممالک میں خبریں ناقابل یقین حد تک تیزی سے پھیلتی ہیں۔ یثرب کے مسلمانوں کو

پہلے ہی یہ خبر مل چکی تھی کہ آنحضرت ﷺ مکہ سے چل پڑے ہیں اور وہ ان کے پاس آنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

یثرب کے ان لوگوں میں سے ایک نے بتایا کہ "فجر کی نماز کے بعد ہر صبح ہم حرا تک جاتے تھے جو سخت گرم میدان ہے، جس پر کالی کنکریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ میدان شہر کے جنوب مغرب میں پھیلا ہوا ہے۔ سورج کی جھلسا دینے والی گرمی سے اپنی آنکھوں کو بچانے کے لئے ہم ہاتھوں سے ان پر سایہ کر لیتے تھے اور پھر حد نظر تک اس امید پر دیکھنے کی کوشش کرتے تھے، کہ شاید کہیں دور سے رسول خدا ﷺ آتے نظر آ جائیں۔ پھر دوپہر تک ہم اسی انتظار میں پل پل گن کر گزارتے تھے اور گھروں کو نہیں لوٹتے تھے۔ سورج کی ترچھی کرنیں، گرمی کی شدت سے انگارہ بنی ہوئی کنکریاں ہمیں دوہری تکلیف دیتی تھیں اور ہم تھک کر چور ہو جاتے تھے۔

ان سخت وگرم دنوں میں سے ایک دن ہم ابھی واپس آئے ہی تھے کہ ایک یہودی نے جس کی نظر بہت تیز تھی، قلعہ کی برجی پر کھڑے ہو کر نظر دوڑائی تو اسے سفید لباس پہنے ہوئے اونٹوں پر سوار چند انسانوں پر مشتمل ایک قافلہ دکھائی دیا۔ سراب میں یوں لگتا تھا جیسے یہ لوگ گرتے پڑتے، ادھر اور ادھر سے ادھر ہچکولے کھاتے آ رہے ہیں۔

یہودی کے خیال میں اس قافلے میں محمد ﷺ بھی تھے اور ان کے ساتھی بھی یہ اندازہ لگاتے ہی وہ شہر کی جانب مڑا اور چلایا: "اے عرب والو! تمہیں جس خوش بختی کی گھڑی کا انتظار تھا وہ آخر آ پہنچی ہے!"

ہم اپنے قیلولہ سے بیدار ہو کر قافلے کی طرف دوڑے۔ یہ قافلہ کھجور کے تنہا درخت تلے پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اور نخلستان قبا سے چند قدم کے فاصلے پر آ گیا تھا۔ اس درخت کے سائے میں آنحضور ﷺ اور ابو بکرؓ آرام فرما رہے تھے۔ دونوں ہمعمر بھی نظر آتے تھے اور اہل یثرب کی اکثریت نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو چونکہ دیکھا نہیں تھا اس لئے ہم اس تذبذب کا شکار تھے کہ دونوں حضرات میں سے ہم کسے خراج عقیدت پیش کریں۔

کھجور کے درخت کے سایہ نے جو گھنا نہیں تھا ذرا سی دیر بعد اپنی سمت بدلی تو دونوں حضرات میں سے ایک کے چہرے پر دھوپ آ گئی تھی۔ ہم نے دیکھا کہ دوسرے ساتھی نے فوراً اٹھ کر اپنی چادر سے سوئے ہوئے شخص کے چہرہ کو دھوپ سے بچانے کے لئے سایہ کر دیا تھا۔ ہمارا سارا تذبذب ختم ہو گیا تھا۔"

بنو عامر ابن عوف جو قبا میں واقع اس چھوٹے سے گاؤں کے مالک تھے، پہنچ چکے تھے اور ان کی خوشی دیدنی تھی۔ وہ خوش تھے کہ اللہ نے جو نہایت محترم اور معزز مہمان بھیجا ہے اسے وہ اپنے

ہاں قیام کرتے دیکھیں گے۔ آنحضور ﷺ نے کلثوم ابن حزمی کے ہاں قیام فرمایا، خباب ابن سیف نے حضرت ابو بکرؓ کو اپنے ہاں ٹھہرایا۔ جبکہ باقی مہاجرین کے ٹھہرنے کا انتظام اشراف میں سے ایک شخص سعد ابن خزیمہ کے ہاں ہوا تھا۔

سن ہجری کا آغاز

اس سفر کا اختتام بروز پیر بوقت دوپہر ۱۲ ربیع الاول کو ہوا۔ ہجرت کا یہ سال جو "سن ہجری" کے نام سے مشہور ہوا مسلمانوں میں رواج پا گیا تھا۔ یہ بمطابق ۶۲۲ء سمجھا جاتا ہے۔

پہلی نظر میں تو اس طرح کا انتخاب حیرت و استعجاب کو جنم دیتا ہے مگر غور کیا جائے تو آنحضور ﷺ کے مشن کو جس قدر کامیابی اس سال ہوئی تھی کسی اور زمانے میں نہیں ہوئی۔ آپ ﷺ مکے میں ہوتے تو آخری کوشش میں کامیابی پر اسلام وہیں تک آپ ﷺ کے ساتھ محدود رہتا۔ تمام عرب کے لوگ یہ سمجھ کر کہ اسلام نے قریش کو کس قدر طاقت بخشی ہے اس کے ڈر سے اتحاد قائم کر لیتے تاکہ اس مقدس شہر سے باہر اسلام کی اشاعت نہ پہنچ سکے۔ جبکہ اپنے پیدائشی شہر میں اسلام کی جڑیں مضبوط کرنے کے بعد یہ آنحضرت ﷺ کے لئے آسان تھا کہ وہ واپس اس مقدس شہر آجاتے اور اب تک عرب بھر میں اسلام پھیل چکا ہوتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہماری مستقبل کی کامیابیاں کس قدر ناقابل ادراک ہوتی ہیں اور ہم جن ناکامیوں سے دوچار ہوتے ہیں اور جو ہمیں پریشان کر دیتی ہیں، ہمارے مستقبل کی کامیابیوں اور کامرانیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہیں۔ اگر رسول اللہ کو اپنے لوگوں نے ایذا نہ پہنچائی ہوتی اور انہیں ہجرت پر مجبور نہ کر دیا ہوتا تو انہیں اپنے عالی مشن میں کامیابی کیسے حاصل ہوتی۔ اور اسلام کی روشنی دنیا بھر میں کیسے پھیلتی۔

آنحضور ﷺ نے منگل، بدھ اور جمعرات کو قبا میں قیام فرمایا۔ تمام مہاجرین وہاں آکر آپ ﷺ کے ساتھ مل گئے تھے۔ آپ ﷺ کے دست راست اور قابل اعتماد رفیق حضرت علیؓ تمام امانتیں اصل مالکوں کو لوٹا کر قبا پہنچ گئے تھے۔ آپ کے پاؤں سفر کے دوران رات دن مسلسل چلتے رہنے کی وجہ سے جگہ جگہ سے پھٹ گئے تھے۔ محمد ﷺ نے انہیں محبت سے گلے لگایا اپنے مبارک ہاتھوں سے مرہم پٹی کی اور حضرت کلثوم کے گھر پر حضرت علیؓ کو اپنے پاس آرام کرنے کے لئے ٹھہرالیا تھا۔

آنحضور ﷺ نے مسجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اسلام میں عبادت کے لئے تعمیر کی جانے والی یہ پہلی مسجد تھی۔ اس کی تکمیل کا کام آپ ﷺ نے عمار ابن یاسر کے سپرد کر دیا تھا۔ اس مسجد کا نام "مسجد تقویٰ" رکھا گیا یعنی "خوف خدا" والی مسجد۔ درج ذیل آیت میں اس مسجد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے :

"بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ وہ پاک رہیں اور اللہ محبوب رکھتا ہے پاک رہنے والوں کو۔" (۹ : ۱۰۸)

بنو عامر کی طرف سے بار بار اس اصرار کے باوجود کہ آنحضور ﷺ ان کے گاؤں میں قیام فرمائیں، رسول اللہ ﷺ صبح ہوتے ہی جمعہ کے روز وہاں سے چل پڑے تھے آپ ﷺ اس اونٹنی پر سوار تھے جو آنحضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے خریدی تھی اور جواب "القصواء" کے نام سے پکاری جاتی تھی، یعنی "چھدے ہوئے کانوں اور نتھنوں والی" گھوڑ سواروں اور پیدل چلنے والوں کا ایک جم غفیر آنحضور ﷺ کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ آنحضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑنے کا اعزاز اسے حاصل ہو جائے۔ اس کے لئے ہر شخص کوشش کر رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جس وقت بنو سالم ابن عوف کے علاقے سے گزر رہے تھے تو نماز کا وقت ہو گیا تھا۔ آپ ﷺ رک گئے، اونٹنی سے اترے اور جمعہ کی پہلی نماز ادا کی۔ آپ ﷺ کی امامت میں مومنین کی کثیر تعداد نے صف بندی کر رکھی تھی۔ نماز جمعہ ادا ہو چکی تو آنحضرت ﷺ مومنین کی جانب متوجہ ہوئے تاکہ وعظ فرما سکیں۔ پھر دوبارہ آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے اور جوش و جذبہ لئے ہوئے ایک ہجوم آپ ﷺ کے ساتھ ساتھ تھا۔ یوں آپ ﷺ یثرب میں داخل ہوئے۔ خواتین اور لڑکیاں جو عموماً گھروں سے نہیں نکلتیں چھتوں پر چڑھ گئی تھیں، انہوں نے رنگ برنگے لباس پہنے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں منقسم تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے رنگین بال و پر لئے خوبصورت پرندے پنکھ پسارے بیٹھے ہیں۔ ان کی سریلی آوازیں جذباتیت سے لرز رہی تھیں، وہ سب مل کر گا رہی تھیں۔ یہ استقبال ہو رہا تھا رسول اللہ ﷺ کا! گیت کے بول اس طرح تھے:

"وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چاند طلوع ہوا۔ جب تک اللہ کا پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی رہے گا ہم پر اللہ کا شکر ادا کرنا فرض ہے۔ اے پیغمبر خدا! آپ ﷺ جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں، ہم شدت جذبات اور نہایت عاجزی سے آپ ﷺ سے عہد کرتے ہیں کہ اللہ کے جو احکامات آپ ہم تک لائے ہیں ہم تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ان پر عمل کریں گے!"

شہر کے جس جس حصے سے آنحضور ﷺ گزرے، جو بنو باعد بنو سعید، بنو حارث، بنو عدی وغیرہ کے تھے، سرکردہ لوگوں کے وفد نے آپ ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھام لی تھی وہ آنحضور ﷺ کو روک کر التجا کرتے: "اے پیغمبر خدا! ہمارے پاس رک جائیے! آپ ﷺ کو یہاں مال و دولت،

طاقت اور تحفظ ساری چیزیں ملیں گی"۔ مگر آنحضرت ﷺ جواب دیتے: "میری اونٹنی کو جانے دو کہ اسے عرش سے اللہ نے حکم دیا ہے" اور پھر مسکرا کر فرماتے "اللہ کی رحمتیں ہوں تم لوگوں پر"۔

جس جانور پر آنحضور ﷺ سوار تھے اس کی مہار آپ ﷺ نے اس کی گردن پر کھلی چھوڑ رکھی تھی اور اس اونٹنی کی لمبی گردن مومنین کے سروں کے اوپر سے آگے تک پھیلی ہوئی تھی۔ اونٹنی نے پہلے اپنا سر دائیں طرف موڑا، پھر بائیں جانب، جیسے کچھ تلاش کر رہی ہو اس کی سیاہ بڑی بڑی آنکھیں تھیں جن پر لمبی پلکیں سایہ کئے ہوئے تھیں۔ جس مقام پر اسے رکنا تھا وہ اللہ نے پہلے سے مخصوص کر دیا تھا۔ بار بار مڑنے اور چکر لگانے کے بعد اونٹنی ایک وسیع خالی میدان کے وسط میں آکر رک گئی اس نے گھٹنوں کو زمین پر ٹیک دیا تھا آنحضور ﷺ چونکہ ابھی تک سوار تھے، اونٹنی دوبارہ کھڑی ہو گئی اور رک رک کر چند قدم آگے بڑھی۔ آخر کار وہ پھر واپس اسی جگہ آئی جہاں پہلے رکی تھی اور دوبارہ گھٹنے زمین پر ٹیک دیئے۔ اپنی لمبی گردن کو زمین پر پھیلایا اور ہلکی آواز میں بلبلائی۔

اب محمد ﷺ اونٹنی سے اتر آئے اور فرمایا "یہ وہ مبارک جگہ ہے جہاں اللہ چاہتا ہے کہ میں زمین پر پاؤں رکھوں۔ یہ سب سے اچھی جگہ ہوگی جس میں مجھے قیام کرنا ہے"۔ یہ ملبہ بھری زمین تھی جس پر کھجوریں خشک ہونے کو رکھی تھیں۔ یہ بنو نجار کا علاقہ تھا اور یہاں سے حضرت ابوایوبؓ انصاری کا گھر زیادہ دور نہیں تھا۔ جنہوں نے آنحضور ﷺ کو میزبانی کی پیشکش کی اور زین وغیرہ گھر لے گئے۔ جس وقت رسول خدا تھوڑی دیر کے لئے مقامی لوگوں کے انتہائی عزت و احترام والے سلوک سے باہر نکلے اور ایک دوستانہ ماحول والے گھر کی چھت تلے پہنچے تو نوجوان اور غلام ایک ایک کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ وہ جاتے ہوئے بھی یہی گنگنا رہے تھے: "محمد ﷺ آگئے! اللہ کے نبی ﷺ ہمارے شہر آگئے ہیں!"

مسجد مدینہ کیسے تعمیر ہوئی

اس روز کے بعد، جو بڑا یادگار اور ناقابل فراموش دن تھا، یثرب کا نام "مدینۃ النبی" یعنی "شہر نبی ﷺ" پڑ گیا تھا۔ اور مختصراً اسے مدینہ کہا جانے لگا تھا۔

مدینہ میں محمد ﷺ کو سب سے پہلی فکر جو دامن گیر ہوئی وہ تعمیر مسجد کی تھی۔

جس جگہ آپ کی اونٹنی آکر رکی تھی آپ ﷺ نے اس کے مالکوں کی تلاش شروع کی تو پتہ چلا کہ یہ دو یتیم بچوں کی زمین ہے جن کے نام سہل اور سہیل تھے جن کے سرپرست کا نام معاذ ابن عفرہ تھا۔ آنحضور ﷺ نے ان دونوں بھائیوں سے اس جگہ کی قیمت پوچھی؟ "اللہ کی طرف سے اس کا اجر ہی اس کی وہ قیمت ہے جو ہم طلب کریں گے" انہوں نے جواب دیا محمد ﷺ نے تحفہ کے

طور پر یہ جگہ لینے سے انکار کر دیا۔ قیمت لگوائی گئی تو وہ دس دینار تھی جو ابو بکرؓ نے پیشگی ادا کر دی۔ وہ اپنا سارا روپیہ مکہ سے مدینہ منتقل کر چکے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی تعمیل میں بلا تاخیر تعمیر مسجد کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ملبہ اٹھالیا گیا جو گری ہوئی دیواروں کا تھا، ایک کھجور کا درخت کھڑا تھا اور چند قبریں تھیں جن کی دیکھ بھال کوئی نہیں کر رہا تھا۔ زمین ہموار کی گئی اور جونہی مسجد کی بنیادیں کھودی گئیں محمد ﷺ نے ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر ایک گڑھے میں رکھ کر اسے پر کر دیا تھا۔ آپ ﷺ کا سینہ ء مبارک گرد آلود ہو گیا تھا یہ دیکھ کر آنحضور ﷺ کے ساتھیوں نے انہیں روکنا چاہا کہ وہ ہاتھ سے اس طرح کی محنت کا کام نہ کریں مگر آپ ﷺ ابو بکرؓ سے یوں مخاطب ہوئے: "مزید کچھ مت کہو اور جو میں کرتا ہوں میرے پیچھے پیچھے ایسا ہی کرو۔ دوسرا پتھر اٹھا کر اس جگہ رکھو جہاں پہلا پتھر رکھ چکا ہوں پھر حضرت عمرؓ کو حکم ہوا کہ ابو بکرؓ کے رکھے ہوئے پتھر سے متصل ایک تیسرا پتھر رکھ دیں۔ پھر ہر مسلمان ایک ایک پتھر اٹھا کر لایا اور یوں مسجد کی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا ہوتا گیا۔

جب دیواریں ایک تہائی بلندی تک اونچی ہو گئیں تو مومنین نے مٹی کو گوندھ کر گارا بنانا شروع کر دیا تھا۔ اس سے کچی اینٹیں بنائی گئیں جن سے مسجد کی عمارت مکمل کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ اپنی چادر میں اینٹیں رکھ کر لاتے تھے۔ ایک کارکن کو پیٹھ پر دوگنا بوجھ لادے دیکھا تو آپ ﷺ نے اس کے بالوں اور گردن سے گارا صاف کیا اور فرمایا: "محنت کش کا انعام جنت میں اس کا منتظر ہو گا مگر تمہیں دوگنا انعام ملے گا!"

مومنین بڑے جوش و خروش سے مسجد کی تعمیر میں مشغول تھے اور زیادہ سے زیادہ کام کر کے تعمیر جلد از جلد مکمل کرنا چاہتے تھے۔ معمار کام بھی کرتے جاتے اور مل کر گیت بھی گاتے جاتے تھے ان کے گیتوں کے بول ان کی اونچی اونچی امیدوں کا مضمون لئے ہوئے تھے۔ دیواریں سات ہاتھ بلند ہو گئیں تو مومنین نے ان پر ایک چپٹی چھت ڈال دی، جس میں کھجور کے درخت کے تنے اور کھجور کے پتے استعمال کئے گئے تھے۔ ان سب کے اوپر مٹی کا گارا استعمال کیا گیا تاکہ چھت میں سے پانی برس برس کر مسجد کے اندر نہ جا سکے۔ چھت کا اندرونی حصہ کھجور کے تنوں سے تیار کردہ ستونوں سے کھڑا کیا گیا تھا۔ زمین پر بجری کنکر کا فرش بچھایا گیا۔ لمبائی میں مسجد کی عمارت ایک سو ہاتھ اور چوڑائی اس سے کچھ کم تھی۔ اندر داخل ہونے کے لئے تین دروازے رکھے گئے تھے۔ صدر دروازے کا نام "باب رحمت" یا "رحم و کرم کا دروازہ" تھا۔ وہ ممبر جس پر چڑھ کر رسول اللہ ﷺ وعظ فرماتے تھے وہ بھی کھجور کے تنے کا بنا ہوا تھا۔

صحرائی دیہات کی مساجد کی طرح یہ مسجد بھی تعمیر کی گئی تھی۔ اسلام کی اشاعت تیز ہونے پر

جو عالیشان مساجد تعمیر کرائی گئیں یہ مسجد ان سے بہت مختلف تھی۔

جس وقت یہ مسجد تعمیر کے آخری مراحل میں تھی اسی وقت مٹی گارے سے دو چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بھی تیار کرائے گئے، جنہیں "حجرہ" کہا جاتا تھا۔ یہ مسجد کی دیواروں سے بالکل متصل تھے۔ آنحضور ﷺ نے تجویز پیش کی کہ آپ ﷺ اپنے کنبے کے ساتھ ان میں قیام فرمائیں گے، جنہیں مکہ سے لانے کے لئے حضور ﷺ نے اپنے منہ بولے بیٹے زید کو روانہ کیا تھا۔ یہ گھر تعمیر ہو گئے تو آنحضرت ﷺ، ابوایوبؓ انصاری کے گھر سے یہاں منتقل ہو گئے تھے۔ اس دوران زید مکہ سے رسول اللہ ﷺ کے گھر والوں کو بھی لا چکے تھے۔

انصارین نے بڑی فیاضی اور مہمان نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے مہاجرین کو خوش آمدید کہا تھا۔ وہ بے حد خوش تھے کہ وہ اجنبی جواب ان کے بھائی تھے ان کی خدمت کا انہیں موقع ملا تھا۔

محمد ﷺ نے جب دیکھا کہ انصارین نے آپ ﷺ کے ساتھیوں کو بڑی کشادہ دلی سے قبول کیا ہے تو آپ ﷺ بے حد خوش ہوئے۔ آپ ﷺ اخوب و بھائی چارہ کے اس رشتے کو مزید مستحکم بنانا چاہتے تھے تاکہ مخالفین کے طعنوں کا جواب دیا جا سکے۔ مہاجرین نے اپنے گھر، اپنے عزیزو اقارب آنحضور ﷺ کی خاطر چھوڑ دیئے تھے اور انصارین نے انہیں تحفظ اور پناہ بھی فراہم کی تھی اور اپنے مال و دولت میں سے بھی ان مہاجرین کی مدد کی تھی۔ انصار اور مہاجر آپس میں اس قدر شیر و شکر ہو گئے تھے کہ ان میں سے کسی ایک کے لئے یہ دعویٰ کرنا مشکل ہو گیا تھا کہ آنحضور ﷺ کے زیادہ قریب کون تھا۔

وطن چھوڑ کر آنے والوں کے ساتھ حقیقی خاندانی رشتہ و تعلق استوار کرانے کے لئے آنحضور ﷺ نے فرمان جاری کر دیا تھا کہ انصار اور مہاجر بھائی بھائی ہیں۔ اس کے لئے آپس کے میل جول کو مزید مضبوط بنانے کے لئے اللہ کی خاطر مکہ سے ہجرت کر کے آنے والے اور یثرب کے مسلمان رسول اللہ ﷺ کے حکم سے ایک دوسرے سے اخوت کے رشتے میں پرو دیئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا: "تم لوگ بھائی بھائی ہو" آج کے بعد مکہ اور مدینہ کے مسلمان ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔

ان دینی بھائیوں میں جس قدر قربت پیدا ہو گئی تھی اسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہو گیا تھا دین کا یہ رشتہ تو خون کے رشتے سے زیادہ مضبوط تھا۔ اللہ کی محبت سے سرشار ان لوگوں کے دل جوڑ دیئے گئے تھے۔ یہ لوگ تو اب یک جان دو قالب بن گئے تھے ہر شخص اپنی ذات سے زیادہ اپنے بھائی سے محبت کرتا تھا۔ ہجرت کے ابتدائی برسوں میں تو کوئی مسلمان وفات پا جاتا تو اس کی جائیداد بجائے اس کے ورثاء کو ملنے کے دوسرے مسلمان بھائی کو مل جاتی تھی۔

اس طرح سے جو رشتے استوار ہوئے ان میں حضرت ابو بکرؓ کا خارجہ ابن زید کے ساتھ، عمر کا عثمان ابن مالک کے ساتھ، ابو عبیدہ کا سعد ابن معاذ کے ساتھ اور عثمانؓ ابن عفان کا اوس ابن نجر کے ساتھ قابل ذکر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس معاملے میں پہل کرتے ہوئے علیؓ کو اپنا بھائی چن لیا تھا۔ یوں آنحضور ﷺ نے اخوت و بھائی چارہ کے رشتہ و تعلق پر مہر ثبت فرما دی تھی اور اس کا آغاز آپ ﷺ کے مشن کے آغاز کے ساتھ ہی ہو چکا تھا۔ لیکن چونکہ علیؓ تو مہاجرین میں سے تھے اس لئے ممکن ہے اس بات سے انصارین پریشان ہوئے ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے درمیان سے بھائی کیوں نہیں چنا تھا۔ اسی لئے انصارین میں سے ایک شرفاء میں شامل شخص اسد ابن ضرار وفات پا گئے تو محمد ﷺ نے ان کی جگہ لے لی اور یہ کہا کہ آپ ﷺ ان میں سے ہیں اس لئے کہ آنحضور ﷺ کے ماموں پہلے اسی شہر میں رہتے تھے۔

آنحضور ﷺ کی نفسیات کے کیا کہنے اور آپ ﷺ کی سیاسی فہم و فراست کی تعریف کیوں نہ کی جائے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے حیرت انگیز نتائج حاصل کئے خزرج اور اوس کی صدیوں پرانی جنگوں نے یثرب میں، خون کی ندیاں بہادی تھیں! یہ قتل و غارت اور خوں ریزی اس طرح ختم ہوئی جیسے کسی نے جادو سے اس میں کامیابی حاصل کر لی ہو اور ایسا رسول اللہ ﷺ کی آمد کے فوراً بعد ہوا۔ مکہ سے آنے والے مہاجرین جو کبھی اہل یثرب کے دشمن تھے انہیں مدینہ کے انصارین کا بھائی بنا کر آنحضور ﷺ نے ان کی کایا پلٹ دی تھی۔

تبدیلیٔ قبلہ

ابتداء میں آنحضور ﷺ نے مومنین کو مکمل آزادی دے رکھی تھی کہ نماز ادا کرتے وقت جس سمت چاہیں منہ کر لیں، اس لئے کہ

"اور اللہ کے لئے ہے مشرق اور مغرب، سو جس طرف تم منہ کرو اسی طرف اللہ کا سامنا ہے۔ بیشک اللہ وسعت والا، جاننے والا ہے" (۲ : ۱۱۵)

پہلی مسجد تعمیر ہو چکی تو آنحضور ﷺ نے قیاس فرمایا کہ نماز کے دوران ایک ہی سمت منہ کر کے نماز ادا کی جائے تو زیادہ اچھا لگے گا اس لئے کہ اس سے مومنین میں یکجہتی کا تصور پیدا ہو گا۔ ایک شش پہلو عمارت جو پتھر اور گارے کی بنی ہوئی تھی اور جو اس عمارت کی دیوار کے ساتھ جنوب کے رخ پر کھڑی تھی، قدیم عہد میں اس کی حیثیت "قبلہ" کی تھی، یا وہ سمت جس طرف منہ کر کے نماز ادا کی جاتی تھی، اور یہ رخ ہوتا تھا یروشلم کے معبد کی جانب۔

مگر رسول اللہ ﷺ کو قرآن پاک کی اس آیت کے ذریعے حکم ملا کہ اپنا قبلہ بدل لو، اب نماز کے دوران اپنا منہ مکہ کی طرف کیا کرو:

"ہم دیکھتے ہیں بار بار آپ ﷺ کا منہ آسمان کی طرف پھرنا، تو ضرور ہم آپ ﷺ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ ﷺ پسند کرتے ہیں۔
پس آپ ﷺ اپنا منہ مسجد حرام (خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں تم ہو پھیر لیا کرو اپنے منہ اس کی طرف۔" (۲: ۱۴۴)

رسم اذان یا مؤذن کی پکار

اور پھر اس روز سے لے کر آج تک دنیا بھر کے مسلمانوں کا قبلہ مقرر ہو گیا اب نماز کے دوران مسلمانوں کا منہ خانہ کعبہ کی طرف ہونے لگا تھا۔

باجماعت نماز کی ادائیگی میں جو مسلمانوں کی بھلائی مضمر ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ ایک مومن بڑی گرمجوشی سے اپنے ہمسائے میں، کندھے سے کندھا ملائے کھڑے دوسرے مومن کی روح سے ہم کلام ہوتا ہے۔ "تنہا نماز کی نسبت باجماعت نماز کا ستائیس گنا زیادہ اجر و ثواب ہے" آنحضور ﷺ نے فرمایا۔ چنانچہ یہ ضروری تھا کہ پانچ وقت کی نماز کے لئے ہر روز مومنین کو مقررہ اوقات میں بلایا جائے تاکہ باجماعت نماز کی ادائیگی کا اہتمام ہو سکے۔

جمع ہونے کے لئے صحیح وقت کا تعین کیسے ہوا؟ مومنین تو شہر کے مختلف حصوں میں رہتے تھے، کچھ بہت جلدی آجاتے، کچھ کو زیادہ وقت لگتا۔ چنانچہ سرکردہ مسلمانوں نے باہمی مشورے سے کام لیا کہ طریقہ کار کیا ہو مسلمانوں کو بلایا کیسے جائے۔ کچھ اس خیال کے حامی تھے کہ کوئی مشعل روشن کی جائے یا مینارہ نور بنایا جائے اور یہ ایسی جگہ روشن ہو جس کو سب مسلمان دیکھ سکیں۔ چند ایک نے مشورہ دیا کہ نرسنگھا بجایا جائے کچھ ایسے بھی تھے جن کی رائے یہ تھی کہ گھنٹی بجا کر نماز کے لئے بلاوے کا انتظام کیا جائے۔ مگر یہ تمام طریقے مسترد کر دیئے گئے تھے اس لئے کہ یہ سب کے سب اہل فارس اور یہود و نصاریٰ سے مستعار لئے جا رہے تھے۔

اس دوران عبداللہ ابن زیادہ تشریف لے آئے، اور گزشتہ شب جو خواب دیکھا تھا اس کا ذکر یوں کیا۔ "خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ سبز لباس میں ایک شخص میرے قریب سے گزرا، اس کے ہاتھ میں ایک دستی گھنٹی تھی۔ میں نے اسے روک کر وہ گھنٹی میرے ہاتھ بیچنے کی درخواست کی۔" اس نے پوچھا: "تم یہ گھنٹی کس مقصد کے لئے خریدنا چاہتے ہو؟" "مومنین کو نماز کے لئے بلانے کے لئے۔" اس نے جواب دیا: "اس سے بھی زیادہ بہتر ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ تم اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے دین اسلام پر قائم ہونے کا اعلان کرو۔"

رسول اللہ ﷺ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ انسانی آواز کی گونج دھات کے بنے ہوئے ہر

آلے کی آواز کی گونج سے زیادہ ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً فرمایا :

"تمہارا خواب سچا ہے۔ جاؤ اور بلالؓ کو ڈھونڈ لاؤ۔ اس کی آواز گونجدار بھی ہے اور سریلی بھی۔ جاؤ اور بلالؓ کو میرا حکم پہنچاؤ کہ مسجد کی چھت پر چڑھ کر مومنین کو نماز کے لئے بلائے۔" چنانچہ بلالؓ نے جو ایک حبشی آزاد غلام تھے نے مسجد کی چھت سے بلا کسی امیر غریب کے امتیاز کے اور بلا تفریق رنگ و نسل تمام مومنین کو نماز کے لئے بلانے کی خاطر زور زور سے آواز دی : "اللہ عظیم ہے! اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ﷺ ہیں! آؤ بخشش و نجات کے لئے آؤ۔"

حضرت بلالؓ کی سریلی آواز سے یہ الفاظ پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے یوں ادا ہوئے جیسے اعلیٰ و قیمتی عطر کی بوتل کا کسی نے منہ کھول دیا ہو۔ آواز کی یہ خوشبو شہر کے طول و عرض میں گونج کی شکل میں پھیل گئی تھی۔ مومنین نے اپنے اپنے گھروں میں اس خوشبو کو محسوس کیا۔ وہ نماز کے لئے اپنے گھروں سے تیز تیز قدموں کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے۔ اس روز کے بعد آج تک دنیا بھر کی ہر مسجد میں پکارنے والے یعنی مؤذن کا یہ فرض بن گیا کہ بلا ناغہ پانچ وقت کی نماز کے لئے اذان دے کر مسلمانوں کو نماز کی ادائیگی کے لئے بلائے۔

رمضان المبارک کے روزے

اس فیصلے کے مطابق کہ نماز کے لئے بلاوے کی آواز انسانی آواز ہو، محمد ﷺ جو اس وقت مدینہ میں تھے، اسلامی احکامات کے مطابق نمازیں ادا کرتے تھے۔

آپ ﷺ ہر ماہ تین روزے رکھا کرتے تھے کہ اس دوران یہ وحی نازل ہوئی :

"رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا پس جو تم میں سے یہ مہینہ پائے اسے چاہئے کہ روزے رکھے" (۲ : ۱۸۵)

"تمہارے لئے جائز کر دیا گیا روزہ کی رات میں اپنی عورتوں سے بے پردہ ہونا، وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو۔ اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ واضح ہو جائے تمہارے لئے فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے، تم رات تک روزہ پورہ کرو اور ان سے نہ ملو جب تم اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں (حالت اعتکاف میں)" (۲ : ۱۸۷)

ان آیات قرآنی کے نزول کے بعد ماہ رمضان کے روزے مسلمانوں پر فرض کر دیئے گئے تھے۔ اس کے مسلمانوں کے لئے بے شمار فائدے تھے، جسمانی بھی اور روحانی بھی۔ انسان اپنے مفاد

کو بڑا عزیز رکھتا ہے۔ ہر اس شے کے پیچھے بھاگتا ہے جس سے اسے مادی خوشی و مسرت مل سکے۔ وہ کمزوروں اور غریبوں کا مقدر ہونے والی باتوں سے دور بھاگتا ہے۔ اس مہلک فطری میلان سے اسے نجات دلانے کے لئے سب سے زیادہ مفید بھوک پیاس کی شدت ثابت ہوتی ہے۔ مومنین کے جسم روزے کی وجہ سے کئی بیماریوں سے نجات حاصل کر لیتے ہیں۔ دن بھر روزہ رکھنے کے بعد عبادت اور شام کو افطاری کا لمحہ انہیں وہ تقویت بخشتا ہے جو شکم پری سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

مدینہ کے سخت گرم موسم میں مومنین پیاس کی شدت سے نڈھال دن بھر روزہ رکھتے تھے۔ پیاس سے گلے خشک ہو جاتے، سانس اکھڑ جاتا اور کئی مسلمان تو پیاس سے نڈھال ہوتے تھے مگر پانی کے گرتے قطروں کو دیکھ کر اپنی پیاس پر اس لئے قابو پانے کی کوشش کرتے تھے کہ ان کا روزہ ہوتا تھا اور افطار کے وقت سے قبل وہ پانی پی نہیں سکتے تھے۔

وہ دوسرے، مومن بھائیوں کو روزے کے دوران ہمت کا مظاہرہ کرتے دیکھتے تو انہیں بڑی ڈھارس ملتی تھی۔ اخوت و بھائی چارہ کا یہ مضبوط رشتہ مذہبی حوالے سے مزید مضبوط ہوتا تھا۔ وہ ایک دوسرے کو حوصلہ دیتے کہ بھوک پیاس کی شدت برداشت کی جائے، خوفناک دشمنوں کے مقابلے میں مومنین ثابت قدم رہتے تھے۔

پہلے ماہ رمضان المبارک کے دوران انصار و مہاجر دونوں کے پورے تیس دن کے روزے رکھے اور بڑے صبر و شکر کا مظاہرہ کیا۔ صبح سے شام تک ہر لمحے ان کا مذہبی جوش و جذبہ بڑھتا ہی جاتا تھا آخر کار ماہ رمضان گزر جاتا اور عید کا چاند دکھائی دیتا۔ مومنین چھتوں اور پہاڑیوں پر چڑھ کر عید کا چاند دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ابھی سورج کی سنہری طشتری صحرائی افق کی نیلگوں لہروں میں بمشکل مدغم ہوئی تھی جبکہ ہر مومن کی آنکھ زمردیں فلک کی پنہائیوں میں چاند تلاش کر رہی تھی۔ پھر اچانک آسمان کے سائبان کے نچلے حصے میں نقرئی کمان کی شکل میں عید الفطر کا چاند نظر آیا۔

ہر مومن کے سینے سے شکرانے کے طور پر اطمینان کا سانس نکلا اور یوں لگتا تھا کہ چاند کی کمان سے ان دیکھے تیروں کی بوچھاڑ مومنین کے سینوں پر برس رہی تھی۔ ہر مسلمان خوش نظر آتا تھا کہ اللہ نے اسے رمضان المبارک کے روزے رکھنے کی توفیق بخشی تھی۔ مگر ایسا بالکل نہیں تھا کہ مومنین نے یہ سمجھا ہو کہ انہیں کسی پریشانی سے نجات مل گئی تھی۔ بلکہ انہیں تو یہ افسوس ہو رہا تھا کہ رمضان کا مہینہ اتنی جلدی رخصت کیوں ہو گیا۔ اور وہ اپنے رحیم و کریم مالک کے شکر کا حق بھی ادا نہ کر پائے تھے۔ اس پاکیزہ آزمائش سے ہر رُوح کو بالیدگی اور جسم کو تقویت ملی تھی۔ مسلمانوں کو اس صحرا سے نکل کر پوری دنیا کو مسخر کرنا تھا تاکہ اسلام کی روشنی دور دراز ممالک تک بھی پہنچ سکے

اس لئے انہیں بھوک پیاس کی شدت کے ذریعے اس کام کے لئے ایک طرح کی تربیت دی جارہی تھی۔

مومنین کو ماہ رمضان کے روزوں نے کسی بھوکے کے فاقوں کی تکلیف سے آگاہ کر دیا تھا رسول اللہ ﷺ نے ان پر "صدقہ الفطر" عائد کیا جو ان مسلمانوں کو اپنے غریب و نادار بھائیوں کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا تھا تا کہ ان کے سامان خورد و نوش کا انتظام ہو سکے۔

صدقہ و خیرات کی اہمیت اور شراب نوشی کی ممانعت

آنحضور ﷺ نے اندازہ لگایا کہ سال میں سے صرف ایک ماہ کے لئے رمضان المبارک کے دوران غرباء و مساکین کے کھانے پینے کا انتظام کر دینا کافی نہ تھا۔ آپ ﷺ نے "زکوٰۃ المال" کا قیام کیا۔ آنحضور ﷺ نے صدقہ و خیرات کرنے پر زور دیا اور متمول مسلمانوں پر بوجھ ڈالے بغیر مفلس و نادار مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے بارے میں فکر مند ہوئے۔

صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کی ادائیگی اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔ یہ ہر قسم کی جائیداد، مال و دولت، سونے چاندی، مال مویشی، فصل سبھی پر واجب الادا ہے۔ اور ان مختلف ذرائع آمدنی پر ایک تہائی سے دسویں حصے تک ادا کرنی ہوتی ہے۔ اس کی ادائیگی کے بارے میں حکم باری تعالیٰ یہ ہے کہ اسے سلیقے اور طریقے سے ادا کیا جائے اور یہ حقدار تک اس کے قانونی حق کے طور پر پہنچنی چاہئے۔ اسلام نے اسے "حق معلوم" Legitimate Right کا نام دیا ہے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اے ایمان والو! اگر تم خیرات ظاہر (علانیہ) دو تو یہ اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور تنگدستوں کو پہنچاؤ تو وہ تمہارے لئے (زیادہ) بہتر ہے۔ پس اس کی مثال اس صاف پتھر جیسی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس پر تیز بارش برسے تو اسے چھوڑ دے بالکل صاف۔ اور (ان کی) مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں خوشنودی حاصل کرنے کو اللہ کی، اور اپنے دلوں کے ثبات و یقین کو (ایسی ہے) جیسے بلندی پر ایک باغ ہے اس پر تیز بارش پڑی تو اس نے دگنا پھل دیا، پھر اگر تیز بارش نہ پڑی تو پھوار (ہی کافی ہے)" (۲: ۲۶۴۔۲۶۵)

"انہیں سمجھے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے مالدار تو انہیں ان کے چہرے سے پہچان لیتا ہے۔ وہ سوال نہیں کرتے لوگوں سے لپٹ لپٹ کر اور تم جو مال خرچ کرو گے تو بیشک اللہ اس کو جاننے والا ہے۔" (۲: ۲۷۳)

"زکوٰۃ (حق ہے) صرف مفلسوں اور محتاجوں کا اور اس پر کام کرنے والے

(کارکنوں کا) اور (ان لوگوں کا) جنہیں (اسلام کی) الفت دی جائے اور گردنوں
کے چھڑانے (آزاد کرانے) میں اور قرض داروں کا (قرض ادا کرنے میں) اور
اللہ کی راہ میں اور مسافروں کا یہ اللہ کی طرف سے ٹھہرایا ہوا ہے۔" (۹ : ۶۰)

درج بالا آیات کے ذریعے زکوٰۃ عائد کی گئی تھی جسے "زکوٰۃ المال" یا "مال کا پاک کرنا" کہا گیا۔ اس لئے کہ اس سے مال و دولت کو "پاک کیا جاتا ہے۔"

شراب نوشی سے آنے والی مسلمہ تباہی و بربادی سے آنحضور ﷺ پہلے سے باخبر تھے۔ یہ بت پرستی سے کسی طرح بھی کم مہلک اور ضرر رساں نہ تھی۔ اسی لئے آپ ﷺ نے شراب کی ممانعت فرمادی تھی۔ آپ ﷺ پر اس سلسلے میں جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی:

"وہ آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں، آپ کہہ دیں
کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے فائدے (بھی) ہیں (لیکن) ان
کا گناہ ان کے فائدے سے بہت بڑا ہے۔" (۲ : ۲۱۹)

مومنین میں سے بہت سے ایسے تھے جنہوں نے شراب نوشی سے توبہ کرلی تھی۔ جبکہ کچھ ایسے بھی تھے جو اس کے استعمال سے اپنے آپ کو روکنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ دوسری وحی اس طرح نازل ہوئی:

"اے ایمان والو! تم نماز کے نزدیک نہ جاؤ جب تم نشے (کی حالت میں) ہو یہاں
تک کہ سمجھنے لوگ جو (زبان سے) کہتے ہو۔" (۴ : ۴۳)

"اے ایمان والو! اس کے سوا نہیں کہ شراب، جوا اور بت اور پانسے (فال کے
تیر) ناپاک ہیں۔ شیطانی کام ہیں۔ سو ان سے بچو تاکہ تم فلاح (کامیابی اور
نجات) پاؤ۔ (۵ : ۹۰)

"اس کے سوا نہیں کہ شیطان چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان شراب اور جوئے
سے دشمنی ڈالے اور تمہیں روکے اللہ کی یاد سے اور نماز سے، پس کیا تم باز آؤ
گے؟ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول ﷺ کی اور بچتے رہو"۔ (۵ : ۹۱-۹۲)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی

حضرت عائشہؓ جو بے حد مہربان، ظریف الطبع اور زیور علم سے آراستہ تھیں اب تک تو صرف (سن بلوغ کو نہ پہنچنے کی وجہ سے) آنحضور ﷺ کی برائے نام زوجہ مطہرہ تھیں۔ مگر اب وہ باقاعدہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے فرد کے طور پر رہتی تھیں۔ وہ فرماتی ہیں: "میں ایک روز اپنی سہیلیوں میں گھری ہوئی تھی اور جھولا جھول رہی تھی کہ میری والدہ ماجدہ اُم رُمان نے مجھے بلایا۔

میں دوڑ کر اپنی امی کے پاس گئی، مجھے بالکل علم نہ تھا کہ وہ مجھ سے کیا کہنا چاہتی ہیں۔ انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے آنگن میں کھڑا کر لیا اور جس وقت میں سنبھل کر کھڑی ہوئی تو ماں نے میرا منہ دھلایا اور مجھے گھر کے اندر لے گئیں۔ کئی انصار خواتین وہاں موجود تھیں۔ ان عورتوں نے مجھ سے کہا: ''تمہیں مبارک ہو، اللہ کی رحمت ہو تم پر اور اللہ تیرا نصیب اچھا کرے!''

''میری والدہ محترمہ مجھے ان عورتوں کے پاس چھوڑ کر چلی گئیں تو انہوں نے مجھے سجانا سنوارنا شروع کر دیا تھا۔ اس دوران اللہ کے نبی ﷺ اچانک اندر داخل ہوئے۔''

یہود و منافقین کی دشمنی

ابتداء میں کئی یہودی جن میں مخرق اور عبداللہ ابن سلام جیسے عالم فاضل افراد شامل تھے انحضور ﷺ کی پیش قدمی اور مدلل گفتگو سے اس قدر متاثر ہوئے کہ وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے۔

جہاں تک دوسروں کا تعلق ہے وہ اس بات پر بڑے نازاں دکھائی دیتے تھے کہ ان کے جد امجد حضرت سلیمان کے معبد (ہیکل سلیمانی) کو مسلمانوں نے عبادت کے لئے اپنے قبلہ کے طور پر چنا تھا۔ ان کا (غرور و تکبر) انہیں اس نتیجے تک لے گیا کہ ان کا معبد مکہ کے معبد سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ تھا اور یہودی نسل کو عربوں پر بالادستی حاصل تھی۔

جب اللہ کے فرمان پر قبلہ یروشلم سے کعبہ کی طرف تبدیل ہوا تو یہودیوں کی بڑی ندامت محسوس ہوئی۔ اس کے علاوہ انہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ محمد ﷺ مدنی کی آمد سے ان کے مفادات پر ضرب لگے گی۔ آنحضور ﷺ کی کوشش سے عرب کے قبائل میں اخوت و بھائی چارہ کی فضا پیدا ہو گئی تھی، جن کی خاندانی رقابتوں سے دشمن اب تک فائدہ اٹھاتے چلے آ رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی پیش گوئی یہود و نصاریٰ کی کتابوں میں کی گئی تھی اور آپ ﷺ سے انہوں نے بڑی توقعات وابستہ کر رکھی تھی۔ آنحضور ﷺ آخر کار تشریف لے آئے تھے۔ انہوں نے پیغمبر خدا کو اپنے درمیان دیکھا مگر وہ ان کی نسل میں سے نہیں تھے۔ آپ ﷺ کا شجرۂ نسب حضرت اسماعیلؑ سے جا کر ملتا تھا۔ محمد ﷺ اپنے ساتھ اسلام کی جو روشنی لائے تھے ان لوگوں کی پوری کوشش تھی کہ اسے طاقت کے بل پر اور دوسرے ذرائع سے بجھا دیں۔

وہ صرف اپنی طاقت پر انحصار کرنے کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتے تھے۔ انہوں نے شہر کے چند عربوں کے درمیان آویزش پیدا کرنے کی کوشش کی اور کچھ سر کردہ عربوں نے ان سے بھرپور تعاون کا یقین بھی دلایا۔ یہ وہ افراد تھے جن کی برتری اور نام و نمود پر قرآن کے مساوات کے اصولوں نے ضرب کاری لگائی تھی۔ جو ان سے کم مرتبہ اور حقیر سمجھے جاتے تھے دائرہ اسلام میں

داخل ہونے کے بعد ان کے بھائی بھائی بن گئے اور یوں ان کے برابر آ گئے تھے۔

یہ نئے مخالفین جو "مُنافقین" کہلاتے تھے خاص طور پر بہت خطرناک تھے اس لئے کہ وہ سچے اور پکے مسلمانوں میں گھل مل جاتے تھے، بظاہر یکساں اسلامی اصولوں کی پابندی کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ یوں مسلمانوں سے ان کے راز اگلوا لیتے اور پھر یہ راز یہودیوں اور بت پرستوں کے ہاتھ بیچ دیتے تھے۔

جہاد (مقدس جنگ) کا حکم کیسے ہوا

غلبہ دین کے لئے آنحضور ﷺ نے ہتھیار اٹھا لینے کی ضرورت کو بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا مگر ایسا اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک مکہ فتح نہ ہو جائے جو عربوں کا قبلہ تھا۔ بت پرستوں کے خلاف تلوار نکال لینے کے احکامات آپ ﷺ کو بذریعہ وحی مل چکے تھے:

"اور تم اللہ کے راستے میں ان سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو بیشک اللہ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور انہیں مار ڈالو جہاں انہیں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا۔" (۲: ۱۹۰۔ ۱۹۱)

یہ تھے "جہاد" یا مقدس جنگ کے احکامات، جن پر عیسائیوں نے سخت تنقید کی۔ مگر کیا ان کے اور ہمارے عیسیٰؑ نے یہ نہیں فرمایا:

"یہ مت خیال کرو کہ میں زمین پر امن پھیلانے آیا ہوں۔ میں امن ہی لے کر نہیں آیا بلکہ تلوار بھی لایا ہوں۔" (متی ۱۰: ۳۴)

"میں زمین پر آگ لے کر آیا ہوں مگر میں کیا کر سکوں گا اگر یہ آگ مجھ سے پہلے ہی بھڑک چکی ہو" (لوقا: ۱۲: ۴۹)

اگر بت پرستی پر اسلام کے غلبے کے لئے "جہاد" کا حکم نہ دے دیا جاتا تو محمد ﷺ کے پیروکار چند برسوں تک جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر میدان میں نہ نکلتے۔ مگر عیسیٰؑ کے الفاظ نے تو اس سلسلے میں زیادہ تحکمانہ لہجہ اختیار کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ صدیوں تک عیسائی اقوام کے درمیانی لڑائیاں جاری رہیں۔

عیسیٰؑ کے ان الفاظ کو بھی دیکھئے: "میں تو ایک انسان کو اس کے باپ کے خلاف بیٹی کو ماں کے خلاف، بہو کو ساس کے خلاف برسرپیکار کرنے آیا ہوں۔" (متی۔ x: ۳۴)۔ "اگر کوئی شخص میرے پاس آتا ہے اور وہ اپنے باپ، ماں، بیوی، بچوں، بھائیوں، بہنوں سے نفرت نہیں کرتا، ہاں اور اسے اپنی زندگی سے بھی نفرت نہیں تو وہ میرا پیروکار نہیں ہو سکتا" (لوقا۔ ۱۴: ۲۶)

"جہاد کا حکم صرف مخالفین دین سے جنگ کرنے کے لئے نہیں دیا گیا تھا۔ اس کا اعلان تو ان

دشمنوں کے خلاف بھی تھا جو کسی طور پر کم ضرر رساں نہیں ہوتے، ان میں وہ دشمن بھی شامل ہے جو انسان کے دل میں چھپا بیٹھا ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا: "سب سے بڑا جہاد تو جہاد بالنفس ہے۔"

محمد ﷺ اور مومنین نے طویل عرصے تک صبر و تحمل سے کام لیا۔ نہایت ظالمانہ اذیتیں برداشت کیں، اپنے وطن سے نکالے گئے، گھر سے بے گھر ہوئے۔ کیا ان کا یہ حق نہ بنتا تھا کہ وحی کے ذریعہ نازل ہونے والی آیات قرآنی پر انحصار کرتے اور ہتھیاروں سے لیس ہو کر اپنے حق کے لئے لڑتے؟ مدینہ کا محل وقوع ایسا تھا جو فتح و نصرت کو یقینی بنا رہا تھا اس لئے کہ اس شہر سے شام کو جانے والے قافلوں کے تمام راستے نظر آتے تھے اور مکہ جو بنجر زمینوں سے گھرا ہوا تھا وہاں کی تجارت انہی راستوں سے ہوتی تھی۔ ان قافلوں کا راستہ روک کر آنحضور ﷺ اس ناشکرے شہر کو فاقوں پر مجبور کر سکتے تھے تاکہ اس میں بسنے والے رحم کی بھیک مانگنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کو اپنے وطن کے زیادہ لوگوں کو قتل کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، جنہیں وہ ابھی تک ان کے ظلم و ستم کے باوجود پیار کرتے تھے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کی جان بخشی کے حق میں اس لئے تھے کہ ایک روز ان کے سیدھے راستے پر آجانے کی امید تھی اور ہو سکتا تھا کہ وہ اسلام کے مضبوط حامی ثابت ہوں۔

یوں "غزوات" کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ وہ جنگیں تھیں جن میں آنحضور ﷺ نے بذات خود فوج کی کمان سنبھالی تھی۔ ایک بار آپ ﷺ کے ایک سپہ سالار نے بھی ایک "سریہ" یا مہم کے دوران ہراول دستے کی کمان سنبھالی تھی۔ ہم ان بہت ساری مہمات میں سے چند ایک کے ذکر پر اکتفا کریں گے ابتدائی چھوٹی موٹی جھڑپوں کو الگ رکھ کر ہم مشہور غزوۂ بدر کی طرف آتے ہیں۔

غزوۂ بدر (۶۲۴ء)

ایک بہت ہی اہم قافلہ جس میں ایک ہزار اونٹ شامل تھے اہل مکہ نے ملک شام بھیجا تھا۔ اس تجارتی قافلے نے واپسی پر بے حد قیمتی سامان تجارت ساتھ لانا تھا۔ یہی وہ سنہری موقع تھا جس کا انتظار پیغمبر خدا ﷺ کر رہے تھے۔ اگر آپ ﷺ اس قافلے پر فتح حاصل کر لیتے تو ان ظالموں پر بڑی کاری ضرب لگتی جنہوں نے آنحضور ﷺ کو شہر بدر کر دیا تھا۔ اس طرح بلاوجہ خونریزی کا خطرہ بھی نہ تھا اس لئے کہ اس قافلے میں صرف چالیس افراد تھے۔ ان لوگوں سے یہ امید نہ تھی کہ وہ مزاحمت کریں گے بلکہ پوری پوری امید تھی کہ یہ افراد لڑے بغیر ہتھیار ڈال دیں گے۔

آنحضور ﷺ بہت دیر سے پہنچے تھے اور قافلہ گزر چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فیصلہ کیا کہ قافلے پر اچانک اس وقت حملہ کیا جائے جب وہ واپس آ رہا ہو۔ آپ ﷺ کے ایک ساتھی نے، جنے قافلے

کی اطلاع دینے کے لئے راستوں کی نگرانی پر مقرر کیا گیا تھا، آکر بتایا کہ قافلہ آتا ہوا نظر آگیا ہے۔ وہ جلد مدینہ کے قریب پہنچنے والا تھا۔ یہ پہاڑوں اور سمندر کے درمیان والے عام راستے سے آرہا تھا۔

آنحضرت ﷺ نے تمام مومنین کو بلا کسی امتیاز حسب و نسب کے بلا بھیجا۔ تین سو آدمی اس بلاوے پر آگئے تھے۔ ان سب کا متفقہ فیصلہ تھا کہ بت پرستوں کو مثالی سزا دی جائے۔ ان کے ساتھ ۷۴ مہاجرین بھی آملے تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ۲۴۰ انصار اپنے دینی بھائیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملائے کھڑے تھے۔ خورونوش کے سامان کے لئے ستر اونٹوں کا انتظار کیا گیا تھا۔ پیدل چلنے والے باری باری ان اونٹوں پر سوار بھی ہو سکتے تھے۔

اس مہم میں رسالہ بہت کم استعمال ہوا تھا۔ صرف گھوڑے تھے جن کے نام یہ ہیں : براجا، بحرمی، یسوم، اور سیل۔ سواروں کے بغیر انہیں لگاموں سے تھام کر لے جایا گیا تھا۔ صرف وقت آنے پر انہیں جنگ میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

لاوہ یا سفید پرچم مصعب بدری کے سپرد ہوا اور انصار کا جھنڈا اسعد ابن معاذ نے اٹھا رکھا تھا۔

بدقسمتی سے اتنی بڑی قوم کی تنظیم صیغہ راز میں نہ رہ سکی۔ "منافقین" اور بنو اسرائیل محمد ﷺ کے اٹھائے جانے والے ہر اقدام سے باخبر تھے۔ انہیں معلوم ہو گیا تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ کے کیا عزائم ہیں اور منزل کیا ہے۔ انہوں نے قافلے کے سردار ابوسفیان کے پاس قاصد بھیجے تاکہ اسے متوقع خطرے سے آگاہ کیا جا سکے۔ اس نے غفار قبیلے کے ایک شخص ضمضم کو جو عرب تھا روانہ کیا اور مدد طلب کی۔ اسے اس صورت میں انعام و اکرام دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اگر یہ قافلہ محنت و کاوش سے بچ گیا۔ اس بڑے قافلے کی تنظیم میں مکہ کے تمام لوگوں نے مقدور بھر حصہ لیا تھا۔ وہ قافلے کی بخیریت واپسی اور کافی منافع کمانے کی خوشی میں جشن منانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ دن بھر وہ شہر کے دروازوں کی جانب رواں دواں رہے۔ دور دور تک نظریں دوڑا کر قافلے کو دیکھتے ہوئے ان کی آنکھیں درد کرنے لگی تھیں۔ ان کی نگاہیں وادی کی طرف سے آنے والے اس راستے پر لگی ہوئی تھیں جو شام کو جاتا تھا۔ انہیں انتظار تھا کہ کوئی نہ کوئی قاصد قافلے کی واپسی کی اطلاع لے کر بس آیا کہ آیا!

آخر کار ایک دن ایسا آہی گیا جب ایک شخص تیز رفتار اونٹ پر بیٹھا جھولتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ ابھی وادی کے ایک سرے پر تھا اور لوگوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ جب وہ اتنا نزدیک آگیا کہ اسے اور اس کے اونٹ کو پہچانا جا سکتا تھا تو اہل مکہ دم بخود رہ گئے انہیں یقین نہیں آرہا تھا یہ شخص ضمضم تھا۔ اس کا لباس پھٹا ہوا تھا، اونٹ کا ہودج اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا اور اس کے اونٹ کے نتھنے چھدے

ہوئے اور کان کٹے ہوئے تھے جب وہ اتنا قریب آگیا کہ اس کی آواز سنی جا سکے تو تھکن سے چور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ وہ چلایا: "اے اہل قریش! تمہارے لئے بری خبر لایا ہوں یہ رنج والم کا مقام ہے کہ تمہارا قافلہ...... تمہارا قافلہ......" وہ پوری بات بھی نہ کہہ سکا۔

قریش بے حد فکر مند ہو کر اس کے گرد جمع ہو گئے اور سوال پر سوال کرنے لگے تھے۔ اس کا دم میں دم آیا تو اس نے بتایا کہ ان کا قافلہ کس خطرہ میں گھر گیا تھا۔ ان کا غصہ کچھ کم ہوا۔ انہوں نے سوچا کہ ان کی جو بڑی بڑی امیدیں پوری ہونے کو تھیں اس شخص محمد ﷺ نے جس کے بارے میں وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ انہوں نے اس سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل کر لی ہے، خاک میں ملا دی تھیں۔

فوراً ہی ایک ہنگامی اجلاس بلایا گیا اور فیصلہ ہوا کہ ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا جائے اس بلائے ناگہانی سے بچنے کے لئے ہر فرد نے خواہ وہ غریب تھا یا امیر اپنی جان اور مال قربان کر دینے پر رضامندی ظاہر کر دی تھی۔ ایک فوج ترتیب دی گئی جس میں ۹۵۰ افراد، ایک سو گھوڑے اور سات سو اونٹ شامل تھے۔ بت پرستوں کے دستے دیوانگی میں قہقہے لگاتے شہر سے روانہ ہوئے۔ دوشیزاؤں کا گانے والا طائفہ بھی ساتھ تھا انہوں نے زرق برق لباس پہن رکھا تھا اور یہ فوجی دستے کے آگے آگے تھیں۔ یہ لڑکیاں مسلمانوں کے خلاف طنزیہ گیت الاپتی جارہی تھی یا رزمیہ نظمیں گاتی جارہی تھی۔ وہ گاتی بھی جاتی تھیں اور دف بھی بجاتی جاتی تھیں جس سے ان کے چاہنے والوں کے دلوں کی دھڑکن تیز ہوتی جاتی تھی۔

ابلیس جو ان کے دلوں میں چھپا بیٹھا تھا انہیں نئی نئی باتیں سجھا رہا تھا۔ اس نے مشرکین کے دل و دماغ میں فتح و نصرت کے خواب ڈال دیئے تھے اور انہیں برابر انتقام پر اکسا رہا تھا۔ جبکہ اللہ ان کے مقابلے میں ایمان والوں کی مدد کر کے انہیں فتح دینے والا تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

> "اور جب شیطان نے ان کے کام خوشنما کر کے دکھائے اور کہا کہ آج لوگوں میں سے تم پر کوئی غالب (آنے والا) نہیں اور میں تمہارا رفیق (حمایتی) ہوں"
>
> (۸:۴۸)

پیغمبر ﷺ کو دشمنوں کی جنگی تیاریوں کا کچھ علم نہ تھا۔ آپ ﷺ صفراء نامی گاؤں کے قریب ٹھہر گئے تھے اور وادی ظفر ان میں خیمے نصب کر دیئے تھے۔ پھر آنحضور ﷺ نے دو ایلچیوں بسباس اور عدی کو بھیجا کہ عسکری زاویے سے دشمن کا جائزہ لے کر آئیں۔

اگلے روز صبح سویرے آنحضور ﷺ پھر چل پڑے تھے اور چاہ بدر سے کچھ فاصلے پر رک

گئے۔ دونوں اسکاؤٹوں نے یہ اندازہ لگا کر کہ قافلہ اس اہم مقام کی طرف بڑھ رہا تھا تاکہ پانی ذخیرہ کر لے، اپنے اونٹوں کو تیز دوڑایا اور وہاں پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر انہیں دو بدو عورتیں ملیں جو آپس میں لڑ رہی تھیں اور ساتھ ساتھ پانی کی مشکیں بھی بھرتی جا رہی تھیں۔ ان میں سے ایک نے دوسری سے کہا کہ وہ اس کی مقروض تھی اور بڑے ہتک آمیز الفاظ میں قرض کی واپسی کا تقاضا کر رہی تھی۔ مقروض عورت نے جواب دیا: "ایک دو روز انتظار کر لو قافلہ واپس پہنچ جائے گا اور میں تیرا قرض اتارنے کے قابل ہو جاؤں گی۔" یوحنا قبیلے کے سردار مجد نے جو کنویں پر موجود تھا کہا: "یہ ٹھیک کہتی ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ قافلہ کل صبح یا اس سے اگلے روز ضرور پہنچ جائے گا۔"

وہ ساری بات معلوم ہو جانے کے بعد جو وہ معلوم کرنا چاہتے تھے بسباس اور عدی نے اپنے جانوروں کو پانی پلایا اور بجلی کی سی تیزی کے ساتھ واپس لوٹے تاکہ یہ خبر آنحضور ﷺ کو سنا سکیں۔ ان کا خیال تھا کہ آنحضور ﷺ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوں گے کہ معاملات اسی طرح سامنے آ رہے تھے جس طرح آپ ﷺ نے دیکھا تھا۔

تاہم چند لمحوں بعد مکہ کا ایک ساتھی آپ ﷺ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا مگر یہ دوست تو ایک بری خبر لایا تھا۔ خبر یہ تھی کہ بت پرستوں کا ایک دستہ ابو سفیان کی مدد کے لئے آ رہا تھا۔ اس خبر نے محمد ﷺ کو فکر مند کر دیا تھا۔ آپ ﷺ نے سوچا وہ مسلمان جو قافلے والوں کو کمزور اور تعداد میں کم سمجھ کر ان پر حملہ آور ہونے والے تھے یہ معلوم کر کے کہ دشمن کی طاقت ان سے کہیں زیادہ ہے کہیں حوصلہ نہ ہار دیں؟ آنحضور ﷺ نے اصل صورت حال کو مسلمانوں سے چھپانا مناسب نہ سمجھا بلکہ سرداروں کو اکٹھا کر کے ساری اطلاعات ان کے سامنے رکھیں اور ان سے مشورہ کیا کہ دشمن پر کس طرح غلبہ پایا جائے۔

انہوں نے یہ خبر سنی تو تذبذب کی ایک لہر نے ان کو بھی سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ اب کیا حکمت عملی اختیار کی جائے۔ بت پرستوں پر فتح پانے میں مال غنیمت میں بھی بلاشبہ بڑی دلکشی تھی۔ اب کسی فیصلے پر پہنچنے کی ضرورت کے پیش نظر چند ایک نے یوں اعتراض کیا: "کیا آپ ﷺ ہمیں مقتل کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔" مگر اس طرح بات کرنے پر اللہ نے ناراض ہو کر یہ آیت نازل فرمائی:

> "اور (یاد کرو) اللہ تمہیں وعدہ دیتا تھا کہ (ابو جہل و ابو سفیان کے) دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ (جس میں) کانٹا نہ لگے تمہارے لئے ہو۔" (۸ : ۷)

پھر مقداد اٹھا اور اس نے سخت احتجاج کرتے ہوئے کہا: "اے نبی ﷺ! جہاں کا حکم

آپ ﷺ کو ملا ہے بلا تامل وہاں جایئے۔ اللہ کی قسم ہم آپ ﷺ کو وہ نہیں کہیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ سے کہا تھا کہ "جاؤ اپنے خدا کے ساتھ مل کر لڑو اور ہم یہاں بیٹھ کر تمہاری واپسی کا انتظار کریں گے۔" ہم تو اس کے برعکس آپ ﷺ سے یہ کہتے ہیں: "اے اللہ کے رسول جایئے اپنے اللہ کے ساتھ مل کر جنگ کیجئے اور آپ ﷺ ہمیں ہمیشہ اور ہر جگہ اپنے ساتھ پائیں گے۔"

آنحضور ﷺ نے اپنے بہادر اور جری ساتھی کی بات سن کر اس کے لئے اللہ کی رحمتیں مانگیں۔ پھر فرمایا: "میرے ساتھیو! غور و فکر اور تدبر سے کام لو! پھر حضور ﷺ انصار کی طرف مڑے کہ وہ یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ عقبہ سے کئے گئے معاہدہ کے مطابق جب تک آپ ﷺ ان کے پاس تھے انہیں ہر حال میں آنحضور ﷺ کی حفاظت کرنی تھی۔

سعد ابن معاذ کھڑے ہو گئے، انہیں اس بات کا دکھ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایک لمحہ کے لئے بھی انصار کے خلوص نیت اور جذبہ ایثار و قربانی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جانے لگے۔ کہنے لگے: "آپ ﷺ پر ہمارا اعتماد لامحدود ہے، ہم نے آپ ﷺ سے عہد کر رکھا ہے۔ جہاں کا حکم آپ کو ملا ہے وہاں ضرور تشریف لے چلئے اور میں اس ذات پاک کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس نے آپ ﷺ کو حق کا بول بالا کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ اگر اللہ کا رسول ﷺ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دے تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ سمندر میں بھی اتر جائیں گے!"

اس اعلان نے آنحضور ﷺ کو فکر مندی کے سارے بوجھ سے آزاد کر دیا تھا کہ وہ اس ہم پر انصار کو روانہ کرنے میں پس و پیش سے کام لے رہے تھے۔ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر انصار کے اس جذبے سے ایک خاص چمک پیدا ہو گئی تھی۔ آپ ﷺ کی نظریں اس خواب پر لگی تھیں جو صرف اور صرف وہی دیکھ سکتے تھے۔ فرمایا: "اے میری قوم کے لوگو! خوشیاں مناؤ۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ میرے بہادر ساتھی برسر پیکار ہیں اور دشمنوں کے پاؤں اکھڑ چکے ہیں، دشمن کے دستے شکست کھا گئے ہیں۔" ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو یہ سمجھ رہا ہو کہ جلد جنگ چھڑنے والی ہے۔ چنانچہ اب سب کے سب پورے اعتماد کے ساتھ جنگی تیاریاں کرنے لگے تھے۔

جہاں تک ابو سفیان کا تعلق تھا، جب سے اسے یہ خبر ملی تھی کہ مسلمان حملہ کرنے آرہے ہیں، وہ مسلسل اس طرف نظر رکھے ہوئے تھا۔ اس نے قافلے کی رفتار تیز تر کر دی تھی خود آگے آگے تھا اور محمد ﷺ کے اسکاؤٹوں کے فوراً بعد چاہ بدر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے نجد سے جو ابھی تک چاہ بدر پر موجود تھا سوال کیا: "تم نے وہاں کسی کھوجی کو تو نہیں دیکھا؟" "میں نے تو صرف دو اونٹ دیکھے ہیں جس پر شتر سوار موجود تھے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کو پانی بھی پلایا تھا" نجد نے جواب دیا۔

ابوسفیان تیزی سے اس طرف بڑھا جہاں کچھ نشانات ابھی باقی تھے۔ جس وقت شتر سوار کنویں سے پانی نکال رہے تھے اس وقت اونٹ جہاں گھٹنوں کے بل زمین پر جھکے تھے وہاں نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ اسے کچھ جانوروں کا تازہ فضلہ دکھائی دیا تو اس نے اُسے انگلیوں میں لے کر چورا چورا کیا اور اس میں سے بہت سی کھجوروں کی گٹھلیاں علیحدہ کر لیں۔ "مجھے اپنے خداؤں کی قسم! یہ اونٹ مدینہ کے تھے اور دشمن اس وقت یہاں سے زیادہ دور نہیں۔" اس نے کہا، وہ یہ جانتا تھا کہ پورے ملک میں صرف مدینہ کے اونٹوں کو پانی میں بھگوئی ہوئی کھجور کی گٹھلیاں کھلائی جاتی تھیں۔

چنانچہ قافلے کی سمت اس طرح تبدیل کرتے ہوئے کہ چاہ بدر ایک جانب رہ جائے ابوسفیان براہ راست رستے سے ہٹ گیا تھا اور ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مغربی راستے پر چلنے لگا تھا۔ یوں وہ اسلام کے سپاہیوں سے بچ سکتا تھا اور جب اس نے خود کو محفوظ محسوس کیا تو دوسرا قاصد قریش کے پاس روانہ کیا تاکہ انہیں بتا سکے کہ اس نے کیا حکمت عملی اختیار کر لی تھی اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ واپس مکہ چلے جائیں کیونکہ اسے اب ان کی مدد کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

ان کے سردار ابوجہل نے حقارت کے ساتھ کہا: "ایسی کوئی بات نہیں! آؤ ہم چاہ بدر کی طرف بڑھیں۔ ہم تین دن اور تین رات وہاں قیام کریں گے۔ جشن مسرت منائیں گے جانور ذبح کر کے ان کے گوشت سے لطف اندوز ہوں گے اور خوب جی بھر کے شراب پئیں گے۔ ہر سال وہاں ایک میلہ لگتا ہے جو ایک ہفتے تک جاری رہتا ہے۔ اس میلے میں شرکت کے لئے عرب دور اور نزدیک سے آتے ہیں۔ جب انہیں ہمارے یہاں پڑاؤ ڈالنے کا علم ہو گا تو یہ خبر دور دور تک پہنچے گی اور سب ہماری طاقت کے خوف سے لرز جائیں گے!"

اس تقریر نے بت پرستوں کو غرور و تکبر سے سرمست کر دیا تھا۔ خود نمائی اور شراب و کباب کے لالچ نے انہیں اپنے سردار کا منصوبہ مان لینے پر مجبور کر دیا تھا چنانچہ انہوں نے چاہ بدر کی جانب پیش قدمی جاری رکھی۔

مومنین کی منزل بھی وہی تھی اور اس سمت چلتے جا رہے تھے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ قافلہ انہیں وہاں ملے گا، قریش سے آمنا سامنا ہو گا یا دونوں متحد ہو کر وہاں موجود ہوں گے۔ محمد ﷺ نے یہ جاننے کے لئے علیؓ اور زبیرؓ کو اسکاؤٹوں کی حیثیت سے وہاں روانہ کیا۔ انہوں نے دو نوجوانوں کو گرفتار کر لیا تھا جو اپنی مشکیں پانی سے بھرنے کے لئے کنویں کی تلاش میں تھے، جو ان کے کندھوں سے لٹک رہی تھیں۔ انہیں قیدی بنا کر پوچھ گچھ کے لئے کیمپ میں لایا گیا مگر چونکہ آنحضور ﷺ بندگی میں مصروف تھے اس لئے اسکاؤٹوں نے ان لڑکوں سے کچھ سوال کئے۔ دونوں قیدیوں نے جواب دیا: "ہم قریش فوج کے لئے پانی کی تلاش میں تھے۔"

تو اس طرح پتہ یہ چلا کہ قریش افواج اس علاقے میں پہنچ چکی تھیں۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کیونکہ اسکاؤٹوں کو یہ علم نہ تھا کہ فوج کی تعداد کیا ہے، اونٹ گھوڑے کتنے ہیں۔ چنانچہ قیدیوں کے اعتراف کو جھوٹ تصور کیا گیا۔ انہوں نے دونوں نوجوان بت پرستوں کو بری طرح مارنا پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ علیؓ اور زبیرؓ نے ان سے کہا:

"یہ مت خیال کرو کہ تم اپنے جھوٹ سے ہمیں فریب دینے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ ہمیں خوب معلوم ہے کہ تمہارا تعلق ابوسفیان کے قافلے سے ہے۔"

انہوں نے دوبارہ دونوں لڑکوں کی درگت بنانی شروع کر دی تھی۔ اس نامنصفانہ سزا سے بچنے کے لئے اور مسلمانوں کو اسی غلط فہمی کا شکار رہنے دینے کے لئے جو ابوجہل کے منصوبے کے لئے بڑی مفید ثابت ہو رہی تھی اور اس طرح محمد ﷺ کے ساتھیوں کو یہ شک بھی نہیں گزرتا تھا کہ ان کا دشمن ان سے کس قدر قریب موجود ہے۔ دونوں لڑکوں نے اپنے ایذا دینے والوں کی منت سماجت شروع کر دی تھی: "ہم پر رحم کریں اے ہمارے آقا! بیشک تمہاری نظروں سے کوئی بھی بچ کر نہیں نکل سکتا! ہاں، ہم اعتراف کرتے ہیں کہ ہم دونوں ابوسفیان کے قافلے کے ہیں۔"

یہ اعتراف کرا لینے پر علیؓ اور زبیرؓ کو بڑا فخر محسوس ہوا۔ انہوں نے دونوں لڑکوں کو آزاد کر دیا۔ اس دوران رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ چکے تھے آپ انسانی ذہنوں کو پڑھ لینے میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو سرزنش فرمائی اور کہا: "یہ سب کچھ کیا ہے؟ تمہارے قیدی تمہیں سب کچھ سچ سچ بتا رہے تھے اور تم ہو کہ ان کی پٹائی کئے جا رہے ہو۔ اور اب جبکہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں تم نے انہیں آزاد کر دیا ہے؟" آپ ﷺ نے سوال کیا: "قریش کہاں ہیں؟" "ریت کے بڑے اونچے ٹیلے کے اس پار۔" "ان کی تعداد کیا ہے؟" "ہمیں معلوم نہیں" "وہ ہر روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟" "نو یا دس۔" "خوب! پھر تو وہ نوے سے ایک ہزار تک ہوں گے" محمد ﷺ نے اپنے آپ سے کہا۔ "ان کا سپہ سالار کون ہے؟" دونوں قیدیوں نے شہر کے مشہور افراد کے نام گنوا دیئے۔ مگر آنحضور ﷺ نے بڑے افسوس کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "سچ یہ ہے کہ مکہ نے اپنے جگر کا بہترین حصہ ہمارے خلاف بھیجا ہے!" (یعنی اپنے جگر گوشے)

دشمن نے اپنے دفاع کے انتظامات کر لئے تھے اور وہ مسلمان جو اس دشمن پر حملہ کرنے نکلے تھے جس کا دفاع ایک کمزور اور مختصر سا دستہ کر رہا تھا انہیں پتہ چلا تھا کہ دشمن تو اب ان سے تین گنا زیادہ تھا اور ایک خوفناک رسالہ ان کی مدد کر رہا تھا۔ اب یہ ضروری ہو گیا تھا کہ ہر قیمت پر دشمن سے پہلے بدر کے کنویں پر پہنچا جائے۔ مومنین نے دوبارہ پیش قدمی شروع کی تو دیکھا کہ وادی بالکل خشک تھی۔ ان کا پانی کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا اور دوسرے ہی روز پیاس سے ان کا برا حال تھا۔ شیطان نے

مسلمانوں کے ذہنوں میں مایوسی پھیلانی چاہی اور انہیں یوں ورغلانے کی کوشش کی: ''آنکھیں کھول کر دیکھو کہ وہ شخص جو اللہ کا پیغمبر ہونے کا دعویٰ کر رہا ہے وہ تم لوگوں کو کہاں لئے جا رہا ہے! تم لاتعداد دشمنوں سے اس وقت گھرے ہوئے ہو جو اس انتظار میں ہے کہ پیاس کی شدت تمہاری قوت کو کب کمزور کرتی ہے۔ وہ اس وقت حملہ کریں گے اور اس موقعہ پر تم لوگ اپنا دفاع نہ کر سکو گے اور تمہاری حیثیت ایک ایسے شکار کی سی ہو گی جسے پکڑ لینا آسان ہو۔''

ہر ذہن پریشان تھا مگر خوش قسمتی سے ماہ رمضان کے دوران مسلمانوں کی عسکری تربیت نے انہیں پیاس کی شدت برداشت کرنے کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ آسانی سے مغلوب ہونے والے نہ تھے۔ عین اس لمحے جب وادی میں گرمی اپنی انتہا پر تھی اور دفاع مشکل ہو رہا تھا پہاڑی چوٹیوں کے اوپر بادل گھر کر آ گئے تھے۔ وہ ہلکے سے پردے جو گرمی کی شدت سے بنے تھے اور سورج کو اب تک اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا ہٹ گئے تھے اور اللہ نے بارش برسا کر اپنے شکر گزار بندوں کو پانی سے نہلا دیا تھا۔ بارش نے اس وادی کو جہاں کچھ دیر پہلے پتھروں اور ریت کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا پانی کی اٹھتی ہوئی لہروں میں بدل دیا تھا۔

مسلمان اب اپنی پیاس بجھا سکتے تھے۔ انہوں نے وادی میں جگہ جگہ گڑھے کھود دیئے تھے جو اس جل تھل میں پانی سے بھر گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کپڑے دھوئے جو پسینے سے بھاری ہو گئے تھے اور وضو کیا۔ وہ ریت جو تیز ہوا سے اڑ اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو کر ان کی پیش قدمی میں رکاوٹ بن رہی تھی، بھیگ کر سخت ہو گئی تھی اور ان کے پاؤں تلے زمین کو سخت کر دیا تھا۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے:

> ''اور تم پر آسمان سے پانی اتارا تاکہ تمہیں پاک کر دے اس سے اور تم سے شیطان کی ناپاکی دور کر دے اور تاکہ تمہارے دل مضبوط کر دے اور اس سے جما دے (تمہارے) قدم۔'' (۸: ۱۱)

بت پرستوں کے لئے یہ طوفان بڑا تباہ کن ثابت ہوا۔ انہیں طوفان نے وہاں آن لیا تھا جو سرزمین ''شوریلی زمین'' کہلاتی تھی جس کے معنی ہیں وہ نشیبی مٹی جس میں نمک ملا ہو جو گیلی ہو کر چمٹنے والی مٹی میں بدل جاتی ہے۔ دشمن کے اونٹ پھسل کر گرتے تو ان کی لمبی ٹانگیں پیچھے کی جانب مڑتی دکھائی دیتی تھیں اور یوں ایک بڑی مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ یہ اونٹ شتربانوں کی مدد کے بغیر اٹھ نہیں سکتے تھے۔ گھوڑے اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکتے تھے۔ ان کے سم کیچڑ میں دھنس جاتے تھے۔ پاؤں رکھنے کی جگہ نہ پا کر یہ گھوڑے اپنے سواروں کو گرا کر خود بھی ان پر گر پڑتے تھے۔ ایک ہنگامہ تھا کہ جس کا بیان لفظوں میں مشکل نظر آتا تھا۔ مشرکین کی ساری کوششیں

رائیگاں جا رہی تھیں، وہ اس مشکل سے نکلنے میں ناکام ہو کر اس قدر تھک گئے تھے کہ آگے بڑھنا ممکن نہیں رہا تھا۔

مسلمان نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے تھے۔ رات نیند کے ذریعے وہ اپنی توانائی بحال کر چکے تھے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو یقین دلایا تھا کہ رات کو فرشتے ان کے کیمپ کی نگرانی پر ہوں گے۔ اس پر یقین کر کے مومنین نے رات کو کوئی سنتری بھی اپنی حفاظت کے لئے کھڑا نہیں کیا تھا مگر رسول اللہ ﷺ جاگتے رہے اور اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہے، قرآن مجید میں اس طرف یوں اشارہ فرمایا گیا ہے:

"(یاد کرو) جب اس نے تم پر اونگھ طاری کر دی۔ یہ اس (اللہ) کی طرف سے تسکین (تھی)۔" (۸ : ۱۱)

وہ گھڑی آ پہنچی تھی جب اسلام کے مقدر کا فیصلہ ہونے والا تھا۔ جمعہ کا دن تھا اور ماہِ صیام کی سترویں تاریخ تھی۔

حباب الانصاری جو اپنے دانشمندانہ مشوروں کے لئے مشہور تھے، تشریف لائے اور آنحضور ﷺ سے یوں مخاطب ہوئے: "اے نبی ﷺ! یہ جگہ جہاں اس وقت ہم نے پڑاؤ ڈالا ہے کیا وحی میں اس کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ ہم اس سے آگے جا سکتے ہیں نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں؟ یا ہم آزادی کے ساتھ جنگی حکمت عملی کے مطابق میدان جنگ کا انتخاب کرنے کے لئے تبادلہ خیال کر سکتے ہیں؟" "بذریعہ وحی ہمیں اس جگہ کے بارے میں کوئی حکم موصول نہیں ہوا۔ تمہیں اجازت ہے عسکری نقطہ نظر سے اس بارے میں تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار کر سکتے ہو۔" "اگر یہ بات ہے تو خیمے اکھیڑ لئے جائیں" حبابؓ نے کہا۔ اور دستوں کے بغیر وادی کے راستے نیچے چلا جائے ہر کنویں کو بند کر دیا جائے جو ہمارے راستے میں آئے۔ آخری کنویں پر پہنچ کر ایک تالاب کھودا جائے جس میں زیر زمین بہنے والا سارا پانی جمع ہو جائے۔ کنویں اوپر رہ جائیں گے جنہیں ہم نے بند کر دیا تھا۔ زیر زمین پانی اس تالاب میں ذخیرہ ہو جانے پر یہ کنویں مکمل طور پر خشک ہو جائیں گے۔ مجھے ندی کی قوت اور سمت کا اندازہ ہے۔ اس ذخیرہ شدہ پانی سے جنگ کے دوران ہمارے سپاہی گرمی کی شدت میں اپنی پیاس بجھالیں گے یا زخمی ہو جانے کی صورت میں زخموں کو دھو سکیں گے مگر ہمارا دشمن دور دور تک پانی کی ایک بوند نہ پا سکے گا جس سے اپنی پیاس بجھا سکے۔

آنحضرت ﷺ کو حبابؓ کی یہ تجویز پسند آئی اور آپ ﷺ نے اس خیال کو عملی جامہ پہنا دیا۔ یوں مستقبل میں ہونے والی جنگ کے لئے میدان کارزار کا تعین ہو چکا تھا یہ بات یقینی تھی کہ مشرکین بے بس ہو کر مسلمانوں کے پاس آئیں گے اور وہ جگہ مانگیں گے جہاں پانی ہو گا۔

اب سعد ابن معاذ بولے : ”اے نبی ﷺ ! ہمیں اجازت دیجئے کہ اس پہاڑی پر سورج کی شعاعوں سے بچنے کے لئے ہم آپ کے لئے ایک برجی تیار کر دیں۔ اس کا ایک اور فائدہ یہ بھی ہوگا کہ میدان جنگ آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے ہوگا اور جنگی صورت حال کا نقشہ آپ لحظہ بہ لحظہ دیکھ سکیں گے۔ آپ ﷺ کی اونٹنی کو آپ کے قریب ہی چھوڑ کر ہم گھوڑے دوڑاتے دشمن کی صفوں میں گھس جائیں گے۔ اللہ نے ہمیں فتح و نصرت عطا کی تو دین کے دفاع کے لئے ہماری شجاعت و بہادری دیکھ کر آپ کی آنکھیں خوشی و مسرت سے چمک اٹھیں گی۔ خدانخواستہ مقدر نے ساتھ نہ دیا تو آپ ﷺ ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہمارے عقبی دستوں سے آن ملیں گے۔ پھر ہم جو سب کے سب آپ ﷺ کے جاں نثار ہیں آپ ﷺ کی پشت پر ہوں گے۔ پھر ہم پسپا نہیں ہوں گے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے اس خیال سے اتفاق فرمایا اور کہا : ”اللہ تم سب کو انعام سے نوازے گا جو اس قدر موثر مدد کی شکل میں ہوگا جس قسم کی مدد کا تم لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

مسلمانوں نے درختوں کی ٹہنیوں سے ایک برجی تیار کی۔ آنحضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اس کے پیچھے چلے گئے۔ جب دشمن کے گھوڑ سوار نظر آئے جو بڑی سرکشی کے ساتھ رسول اللہ کی آنکھوں کے سامنے چکر لگا رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا : ”اے اللہ ! آخر کار قریش آگئے۔ انہیں بڑا گھمنڈ ہے اور وہ تجھے خاطر میں نہیں لاتے اور تیرے پیغمبر کو جھوٹا کہتے ہیں !“

دشمن صف آرا ہو چکا تھا۔ گزشتہ روز شور یلے کیچڑ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کے بعد ان کے گلے خشک ہو چکے تھے۔ طوفان گزر چکا تھا۔ بارش کا پانی کہیں جمع نہ ہو سکا اور وادی کے کنویں خشک ہو چکے تھے۔ بت پرستوں کو پانی کی ایک بوند تک نہیں مل رہی تھی جس سے وہ اپنی پیاس بجھا سکتے۔ اب ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی تھی۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہ تھی۔ انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں نے تو پانی ایک تالاب میں ذخیرہ کر لیا ہے جس پر سورج کی شعاعیں پڑتیں تو دیکھنے والوں کی آنکھیں چندھیا جاتی تھیں تو اس سے ان کا انتقامی جذبہ اور بھڑک اٹھا تھا۔

مشرکین کے چند گھوڑ سواروں نے اپنے گھوڑوں کی تیز رفتاری پر بھروسہ کرتے ہوئے پانی کے تالاب تک پہنچنے کی کوشش کی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے تیر اندازوں کو حکم دیا کہ گھوڑ سواروں کو نزدیک آلینے دیں اور جب وہ تیر اندازوں کی زد میں آگئے تو حکم دیا کہ انہیں اپنے تیروں سے چھلنی چھلنی کر دو۔ سب کے سب زخمی ہو کر زمین پر گر گئے تھے البتہ ایک گھوڑ سوار جس کا نام حکیم تھا بچ گیا تھا۔

ایک اور بت پرست اسد مخزومی نے ہمت نہ ہاری اس کا خون غصے سے کھولنے لگا تھا وہ اس قدر زور سے چیخا تا کہ اس کی آواز مسلمانوں اور اس کے اپنے سپاہیوں تک یکساں طور پر پہنچ جائے : ”مجھے

اپنے، خداؤں کی قسم! لات و عزیٰ کی قسم! محمد ﷺ کی قوم نے پانی ذخیرہ کر لینے کے لئے جو حوض بنایا ہے میں اس سے جا کر اپنی پیاس بجھاؤں گا۔ پھر اس حوض کو توڑ پھوڑ کر رہوں گا، مجھے اس ارادہ سے صرف میری موت روک سکتی ہے!"۔ وہ غرور و تکبر سے اندھا ہو کر آگے بڑھا۔ حضرت حمزہؓ نے مڑے ہوئے پھل والی چھوٹی تلوار سے اس کی ایک ٹانگ کاٹ کر ہوا میں اچھال دی تھی۔ اسد پیچھے گرا اور تیزی سے پلٹ کر ایک ٹانگ کے سہارے بڑی پھرتی سے چلتا ہوا پانی کے حوض کی جانب بڑھا تاکہ اپنا عہد پورا کر دکھائے مگر حضرت حمزہؓ وہاں موجود تھے، آپ نے اسے اُسی لمحے ختم کر دیا تھا جب وہ حوض کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مشرکین کی صفوں میں سے ان کے تین جنگجو سامنے آئے اور ایک کے مقابلے میں ایک کا چیلنج دیا۔ یہ عتبہ اور اس کا بیٹا ولید، اور اس کا بھائی شعبہ تھا۔ ان کے مقابلے کے لئے آنحضور ﷺ نے اپنے تین بہادروں حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ کا انتخاب کیا۔ بہادر حمزہؓ اور جوشیلے علیؓ نے بہت جلدی اپنے مخالفین کو ٹھکانے لگا دیا تھا جو خون سے لت پت ریتلی زمین پر مردہ پڑے تھے۔ مگر عبیدہؓ اور عتبہ نے جونہی اپنی اپنی تلوار کے جوہر دکھانے چاہے دونوں شدید زخمی ہو گئے تھے۔ حضرت عبیدہؓ کی ایک ٹانگ میں اس قدر گہرا گھاؤ تھا کہ ہڈی سے گودا نکل آیا تھا۔ وہ دشمن کے رحم و کرم پر تھے کہ حمزہؓ اور علیؓ نے آگے بڑھ کر انہیں بچا لیا اور آنحضرت ﷺ کے پاس زخمی ساتھی کو لے آئے۔ آپ ﷺ نے عبیدہؓ کا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ کر انہیں یہ خوشخبری سنائی کہ ان کا انعام جنت میں ان کا منتظر ہے۔ جلد ہی عبیدہؓ نے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی تھی اور یوں غزوہ میں شہادت پانے والے وہ پہلے مسلمان تھے

دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی لڑتے رہے تو جنگی سرگرمی کا سا ماحول پیدا ہو گیا تھا جس سے دیکھنے والوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں۔ مگر دشمن کی فوجوں کی تعداد اپنی جگہ موجود تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے سپاہیوں کو کندھے سے کندھا ملا کر کھڑا کر دیا تھا۔ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی مانند صف آرا تھے۔ اسی سے نبی ﷺ اپنے بہت سے سپاہیوں کی بے صبری کو روک سکتے تھے جو اپنے مسلح ساتھیوں کو پیچھے چھوڑ کر دشمن پر جھپٹنے کے بعد بیکار میں خون خرابہ کرتے ہوتے۔

مثلاً سعد ابن قضاعی کو جہاں کھڑا کیا گیا تھا وہ وہاں سے بہت آگے پہنچ چکا تھا۔ آنحضور ﷺ کے ہاتھ میں ایک تیر تھا۔ آپ ﷺ نے اس کا دستہ سعد کے سینے پر مارا اور اسے اپنی مقررہ جگہ پر آ کر کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ سعد چلا اٹھا: "اے نبی ﷺ! آپ ﷺ کو اللہ نے نیکی اور عدل کا بول بالا کرنے کے لئے بھیجا ہے آپ نے مجھے مارا ہے اب اس کے بدلے آپ ﷺ کے جسم پر میری

طرف سے چوٹ لگنی چاہیے۔" "اپنے اطمینان کی خاطر تمہیں ایسا کرنے کی اجازت ہے" حضور ﷺ نے جواب دیا۔ "مگر آپ ﷺ کے جسم پر تو لباس ہے جبکہ میرے جسم کے گوشت پر کوئی کپڑا نہ تھا جب آپ ﷺ نے تیر کا دستہ مارا۔" رسول اللہ ﷺ نے اپنا سینہ کپڑا ہٹا کر سامنے کر دیا اور فرمایا: "اے سعد تم بھی مجھے اسی طرح ضرب لگاؤ جس طرح میں نے تمہیں لگائی۔"

اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سعد نے محمد ﷺ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا لیا اور آپ ﷺ کے لب مبارک اپنے جسم سے مس کر لئے۔ آنحضور ﷺ نے پوچھا: "تم نے ایسا کیوں کیا؟" جواب دیا: "اے اللہ کے رسول! موت میرے سامنے ہے میں نے چاہا کہ بوقت الوداع میرا جسم آپ ﷺ کے جسم اطہر سے مس ہو جائے"

جذبہ جان نثاری کی یہ شدت دیکھ کر آنحضور ﷺ نے اللہ سے سعد کے لئے رحمت مانگی۔ پھر اپنے آدمیوں کو یہ حکم دیتے ہوئے کہ دشمن کے حملے کے وقت پیچھے نہ ہٹیں۔ آپ ﷺ ابو بکرؓ کے ہمراہ عقب میں اس برجی پر پہنچے جسکے دروازے پر سعد ابن معاذؓ تلوار ہاتھ میں لئے پہرہ دے رہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دعا فرمائی: "اے اللہ! اپنا وعدہ یاد رکھنا! اگر آج تیرے دین کے سپاہی مٹ گئے تو اس زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا!"

تعداد کے بڑے فرق پر کچھ متفکر ہو کر محمد ﷺ نے دوبارہ اپنے رب کے حضور سجدہ دیا اور گڑگڑا کر بڑی عاجزی سے دعا مانگی۔ آپ ﷺ کے کندھوں سے چادر سرک گئی تو ابو بکرؓ نے اسے اٹھا کر دوبارہ آنحضور ﷺ کے کندھوں پر ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! اطمینان رکھیئے اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا!"

کچھ زیادہ تھک جانے کی وجہ سے اور کچھ فکر مندی سے آنحضور ﷺ کی آنکھیں ایک لمحے کے لئے بند ہوئیں اور پھر فوراً کھل گئیں۔ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ رہی تھی۔ فرمایا: "اے ابو بکرؓ! خوشخبری ہے۔ فرشتہ جبریل ہماری مدد کو آرہا ہے۔ میں اس کے گھوڑے کے سموں سے اٹھتی ریت کا بگولہ دیکھ رہا ہوں!"

آپ ﷺ برجی سے فوراً باہر آگئے اور اپنے سپاہیوں کو بلا کر ان سے یوں مخاطب ہوئے: "ہمارے دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے ہیں! میں بھاگتے ہوئے دشمن کی پیٹھ دیکھ رہا ہوں! میں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ جو مومن کسی دشمن کو موت کے گھاٹ اتارے گا اموال غنیمت پر اس مومن کا حق ہو گا۔ اور جو مومن دشمن سے مقابلہ کے دوران شہید ہو گا اس کا استقبال فوراً بعد جنت الفردوس کے باغات میں خود اس کا پروردگار کرے گا۔"

عامر ابن حمامہ جو یہ سارے وعدے سن رہا تھا کچھ کھجوریں لئے کھانے لگا تھا۔ اس نے

کھجوریں منہ میں ڈالنے کے بجائے زمین پر حقارت سے پھینک دی تھیں۔ خوشی ومسرت کے جذبات سے سرشار ہو کر وہ چلایا: "بخٍ! بخٍ! میرے اور جنت کے درمیان ایک معمولی سی رکاوٹ ہے جو سامنے صف آراء دشمن کے ہاتھوں شہید ہو جانے سے دور ہو سکتی ہے" یہ جملہ مکمل کئے بغیر اس نے تلوار میان سے نکال لی تھی اور پلک جھپکتے ہی بت پرستوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ وہ دشمن کی صفوں کے درمیان خون کا راستہ بناتا گیا اور پھر ان گنت دشمنوں کو موت کی نیند سلا کر خود خالق حقیقی سے جاملا تھا۔

مومنین میں ایک اور شخص نے جب آنحضور ﷺ کی زبانی یہ سنا کہ اللہ کے نزدیک اس کی عنایات کا مستحق وہ شخص سب سے زیادہ ہو گا جو دین کی خاطر بے تیغ بھی لڑ رہا ہو گا۔ تو اس نے سینہ بند اتارا اور عامر کے پیچھے پیچھے دشمن کی صفوں میں داخل ہو گیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی کئی دشمنوں کو جہنم رسید کرنے کے بعد خود بھی کٹ کر گر گیا تھا۔

اب مسلمانوں کو روکنا ممکن نہ رہا تھا۔ رسول اللہ نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور اسے قریش کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا: "اللہ کرے ان کے چہروں پر پردہ پڑ جائے:" اور پھر حکم دیا: "آگے بڑھو اے مومنو آگے بڑھو:" مسلمان کسی انسانی طوفان کے مانند بت پرستوں پر ٹوٹ پڑے۔ خوفناک آوازیں ہوا کو چیرتی بلند ہو رہی تھیں۔ ہتھیاروں کے ٹکرانے کی آوازیں، دشمن کی شکست خوردگی کی آوازیں اور مسلمانوں کے فاتحانہ نعرے وادی میں گونج رہے تھے۔ کچھ اس طرح کا شوروغل بھی تھا جو رک رک کر بلند ہوتا تھا اور یہ آواز کسی نقارہ کی آواز لگتی تھی۔

بنو غفار کا ایک بت پرست بتاتا ہے کہ "میں اپنے چچازاد کے ساتھ اس پہاڑی کی چوٹی پر گیا جہاں سے پورا میدان جنگ نظروں کے سامنے آجاتا تھا۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ جنگ میں کس فریق کا پلڑا بھاری ہے تاکہ فاتحین کیساتھ شامل ہو کر مفتوحہ فریق کا مال لوٹ سکوں۔

جس وقت اسلام کے سپاہیوں نے حملہ کیا اچانک اس لمحے ان کے پیچھے وادی کی گہرائیوں سے ریت کا ایک بہت بڑا ستون اٹھا جو حیرت انگیز رفتار کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے بھورے رنگ کے مرغولوں نے بادلوں کا روپ دھار لیا تھا۔ پھر عجیب و غریب اور ڈراؤنی صورتیں ابھریں اور پھر غائب ہو گئیں۔ یوں لگتا تھا جیسے قوی ہیکل زمین نے آسمانوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے!

بگولے میں سے عجیب قسم کی آوازیں نکلیں۔ میرا تو ڈر کے مارے خون خشک ہو گیا تھا میں نے ہنہناتے ہوئے، روندتے گھوڑوں کو دیکھا۔ وہ اپنے شہپر پھڑپھڑا رہے تھے۔ پھر نقاروں کی آواز سنائی دی جو سارے شوروغل پر حاوی تھی۔ اتنے میں ایک تحکمانہ آواز سنائی دی:

"آگے بڑھو حیزوم!"

پلک جھپکنے کی دیر سے بھی پہلے یہ بگولہ مومنین کے قریب پہنچ گیا تھااور ان کے ساتھ مل کر بت پرستوں کی صفوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ یہ جلد ہی ہم تک بھی آ پہنچا تھا۔ اس کی زرد سیاہی سے ہمارا دم گھٹنے لگا تھا۔ میرا ساتھی میری نظروں سے اوجھل ہو گیا تھا اور قریب تھا کہ میں خوف کے مارے بے ہوش ہو جاؤں۔ ہوا کے تیز جھونکے مجھے ادھر ادھر دھکیل رہے تھے اور تنکے کی مانند اڑ جانے سے بچنے کے لئے میں آگے کو نکلی ہوئی چٹانوں سے چمٹ گیا تھا۔ ہیبتناک چیخ و پکار سے میرے کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے زخمیوں کی آہ و بکا سنائی دے رہی تھی۔ مغلوب اور شکست خوردہ فوجوں کے کلمات کفر اب گھن گرج میں مدغم ہو گئے تھے۔ کہر کے زرد دھندلکے میں، آسمانی بجلی کی روشنی میں تلواریں اور نیزے چمک رہے تھے۔

آخر کار جب بگولا گزر گیا تو میں نے اپنے ساتھی کو اوندھے منہ زمین پر پڑا دیکھا اس کا سینہ چاک تھا اور اس کے دل کی جھلی نظر آ رہی تھی۔ کسی طوفان میں جڑوں سے اکھاڑ کر پھینک دیئے گئے درختوں کی مانند وادی میں ان گنت لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ کچھ فاصلے پر سورج کی روشنی میں اسلام کے سپاہی بھاگتے دشمن کا تعاقب کر رہے تھے۔“

یہ بگولا دراصل جبریلؑ کے گھوڑے حیظم کا راستہ تھا جنہیں محمد ﷺ نے تین ہزار فرشتوں کے ہمراہ اپنی مدد کے لئے اڑتے ہوئے آتا دیکھا تھا۔ ریت کا بگولا جسے تیز و تند ہوا نے بلند کیا تھا انسانی بگولے کے ساتھ مل گیا تھا، جسے ایمان کی طوفانی ہواؤں نے اکھٹا کر کے اللہ کے دشمنوں پر محیط کر دیا تھا۔ اس الجھن سے نکلنا دشمن کے لئے ممکن نہ تھا۔ اڑتی ہوئی ریت کی طوفانی لہریں سیدھی بت پرستوں کے منہ سے آ کر ٹکراتی تھیں۔ گوشت پر آبلے نمودار ہو جاتے تھے، نتھنوں میں ریت گھس جاتی تھی، آنکھوں کو اندھا کر دیتی تھی اور دشمن دیکھ ہی نہ سکتا تھا کہ وار کہاں کرنا ہے نہ ہی دفاع کے لئے کچھ سجھائی دیتا تھا۔

اس کے برعکس طوفان نے مومنین کی تندی و تیزی میں اضافہ کر دیا تھا۔ ان کی آنکھیں کھلی تھیں اور وہ دشمن کے حملے سے اپنا بچاؤ کر سکتے تھے اور انہیں مولی گاجر کی مانند کاٹ کر پھینک دینے پر قادر تھے۔ مزید ان کے لئے یہ بہتر ہوا کہ ایک انجانی مافوق الفطرت قوت نے ان کی طاقت میں دس گنا اضافہ کر دیا تھا۔ جب وہ ہتھیار چلاتے تو انہیں یوں محسوس ہوتا گویا ہوا میں وار کر رہے ہیں اس لیے کہ ان کے ہتھیاروں کے جواب میں سامنے سے کوئی رکاوٹ محسوس نہ ہوتی تھی۔ بعد ازاں جب جنگ ختم ہو گئی تو فاتح فوج کے ایک سپاہی نے بتایا: ”میں دشمن کے سر پر اپنی تلوار سے ابھی بمشکل وار کرتا ہی تھا کہ سر اس کے کندھوں سے جدا ہو کر زمین پر لڑکھڑاتا نظر آتا۔ کئی بار تو مجھے یہ بھی محسوس ہوا کہ میری تلوار کے وار سے جیسے پہلے ہی دشمن کا سر کٹ کر گر گیا ہو۔ اس کی

تصدیق قرآن حکیم کی اس آیت سے ہو جاتی ہے :

"سوتم نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا" (۸ : ۱۷)

ستر بت پرستوں نے مٹی پھانکی اور ان میں وہ سازشی بھی شامل تھے جنہوں نے مکہ میں آنحضور ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ قتل ہونے والے دشمنوں میں سے ۲۴ کا تعلق بہت بڑے خاندانوں سے تھا۔ ان میں عتبہ، ولید، شعبہ، امیہ ابن خلف، ابو بختری، حنظلہ، ابوسفیان کا بیٹا وغیرہ شامل تھے۔ اور ان میں سب سے اہم جو اس مہم کا سپہ سالار تھا مشہور زمانہ ابو جہل بھی تھا۔

یہ جانتے ہوئے کہ ابو جہل ہی نے آنحضرت ﷺ کے خلاف سازش تیار کی تھی مومنین اس جنگ کے دوران سب سے بڑے سازشی کی تلاش میں تھے۔ ان میں سے معاذؓ ابن عمرؓ اس سازشی کے روبرو آئے تو جھپٹ کر اس کی ران کو چھید ڈالا۔ ابو جہل کا بیٹا عکرمہ اپنے باپ کی مدد کے لئے آگے آیا اور مڑے ہوئے پھل والی تلوار کے ساتھ معاذؓ کے بائیں بازو پر زخم لگایا۔ بازو کندھے سے جدا ہو گیا تھا صرف تسمہ باقی رہ گیا تھا۔ یہ کٹا ہوا بیکار بازو لڑائی میں معاذ کے لئے رکاوٹ ثابت ہو رہا تھا۔ معاذؓ نے اس پر پاؤں رکھ کر اسے کھینچ کر علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کٹے ہوئے بازو کو دور پھینک کر وہ پھر لڑنے لگے تھے۔

دو نوجوان انصار جو عفرہ کے بیٹے تھے۔ آگے بڑھے، ابو جہل کو زین پر سے کھینچ کر اُتارا اور اسے زخموں سے چور چور دیکھ کر مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ آنحضرت ﷺ کے ذہن میں دشمن کے ہر فرد سے زیادہ ابو جہل کا خیال تھا۔ آپ اس کے انجام کے بارے میں جاننا چاہتے تھے ابن مسعود اس تلاش میں نکلے اور آخر کار ابو جہل کو ڈھونڈ نکالا وہ لاشوں کے انبار میں پڑا ہوا تھا۔ بت پرستوں کا سردار ابھی سانس لے رہا تھا۔ مرتے ہوئے ابو جہل کی گردن پر ابن مسعودؓ نے اپنا پاؤں رکھا جیسے کوئی کسی موذی ناگ کی گردن پر رکھتا ہے۔ مگر جونہی ابن مسعودؓ جھکے تاکہ ابو جہل کو کاٹ کر پھینک دیں اس نے انہیں ڈاڑھی سے پکڑ لیا اور اپنے فاتح کے منہ پر ٹکٹکی باندھ کر دیکھتا ہوا معمولی سے طیش کے ساتھ چیخا۔ اس لمحے اس کے گلے میں عالم نزع کا گھنگھرو بج رہا تھا: "کیا تم نے کبھی مجھ جیسا بڑا انسان دیکھا ہے جو ایک حقیر سے کسان کے ہاتھوں قتل ہو رہا ہے؟"

اس بے دین کی زبان بند کرنے کے لئے ابن مسعود نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا اور کٹا ہوا سر رسول اللہ ﷺ کے پاس لے کر حاضر ہوئے۔ دشمن کا خون آلود چہرہ دیکھ کر محمد ﷺ نے فرمایا: "بیشک یہ شخص اپنی قوم کا قابل نفرت فرعون تھا!"

سخت دھوپ میں پڑا رہنے کی وجہ سے لاشیں مسخ ہو گئی تھیں۔ مردوں کے متورم چہروں کا رنگ سیاہ پڑ گیا تھا۔ مومنین کے خیال میں یہ اس بات کا ثبوت تھا کہ بت پرستوں کو ملکوتی مخلوق نے

مارا تھا۔ کیا جہنم کی آگ نے انہیں قبل از وقت ہی جلا کر کوئلہ بناڈالا تھا؟ محمد ﷺ نے پورے میدان جنگ کا چکر کاٹا اور جو لاش بھی نظر آجاتی آپ ﷺ حکم فرماتے کہ اسے فوراً دفن کردیا جائے، کوئی امتیاز نہ برتا گیا کہ لاش کس مذہب کے پیروکار کی تھی۔ حذیفہ جو ابتدائی ایمان لانے والوں میں سے تھے، آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اچانک حذیفہ کے والد عتبہ ابن ربیعہؓ کی لاش سامنے آگئی۔ باپ کی لاش کو اس حالت میں دیکھ کر بیٹے کے چہرہ کا رنگ ماند پڑ گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا: "کیا باپ کی موت نے تمہیں پریشان کردیا ہے؟" "نہیں اللہ کی قسم یہ بات نہیں، صدمہ اس بات کا ہے کہ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ میرے باپ کو اللہ نے ذہانت، نیکی اور فیاضی جیسی صفات سے نوازا تھا۔ میں یہ توقع لئے بیٹھا تھا کہ میرا باپ نجات کے راستے پر چل پڑے گا مگر اس کی موت نے میری یہ امید بھی آج ختم کردی ہے۔ اور میرے رنج کا اس وقت سبب بھی یہی ہے!"

رسول اللہ ﷺ اس غیر جذباتی مسلمان کے جواب سے متاثر ہوئے اور اس کے لئے اللہ کی رحمتیں طلب کیں۔ اب آنحضرت ﷺ کی اونٹنی ان کے پاس لائی گئی، آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے اور ایک خشک کنویں پر پہنچ کر اپنے ۲۴ جانی دشمنوں کو اس میں دفن کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ کنویں کے دہانے کے سامنے کھڑے ہو کر آپ ﷺ نے مرنے والوں کو ان کے نام لے لے کر پکارا:

"او فلاں ابن فلاں! اور تم فلاں کے بیٹے! کیا یہ اچھا نہ تھا کہ
آج کے روز اس انجام سے بچنے کے لئے تم نے اللہ اور اس کے پیغمبر ﷺ کی اطاعت کرلی ہوتی؟

ہمیں تو یقین ہو گیا کہ اللہ نے جو ہم سے وعدہ فرمایا تھا وہ پورا کردیا۔ مگر کیا تمہارے خداؤں کا تم سے کیا ہوا وعدہ پورا ہوا؟ عمرہ نے پوچھا: "مگر اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ مردوں سے کیوں مخاطب ہیں؟" آنحضور ﷺ نے جواب دیا: "اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تم مری آواز اس قدر واضح اور صاف صاف نہیں سن رہے جس طرح یہ بے جان جسم سن رہے ہیں۔"

اس سے آنحضرت ﷺ کا مطلب یہ تھا کے وہ عمرہ کو بتانا چاہتے تھے کہ یہ بت پرست جواب جہنم میں ہیں جب زندہ تھے تو یہ تسلیم کرلینے پر مجبور تھے کہ جو کچھ میں ان سے بار بار کہہ رہا تھا وہ حق و صداقت پر مبنی تھا۔ اس منظر کو حضرت عائشہؓ کی بیان کردہ حدیث بھی پیش کرتی ہے کیونکہ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا: "پس بیشک آپ ﷺ مردوں کو نہیں سنا سکتے" (۳۰ : ۵۲)

مومنین کے صرف ۱۴ افراد شہید ہوئے، چھ مہاجرین اور آٹھ انصار جو جہاد میں شریک ہو کر حیات جاوداں پاگئے تھے۔ کسی جنگ میں جام شہادت نوش کرنیوالے یہ پہلے مسلمان تھے۔

مقام بدر پر پڑاؤ اور مدینہ کو واپسی

آنحضور ﷺ میدان جنگ میں تین روز تک ٹھہرے تاکہ مردوں کی تجہیز و تکفین ہو جائے اور اموال غنیمت اکٹھا کر کے خاندان نجار کی نگرانی میں دے دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ مدینہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔

پیغام رسانوں میں زیدؓ آپ ﷺ کا متبنیٰ اور رواحہ شامل تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے خوشخبری کے ساتھ پہلے روانہ کر دیا تھا۔ وہ اس وقت شہر پہنچے جس وقت مومنین کے لئے صورت حال بڑی نازک ہونے والی تھی۔ گورکنوں نے ابھی قبر کھودنے اور آنحضرت ﷺ کی بیٹی رقیہؓ کو دفن کرنے کے بعد اپنے ہاتھ بھی صاف نہیں کئے تھے۔ آنحضور ﷺ کی یہ صاحبزادی حضرت عثمان ابن عفانؓ کی اہلیہ تھیں۔ شدید علالت جان لیوا ثابت ہوئی تھی۔ مگر "منافقین" اور یہودیوں نے مل کر یہ خوفناک افواہ پھیلانے کی کوشش کی جسے وہ رسول خدا ﷺ کی بدنصیبی ٹھہرانا چاہتے تھے اور ساتھ ہی وہ آنحضور ﷺ کے حامیوں پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے تھے۔

پیغام رساں جو خوشخبری لائے تھے وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ پورے شہر میں پھیل چکی تھی۔ اس سے "منافقین" اور یہودی بڑے سٹپٹائے اور مسلمانوں کی صفوں میں جوش و خروش پھیل گیا تمام مومنین جن میں مرد، عورتیں اور بچے سبھی شامل تھے فاتحین کے استقبال کے لئے جلوس کی شکل میں نقاروں کی آواز پر چل پڑے تھے۔ وہ بیک زبان وہی گیت دہرا رہے تھے جو انہوں نے اس وقت گایا تھا جب آپ ﷺ پہلی بار مدینہ میں داخل ہو رہے تھے:

"وداع کی گھاٹیوں سے ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا میں کوئی باقی ہے ہم پر خدا کا شکر فرض ہے۔ اے اللہ کے رسول ﷺ ہم آپ ﷺ کو اپنے درمیان پاکر بے حد خوش ہیں، جو احکامات آپ ہمارے لئے لائے ہیں ان پر پوری دینداری کے ساتھ عمل ہوگا!"

اس جنگ کے بعد، جو ہمیشہ یادرکھی جائے گی، جس کے نتائج نے پوری دنیا کی تقدیر بدل دی تھی۔ حالانکہ لوگوں کی محدود سی تعداد نے یہ جنگ لڑی تھی مگر ہر سال لاکھوں حجاج وادی بدر جاتے ہیں۔

ایک سیاح ابوالحسین ابن زبیر لکھتے ہیں: "یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے جس کے گرد کبھی دفاعی

مورچہ بندی تھی۔ اب بھی اسی مقام پر کھڑا ہے جہاں وہ خشک کنواں تھا جس میں مشرکین کو دفن کیا گیا تھا وہاں اب کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور کچھ فاصلے پر شہدائے بدر کے مزارات۔

اس سڑک کے بائیں جانب جو صفراء کی طرف سے آ رہی ہے "رحم کا پہاڑ" یا "جبل الرحمہ" ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس پر سے وہ فرشتے اترے تھے جو جنت سے بھیجے گئے تھے۔

وہ "برجی" یا وہ پہاڑی پناہ گاہ جہاں محمد ﷺ کھڑے تھے اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ایک ریتلی پہاڑی کی ڈھلوان پر بنایا گیا تھا جسے "جبل الطبل" کہا گیا یا طبل کا پہاڑ۔ اسے یہ نام اس لئے ملا کیونکہ یہاں زائرین کو فوق الفطرت نقاروں کی آوازیں اکثر سنائی دیتی ہیں۔ یہ پراسرار عسکری موسیقی اسلام کی پہلی فتح کی یاد تازہ کرتی ہے۔"

جتنے بت پرست قتل ہوئے تھے اتنے ہی قیدی بنائے گئے تھے، یعنی ستر اور ان سب کا تعلق اعلیٰ خاندانوں سے تھا۔

ان میں سے دو عقبہ اور نضر تھے۔ ان دو نے تو آنحضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی انتہا کر دی تھی۔ انہیں پہلے ہر جانہ ادا کرنے کو کہا گیا پھر سزائے موت دی گئی۔

محمد ﷺ کے چچا عباس مکہ میں اس لئے رہ جانے پر مجبور تھے کہ روپے پیسے سے متعلق ان کے کچھ مفادات تھے۔ انہوں نے بھی ابھی تک اسلام قبول کرنے کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ قافلے کو خطرے میں گھرا دیکھ کر وہ بھی مدد کو گئے۔ اور قیدی بنا لئے گئے تھے۔ ان کا قد کاٹھ، جسمانی قوت بھی کام نہ آئی تھی کیونکہ انصار میں سے کمزور ترین سپاہی نے انہیں گرفتار کر لیا تھا۔ اس پر آنحضور ﷺ کے چچا حیرت و استعجاب سے بت بنے کھڑے رہے۔ جن رسیوں میں انہیں جکڑا گیا تھا ان سے گوشت زخمی ہو گیا اور آپ درد سے زور زور سے کراہنے لگے تھے۔ ایک مسلمان نے قیدی کے حسن سلوک کو یاد کر کے اور اس بنا پر کہ وہ آنحضرت ﷺ کے عزیز ہیں رسیاں ڈھیلی کر دی تھیں۔ یہ سن کر اور چونکہ آنحضور ﷺ کی طرف سے اجازت نہ تھی کہ ان کے خاندان کے کسی اسیر کے ساتھ خصوصی سلوک کیا جائے حضور ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قیدیوں کی رسیاں اسی طرح ڈھیلی کر دی جائیں تاکہ کسی ایک شخص سے جانبدارانہ سلوک کا اعتراض نہ ہو۔

اسیرانِ بدر کی تقدیر کا فیصلہ کرنا ابھی باقی تھا۔ حضرت ابو بکرؓ کا خیال تھا کہ فاتحین اور مفتوحین کے درمیان خونی رشتے کا تعلق تھا اس لئے بہتر ہو گا کہ قیدیوں سے فدیہ قبول کر لیا جائے۔ رعب و دبدبے کے لئے مشہور حضرت عمرؓ فاروق نے یاد دلایا کہ قیدیوں نے مسلمانوں کو بڑی اذیتیں دی ہیں اور یہی لوگ آنحضور ﷺ کی جلاوطنی کے ذمہ دار تھے اس لئے بغیر کسی رحم و کرم کے انہیں تہ تیغ کر دیا جائے۔ دونوں آراء پر برابر برابر تعداد میں مسلمان متفق تھے۔

پیغمبر خدا ﷺ نے ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ بد قسمت مگر بہادر اور شجاع قیدیوں کے ساتھ عزت سے پیش آیا جائے اور ان سے حسن سلوک کا مظاہرہ کیا جائے۔ آنحضور ﷺ نے قیدیوں کی رسیاں کھلوا دیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ باری باری ان قیدیوں کی نگرانی کریں۔ مومنین نے خلوص نیت سے آنحضرت ﷺ کے احکامات کی تعمیل کی اور ان قیدیوں کو اپنے حصے کا کھانا کھلایا جنہیں کھانے کو کھجوریں ملتی تھیں۔

ہر قیدی کی مالی حیثیت کے مطابق فدیہ مقرر کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے چچا عباس کو سب سے بڑی رقم بطور فدیہ دینی پڑی۔ دوسروں کو بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا گیا تھا۔

تاہم محمد ﷺ نے ہر قیدی کے لئے یہ شرط عائد کر دی تھی کہ ہر وہ قیدی جو لکھا پڑھا ہے وہ انصار کے دو بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے گا تب اسے آزادی ملے گی۔

قیدیوں میں ابوالعاص بھی تھا، متمول اور مشہور انسان، وحی کے نزول سے قبل اس کی شادی سیدہ زینب، آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی سے ہوئی تھی مگر وہ اب تک بت پرست تھا اپنے شوہر کی رہائی کے لئے مکہ سے سیدہ زینب نے کچھ رقم اور اپنا ہار بھیجا جو انہیں شادی کے موقعہ پر ان کی والدہ ماجدہ، حضرت خدیجہؓ نے تحفے میں دیا تھا۔ رسول خدا ﷺ نے یہ ہار اس لیے پہچان لیا تھا کیونکہ اسے آپ نے کئی بار اپنی محبوب بیوی کے گلے میں دیکھا تھا۔ آنحضرت ﷺ ضبط نہ کر سکے اور اپنے ساتھیوں سے پوچھا اگر تم لوگ میری مخالفت نہ کرو تو میں زنیب کے شوہر کو رہا کر کے واپس بھیج دوں اور فدیہ معاف کر دوں۔

کسی نے اعتراض نہ کیا تو آپ ﷺ نے اپنے قیدی سے کہا کہ وہ آزاد ہے لیکن ایک شرط پر اور وہ شرط یہ ہے کہ میری بیٹی میرے بازوؤں میں لوٹا دو کیونکہ مسلمانوں کی کوئی عورت کسی بت پرست کے قبضے میں نہیں رہ سکتی۔ کافی پس و پیش کے بعد قیدی نے یہ شرط منظور کر لی اور جب وہ مکہ پہنچا تو اپنے وعدہ پر قائم تھا۔

قریش نے جب یہ سنا کہ سیدہ زنیب جا رہی ہیں تو انہوں نے تعاقب کیا ان میں سے حبار نامی شخص نے آپ پر نیزے کی انی سے اس قدر ظالمانہ طریقے سے وار کیا کہ آپ ہودج میں سے نکل کر اونٹ کی پیٹھ پر سے زمین پر جا گریں۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جلد ہی سیدہ زنیب جو حاملہ تھیں زخموں کی تاب نہ لا کر اور جو برا سلوک آپ کے ساتھ کیا گیا تھا اس کی وجہ سے انتقال فرما گئیں۔

غم و اندوہ کے اثر کے تحت آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ جو کوئی بد بخت اور ظالم حبار پر ہاتھ ڈالے اسے زندہ جلا دے مگر جلد ہی پیغمبر خدا ﷺ نے یہ حکم منسوخ کر دیا تھا۔ فرمایا صرف رب کائنات کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی کو آگ میں ڈال دینے کا حکم صادر فرمائے یہ اشارہ جہنم کی،

آگ کے شعلوں کی جانب تھا۔

ابوالعاص ایک بار شام سے قافلہ لے کر آرہا تھا کہ مسلمانوں نے دوبارہ اسے گرفتار کر لیا آنحضرت ﷺ نے ایک بار پھر اُسے آزاد فرمادیا وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ قیدیوں سے حسن سلوک میں کوئی کمی نہ چھوڑتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے ہم وطن قیدیوں سے بڑی فیاضی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ اس رحمدلی کے نتیجے میں بہت جلد اہل مکہ کی ایک بڑی تعداد کو قبول اسلام کی نعمت سے نواز دیا گیا تھا۔ یہ قیدی رہا ہو کر جب اپنے اپنے خاندان والوں سے آکر ملتے تھے تو آنحضرت ﷺ کے رحیمانہ و کریمانہ سلوک کے قصے بیان کرتے تھے۔

دشمنانِ اسلام سے غالباً اس رحمدلی کے باعث مستقبل میں ایک بہت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ آنحضرت ﷺ پر یہ وحی نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کو اسکا قصوروار ٹھہرایا گیا۔ حضور ﷺ اس خیال سے بے حد مغموم تھے کہ ان کی فیاضی کئی مومنین کی موت کا سبب بنے گی اس لئے کہ وہ یہ توقع نہیں کر سکتے تھے۔

کہ نیکی اور اچھائی دشمنی کے جذبے کو مکمل طور پر بہا کر لے جائیگی۔

فتح و نصرت کے فوراً بعد اموال غنیمت کی تقسیم پر مومنین میں پھوٹ پڑنے والی تھی، ہر شخص کا خیال تھا کہ جو مال غنیمت اس کے ہاتھ لگا ہے اسی کا ہے وہ مسلمان جو اس خیال سے نہیں لڑے تھے کہ دشمنوں کو قتل کرنے کے بعد ان کے مال پر قبضہ کرلیں گے وہ بھی اب اپنے حصے کے حصول کا مطالبہ کر رہے تھے اور اپنے ان ساتھیوں سے تقاضا کر رہے تھے جو سارا مال خود رکھنا چاہتے تھے وہ ان ساتھیوں سے کہتے ”اگر ہم نہ ہوتے تو مال غنیمت میں سے تمہارے ہاتھ کچھ نہ لگتا۔“ بالآخر جو دستہ سب سے پیچھے تھا اس کے سپاہیوں نے بھی شکایت کی اور کہا ”اگر ہم نے آنحضرت ﷺ کی حفاظت کو سب باتوں پر ترجیح نہ دی ہوتی اور ہم بھی تم لوگوں کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے ہوتے تو بہت سا مال غنیمت ہمارے ہاتھ بھی لگتا۔“ یہ بحث مباحثہ طول کھینچ ہی رہا تھا کہ وحی کے نزول نے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دیا۔ ”آپ ﷺ سے مال غنیمت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیں مال غنیمت اللہ اور رسول ﷺ کے لیے ہے۔“ (۸ : ۱)

مدینہ دوبارہ واپس آکر آنحضرت ﷺ نے اموال غنیمت کی تقسیم اصول کے مطابق کی۔ نہ صرف یہ کہ عقبی دستے کے لوگوں کو ان کا حصہ ملا بلکہ وہ مسلمان جو جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں شہر میں رہ کر اسلام کی خاطر چوکس رہے تھے ان میں سے بھی چند مومنین کو مال غنیمت میں سے حصہ ملا تھا۔ یوں محمد ﷺ نے ہر ایک کو مطمئن کر دیا تھا۔ خود آنحضرت ﷺ نے اتنا حصہ ہی لیا جتنا ایک عام سپاہی کو ملا تھا۔ البتہ آئندہ کے لئے یہ طے کر دیا

گیا تھا کہ اموال غنیمت کا پانچواں حصہ یوں تقسیم ہوگا : ''اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور (ان کے) قرابت داروں کے لئے اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے۔ (۸۔۴۱)

اہل مکہ بہت خوش تھے کہ جس قافلے نے انہیں اس قدر پریشان کر دیا تھا وہ واپس آ گیا ہے۔ وہ قافلے کی واپسی پر جشنِ مسرت منا رہے تھے اور شکست خوردہ فوج ابھی باقی ساتھیوں سے پیچھے تھی۔

پہلے تو شہریوں نے اِتنی بڑی تباہی پر یقین کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس کا ایک سبب تو یہ تھا کہ انہیں اپنی مسلح فوج کی تعداد پر بڑا بھروسہ تھا۔ ان بھاگ جانے والوں کو بزدل تصور کیا گیا تھا جو جنگ شروع ہوتے ہی ساتھیوں کو چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے۔

جب ہر طرح کا شک و شبہ جاتا رہا تو اللہ کے دشمنوں کو حیرت اور گھبراہٹ دامنگیر ہو گئی تھی۔ اس مہم کے اصل منتظم اور نگراں ابولہب کے غصے کی انتہا نہ تھی۔ ابولہب کی موجودگی میں جنگ سے بھاگ جانے والے ایک شخص نے جو معجزات دیکھے تھے ان کے بارے میں بتایا اور اس شخص کے خیال میں شکست کا باعث بھی یہی معجزات تھے۔ اس نے کہا : ''مسلمانوں کو یقیناً غیبی مدد حاصل ہوئی تھی۔ اس لئے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ بگولے میں چتکبرے گھوڑوں پر سوار سفید عبائیں پہنے بہت سے سپاہی فوق الفطرت قوت کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ یہ مسلمانوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے تھے۔ محمد ﷺ کے چچا عباس کے ایک غلام ابورافع نے کہا''اللہ کی قسم وہ فرشتے تھے۔''

اس قصے سے جو خوف و ہراس پھیلا تھا اس پر ابولہب کو بہت غصہ آیا وہ ابورافع پر ٹوٹ پڑا۔ اسے نیچے گرا کر وہ اس پر چڑھ بیٹھا تھا اور انتہائی بے رحمی سے اسے مار مار کر اپنا غصہ ٹھنڈا کیا۔ عباس کی بیوی نے مخل ہو کر کہا''ابولہب تمہیں شرم آنی چاہیے تم آقا کی غیر موجودگی میں اس کے غلام کو اس قدر بے رحمی سے مار رہے ہو؟'' پھر ایک نیزہ اٹھا کر ابولہب کے منہ پر مارا جس سے اس کا خون نکل آیا تھا۔ یہ سزا اس قدر مناسب تھی کہ احتجاج میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی ابولہب سب کی نظروں سے گر گیا تھا۔ وہ وہاں سے چلا گیا اور اپنی خفت اور ندامت کے ساتھ ساتھ اپنا غصہ چھپانے کے لئے گھر کے ایک کونے میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ ابھی زخم تازہ بتازہ تھا اور وہ اپنے غیض و غضب پر قابو نہ پا سکا تھا۔ اس کے خون میں ایسی خرابی پیدا ہوئی کہ پورے جسم پر سرخ آبلے نمودار ہو گئے تھے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر اس کی موت واقع ہو گئی تھی۔

جہاں تک ابوسفیان اور اس کی بیوی ھندہ کا تعلق ہے وہ اپنے بیٹے حنظلہ کی موت اور شکست کے بعد اپنی قدر و منزلت میں کمی کے باعث اس بات کا برملا اظہار کر رہے تھے کہ انہیں بدلہ لینا ہے

ابو سفیان نے اپنی حیثیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حکم دیا کہ رنج و غم کا اظہار بالکل نہ کیا جائے۔ حکم یہ تھا کہ اپنے مرجانے والوں پر نوحہ کناں مت ہو۔ معمول کے رسم و راج کے مطابق رونا پیٹنا یا بین کرنا منع ہے۔ شعراء مقتولین پر مرثیے لکھنے سے گریز کریں۔ اے اہل مکہ اپنے رنج و الم کے اظہار سے دشمن کی خوشیوں میں اضافہ کرنے سے باز آؤ میں تم سب کے دل و دماغ میں ایک ہی لفظ کی گونج سننے کا آرزومند ہوں۔ "انتقام اور انتقام :" اس نے حلفیہ وعدہ کیا کہ جس دن تک انتقام سے اپنے زخمی دل کا مرہم نہیں حاصل کر لیتا اس وقت تک نہ، خلوت میں بیوی کے قریب جائے گا نہ اپنے پسندیدہ عطر استعمال کرے گا۔ آنحضرت ﷺ کی فتح کے اثرات عرب کے قبائل میں دور، دور تک پھیل گئے تھے آپ ﷺ کی فتح کی خبر تو سمندروں کو پار کر گئی تھی آپ ﷺ نے اپنا سفیر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس بھیجا تا کہ اس جنگ کے نتائج سے باخبر کر سکیں اور اس بادشاہ کے دربار میں پناہ لینے والے مومنین کو بھی مطلع کیا جا سکے کہ اب وہ لوگ مدینہ کی دیواروں کے پیچھے آنحضور ﷺ کے ہمراہ بالکل محفوظ ہوں گے۔

اے ایمان والو جب کسی جماعت (کفار) سے تمہارا آمنا سامنا ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بکثرت یاد کرو تا کہ تم فلاح (دو جہان میں کامیابی) پاؤ (۸ : ۴۵)

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ

اور تم سست نہ پڑو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان والے ہو (۳ : ۱۳۹)

باب ۔ ۶

حضرت علیؓ کی شادی

حضرت علیؓ اسلام کے لئے اپنے قابل تعریف جذبہ ایثار و قربانی، نا قابل تسخیر جرأت و ہمت اور پاکیزہ طرز زندگی کی وجہ سے اسلام کے بے حد ہر دلعزیز ہیرو شمار ہونے لگے تھے۔ مگر اپنی انتہائی غربت اور افلاس کی وجہ سے آپ ایک باغ کے مالک انصار کے پاس اُجرت پر کام کرتے تھے۔ عبادت سے جو وقت بچتا وہ آپ اس شخص کے باغ میں کھجوروں کو پانی دینے میں صرف کرتے تھے۔ اس صورت حال میں بھی آپ کے معرکے بے مثال تھے ان کارناموں نے حضرت علیؓ کو لوگوں کی نظر میں ایک اعلیٰ مقام دے دیا تھا۔

ایک روز حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عثمانؓ نے دیکھا کہ حضرت علیؓ ایک کنویں سے پانی نکالنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے آپ کو اس کام سے روک کر ان کی ایک دیرینہ خواہش یاد دلائی جب آپ حضرت فاطمہؓ بنت رسول اللہ ﷺ سے شادی کرنے کے آرزو مند تھے۔ حضرت علیؓ غصہ کو آ گیا۔ آپ نے فرمایا "آپ لوگ جانتے ہیں میں کس قدر غریب ہوں مجھے وہ خواب مت یاد کرائیے جو کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا!"

دونوں حضرات نے یقین دلایا کہ ان کی خدمات اس معاملے میں حاضر ہیں۔ حضرت علیؓ نے ہمت سے کام لے کر تلوار، زرہ بکتر اور گھوڑے کی زین اپنے ساتھ لے لی کہ یہی آپ کا کل سرمایہ تھا۔ پھر آنحضور ﷺ کے در پر جا کر دستک دی۔

محمد ﷺ نے علیؓ کو ان الفاظ کے ساتھ خوش آمدید کہا "میرے روبرو اس وقت ایک ایسا انسان کھڑا ہے جو مجھے ہر ایک سے زیادہ عزیز ہے" علیؓ سر جھکائے خاموش کھڑے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا: "کہو! کیا کہنا چاہتے ہو۔" حضرت علیؓ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے یوں ہمکلام ہوئے۔ "اے پیغمبر خدا! میں ایک یتیم لڑکا تھا کہ آپ ﷺ نے میری پرورش کی اور مجھے شفقت پدری سے نوازا اب میں عمر کے اس حصے میں ہوں جب ہر شخص کا اپنا گھر ہونا چاہیے۔ ایک بار اور مجھے حضور ﷺ کی مدد کی ضرورت ہے میں آپ ﷺ کے پاس یہ

درخواست لے کر حاضر ہوا ہوں کہ ازراہِ لطف و کرم مجھے اپنی بیٹی فاطمہؓ نکاح میں دے دیجئے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا جہیز لائے ہو؟" آپ ﷺ تو میری غربت سے واقف ہیں پھر بھی جو کچھ میرے پاس تھا لے آیا ہوں تلوار' زرہ بکتر اور زین حضور ﷺ کے قدموں میں رکھ دیئے۔ "تمہاری تلوار تو تمہارے دین کی امانت ہے اس لیے یہ تو مجھے قبول نہیں۔ لیکن چونکہ تمہارا سیدھا ہاتھ تمہارے سینے کی حفاظت زرہ بکتر سے زیادہ بہتر طریقے سے کر سکتا ہے۔ اس لیے جاؤ اپنی زرہ بیچ کر اس کی قیمت میرے پاس لے آؤ یہی میری بیٹی کا جہیز تصور ہوگا۔"

حضرت علیؓ کو یوں لگا جیسے ان کی زندگی کی ساری آرزوئیں پوری ہو گئی ہوں، ایک خریدار تلاش کیا۔ عثمان غنیؓ نے زرہ کی اچھی قیمت لگائی اور اسے خرید کر دوبارہ واپس علیؓ کو اس اصرار کے ساتھ لوٹا دی کہ وہ اسے ان کی طرف سے شادی کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لیں۔

جلد ہی شادی کے انتظامات مکمل ہو گئے تھے۔ محمد ﷺ نے اس کی منظوری دیتے ہوئے علیؓ سے فرمایا "بے شک اللہ نے تجھے میری بیٹی' اس دنیا میں میری طرف سے دینے سے پہلے ہی جنت میں دی دے تھی"۔

مومنین کی ایک کثیر تعداد حضرت بلالؓ کے بلاوے پر جمع ہو گئی تھی تاکہ اپنے رہنما ﷺ کا خطبہ سن سکیں۔ جو اپنی بیٹی کی علیؓ سے شادی کے موقعہ پر بوقت نکاح سب کو آگاہ کرنے کے خواہش مند تھے۔ بلالؓ کے ذمہ یہ اہم کام لگایا گیا تھا کہ گھر گرہستی کے لئے جن چند سادہ سی اور بہت ضروری چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ لے آئیں۔ جہیز کی رقم میں سے نصف تو ایک چٹائی، کھجور کے درخت کے ریشوں سے تیار کردہ تکیہ، پانی کے لئے مشک اور چند مٹی کے برتن خریدنے پر صرف ہوئی بقیہ نصف رقم سے مکھن' کھجوریں اور' آٹا خریدا گیا جو بڑی کفایت شعاری کے ساتھ شادی کے کھانے کے طور پر پیش کیا گیا تھا۔

جب رسم کے طور پر کچھ خواتین دلہن کو لینے کے لئے آئیں تاکہ اسے شوہر کے حجرے تک چھوڑ آئیں تو آنحضور ﷺ کو فاطمہؓ کی والدہ خدیجہؓ بہت یاد آئیں جو اسوقت موجود ہوتیں تو یہ کام ان کے سپرد ہوتا۔ اس خیال نے رسول اللہ ﷺ کو افسردہ کر دیا تھا۔ آنسو آپ ﷺ کی آنکھوں سے نکل کر رخساروں پر آگئے تھے جذبات پر قابو پانے کے بعد آنخضرت ﷺ نے علیؓ کو اپنے دائیں طرف اور فاطمہؓ کو بائیں طرف لے کر فرمایا "اللہ تم دونوں کو ایسی صالح اولاد دے جو ہماری نسل کے لئے باعث افتخار ہو۔"

تین دن اور تین راتیں یہ نیا شادی شدہ جوڑا اللہ کی عبادت میں مصروف رہا۔ چوتھی رات پاکدامن و پرہیزگار علیؓ جن کے بارے میں محمد ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کی شادی سے آپ ﷺ

کو امید تھی کہ اولاد نرینہ میں کئی لڑکے پیدا ہوں گے' اپنی اہلیہ کو قربت دی۔ وہ اہلیہ جن کی رگوں میں محمد ﷺ کا خون دوڑ رہا تھا۔

نو ماہ بعد حضرت فاطمہؓ نے ایک بیٹے کو جنم دیا جس کا نام حسن رکھا گیا ایک سال اور گزرا تو حسنؓ کے بھائی حسینؓ پیدا ہوئے۔ حسن و حسینؓ کی اولاد آل رسول ﷺ کہلاتی ہے۔

آنحضور ﷺ کی حضرت حفصہؓ اور امّ المساکین سے شادی

حضرت حفصہ عمرؓ کی بیٹی اور خنس کی بیوہ تھیں وہ دوبارہ شادی کرنا چاہتی تھیں مگر مزاج کی اس قدر سخت تھیں کہ کوئی بھی انہیں اپنی بیوی کے طور پر قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ پہلے ابو بکرؓ اور پھر عثمانؓ کو کہا گیا کہ ان سے شادی کر لیں تو دونوں نے انکار کر دیا تھا اس سے حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی کی سبکی محسوس کی اور ناراض ہوئے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھا تو آنحضور ﷺ نے جواب دیا" عثمانؓ کو شادی کے لئے حفصہ سے اچھی عورت مل جائے گی اور حفصہؓ کو عثمانؓ سے بہتر مرد مل جائے گا آنحضرت ﷺ نے اپنی بیٹی ام کلثوم کی شادی عثمانؓ سے کر دی جبکہ عمرؓ کی عزت افزائی کے لیے سخت مزاج حفصہ کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد محمد ﷺ نے غزوہ بدر کے شہید ابو عبیدہؓ کی بیوہ کو بھی اپنے عقد نکاح میں لے لیا تھا، وہ ایک ایسی خاتون تھیں جو صدقہ ، خیرات میں بے حساب دیا کرتی تھیں جس کی وجہ سے انہیں "امّ المساکین" (غرباء و مساکین کی ماں) کا لقب دیا گیا۔

غزوۂ احد (۶۲۵ء بمطابق ۳ھ)

اہل مکہ غزوہ بدر میں شکست کھانے کے بعد اس ذلت کو کبھی فراموش نہ کر سکے تھے انہیں اپنا مستقبل نہایت تاریک نظر آتا تھا آنحضرت ﷺ نے ملک شام جانے والا راستہ ان کے قافلوں کے لئے بند کر دیا تھا۔ جلد ہی قحط اور تباہی متوقع تھی۔ سر پر منڈلانے والی اس تباہی و بربادی سے بچنے کے لئے انہوں نے اس منافع کا سرمایہ جو قافلہ کما کر لایا تھا، ایک بڑی مہم کے لئے عسکری قوت تیار کرنے پر لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا کیونکہ صرف اس سے انہیں تجارتی تحفظ مل سکتا تھا روپیہ پیسے کے لالچ میں آکر علاقے کے بیشمار بدو مدد کی پیش کش لے کر آگے بڑھے۔ کعب ابن اشرف اور ابو عزای ہجو گو شعراء کی ہرزہ سرائی نے آگ لگا دی تھی اس قبیلے کے لوگ" حباش" یا اتحادی کہلاتے تھے۔ ابو سفیان نے جو فوج تیار کی انہیں اس میں بھرتی کیا گیا تھا۔ ان فوجی دستوں میں تین ہزار جنگجو سپاہی شامل کیے گئے تھے جن کے سردار صفوان اور عکرمہ تھے جو ابن خلف اور ابو جہل کے بیٹے تھے اور خالد ابن ولیدؓ جن کی سپاہیانہ شہرت یہ تھی کہ انہیں کوئی شکست نہیں دے سکتا تھا وہ

بھی ان دستوں میں شامل تھے، انتقام کی پیاس عورتوں میں بھی برابر طور پر موجود تھی اور ھندہ ابوسفیان کی بیوی اور دوسری عورتوں کے ایک گروہ نے فیصلہ کیا تھا کہ جو سپاہی بھی میدان جنگ سے بھاگنا چاہے گا یہ اسے روک لیں گی۔

مدینے کے شمالی زرخیز میدانوں میں کسان اپنی زراعت اور کھیتی باڑی میں مصروف تھے یا بھیڑ بکریوں کے چرتے ہوئے ریوڑوں کی نگہبانی کر رہے تھے جب اچانک ابوسفیان کے سپاہی جو کوشش کر رہے تھے کہ ان کی یکلخت پیش قدمی کا مسلمانوں کو علم نہ ہو، مغربی پہاڑی دروں سے نمودار ہو گئے۔ دفاع ممکن نظر نہ آیا تو بدقسمت کسان جانیں بچانے کے لئے اور شہریوں کو اللہ کے دشمنوں کے حملہ سے آگاہ کرنے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

دفاعی مورچوں سے اہل مدینہ نے دیکھا کہ ان کے کسانوں کے دل خون اگل رہے تھے ٹڈی دَل کے حملے کی مانند بت پرستوں کی فوج کے اونٹ سرسبز و شاداب مرغزاروں کو روندتے جاتے تھے جبکہ گھوڑ سوار مویشیوں کو ذبح کر رہے تھے اور دیوانہ وار آگے بڑھتے ہوئے یہ سوار سنہری فصلوں کو پاؤں تلے مسلتے جاتے تھے۔ ان کے دلوں میں تاجروں کا وہی غرور و تکبر تھا جو کسانوں کے کام کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

یہ ساری تباہی مسلمانوں کی نظروں کے سامنے ہو رہی تھی مومنین نے اپنے آپ کو اس بے بسی کا شکار پایا جو انہیں اکسا رہی تھی کہ ظالموں کو ان کے ظلم و ستم سے روکا جائے۔

دشمن کی لاتعداد فوج اور رسالے کے لئے ان وسیع میدانوں میں پھیل جانے کی کافی گنجائش موجود تھی مسلمانوں کے پاس سوار دستے نہیں تھے جنہیں وہ میدان میں اتار سکتے ان کا اثاثہ تو رسول اللہ ﷺ کی ذہانت و دانشمندی تھی چنانچہ ہر طرح کی قربانی کے جذبے سے سرشار مومنین آنحضور ﷺ کے گرد جمع ہوئے۔

آنحضور ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ ﷺ کی تلوار کے پھل میں دندانے پیدا ہو گئے ہیں۔ اور آپ کے دشمن ان کے ریوڑوں کو کاٹتے جا رہے ہیں جبکہ ایک سینہ بند آنحضور ﷺ کے ہاتھ کے بالکل قریب ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنا خواب ساتھیوں کو سنایا اور تعبیر بھی بتائی "تلوار کے پھل میں دندانے پیدا ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ میں زخمی ہو جاؤں گا اور ریوڑوں کا ذبح ہونا یہ ظاہر کرتا ہے کہ میرے پیروکاروں میں سے ایک بڑی تعداد کی موت واقع ہو گی۔ سینہ بند کا میرے قریب ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مدینے کی شہر پناہ ہی ہمیں تباہی سے بچا سکتی ہے۔ آؤ ہم شہر کے اندر اپنے آپ کو بند کر لیں پھر ہمیں دشمنوں سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا اگر وہ حملہ آور ہوئے تو انہیں آسانی سے پیچھے دھکیل دیا جائے گا اور ان کا بھاری نقصان ہو گا۔ اور اگر وہ حملہ کئے

بغیر واپس لوٹتے ہیں تو انہیں پسپائی کے دوران نیست و نابود کر دیا جائے گا یوں ہم انہیں ایک ایسی شرمندگی سے ہمکنار کر دیں گے کہ پھر کبھی ہمارے خلاف جنگ کا تصور بھی نہ کر سکیں گے"۔

زمانہء قدیم سے اہل مدینہ کی یہی جنگی چالیں رہی تھیں لیکن اب اسلام لانے کے بعد اور غزوہ بدر میں فتح و نصرت کے بعد ان کے سارے تصورات تبدیل ہو گئے تھے یہ سوچ کر کہ وہ اب ہمیشہ کے لئے ناقابل تسخیر ہو گئے ہیں جب ان کے باغات اجاڑے جا رہے تھے اس وقت انہیں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ممکن نہیں رہا تھا۔ مزید یہ کہ وہ مسلمان جو معرکہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہیں رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ وہ بھی ہمت و حوصلہ رکھتے تھے اور لڑ سکتے تھے۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا کہ وہ جنگ کے دوران شہید ہو جاتے اور شہادت کے لئے تو وہ تڑپ رہے تھے۔

"منافقین" کا سردار عبداللہ ابن ابی سلول واحد فرد تھا جو پیشقدمی کے خلاف تھا۔ ایک بار کسی طرح سے آنحضور ﷺ اس سے متفق ہو گئے تھے مگر مسلمانوں کی یکجہتی اور جوش و ولولے کے سامنے رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں چاہیے کہ مسلمانوں کو پیشقدمی کا حکم دے دیں جو آپ ﷺ کی پیش بینی کے خلاف تھا۔ نماز عصر کے بعد حضور ﷺ گھر تشریف لے گئے تاکہ زرہ پہن کر آ جائیں۔

مسلمان سپاہی بھی تیار تھے ایک ہجوم تھا کہ جو آنحضور ﷺ کے گھر کے ارد گرد جمع تھا یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ جلد ہی تشریف لے آئے تھے زرہ بکتر سے لیس سر پر خود، میان میں لٹکتی تلوار، کندھوں پر ڈھال اور ہاتھ میں نیزہ۔

انتظار کے دوران مومنین کو غور و فکر اور تدبر کا وقت مل گیا تھا انہیں اس بات پر پچھتاوا تھا کہ انہوں نے فیصلہ کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے ان کے سرداروں کو یہ پشیمانی تھی کہ اللہ کے حبیب ﷺ کی رائے سے ان سب کی رائے مختلف تھی انہوں نے آنحضور ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کیا "ہمیں آپ ﷺ کے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے تھا ہم اب یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم جہاں ہیں ہمیں اسی جگہ رہنا چاہیے مگر آپ ﷺ اپنا زرہ نہیں اتار سکتے" محمد ﷺ نے جواب دیا "جب پیغمبر خدا ﷺ سینہ بند باندھ لیتا ہے تو پھر جس وقت تک جنگ ختم نہیں ہو جاتی اس وقت تک سینہ بند اتار دینے کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔"

مومنین کی سپاہ میں ایک ہزار پیادہ سپاہی تو تھے مگر گھوڑے صرف دو تھے۔ مجاہدین کا پرچم مصعبؓ ابن عامر کے سپرد کیا گیا تھا۔ قبیلہ اوس کا عقیدؓ کے پاس اور بنو خزرج کا علم حباب نے اٹھار کھا تھا۔ غروب آفتاب سے کچھ ہی دیر قبل ایک فوجی دستہ آگے بڑھا اور شمالی سمت مڑ گیا۔

ابھی بمشکل وہ دفاعی مورچوں کے پاس سے گزرے تھے کہ چھ سو سپاہیوں کا ایک اور دستہ ان

سے آن ملا تھا۔ یہ سب کے سب مکمل اسلحہ سے لیس تھے۔ یہ یہودی تھے منافق عبداللہ کے اتحادی۔ اسی کی تجویز پر ان لوگوں نے پیغمبر خدا ﷺ کو اپنی مدد کی پیشکش کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جواب دیا: "اللہ کی مدد کافی ہے" اور آپ ﷺ نے انہیں کہا کہ وہ چلے جائیں، اس لئے کہ آنحضور ﷺ ان کی ایک دوسرے کے لئے خفیہ ہمدردیوں سے واقف تھے اور آپ ﷺ کو خدشہ تھا کہ وہ غداری نہ کر جائیں۔

عبداللہ کے اتحایوں کو مسترد کیا گیا تو اسے نے بڑی سبکی محسوس کی۔ اس نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر سپاہیوں کی صفوں میں اس قسم کی غدارانہ باتیں پھیلانی شروع کر دی تھیں تاکہ ان میں پریشانی کی فضا پیدا کر دے: "محمد ﷺ بھی بیکار قسم کے لوگوں کی باتیں سن لیتے ہیں اور جو مفید مشورہ میں نے دیا اسے ٹھکرا دیا۔ ہم کیوں یقینی موت کے منہ میں دیدہ دانستہ جائیں؟" یوں اس منافق نے چھوٹی سی فوج کے تیسرے حصے کو اپنے دام میں پھنسا لیا تھا سات سو سپاہی باقی بچے تھے چنانچہ یہ بھگوڑوں کا سرغنہ بن کر مدینہ کو جانے والی سڑک پر واپس چل پڑا تھا مومنین ان پر آواز ے کستے رہے مگر بے سود۔

دوسری صبح بروز ہفتہ جب ۱۱ شوال تھی طلوع آفتاب سے قبل آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ خیمے لپیٹ لیے جائیں۔ پھر ایک ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو فوج کو کوہ احد تک اس طرح لے جانے میں راستہ بتاتا چلے کہ دشمن کی نظر نہ پڑے، کوہ احد میدانی علاقے سے کٹ کر ایک جگہ کھڑا تھا۔ ابو حیثمہ سامنے آئے اور بنو حارث کے باغات میں سے فوج کو گزار کر لے گئے جن میں کھجوروں کے درخت اُگے ہوئے تھے۔

ان باغات میں سے ایک کا مالک ایک "منافق" تھا جس کا نام مرباح تھا۔ آشوب چشم نے اس کی آنکھوں کو بے نور کر دیا تھا۔ اس نے جب محمد ﷺ کو اپنے فوجی دستوں سمیت وہاں سے گزرتے سنا اور اسے آنحضورؐ کے قدموں کی آواز سنائی دی تو اس نے چلا کر رسول اللہ ﷺ سے کہا "اگر یہ سچ بھی ہوتا کہ آپ ﷺ اللہ کے پیغمبر ہیں میں پھر بھی آپ کو اپنے باغ میں سے گزرنے کی اجازت نہ دیتا" پھر زمین پر سے مٹی اٹھاتے ہوئے بولا۔ "اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ کوئی اور سامنے نہ ہو تو یہ مٹی آپؐ کے منہ پر مارتا۔" مومنین نے چاہا کہ اس کو گستاخی کی سزا یہ دی جائے کہ اسے جان سے مار ڈالا جائے مگر محمد ﷺ نے انہیں روک دیا اور فرمایا: "اسے مت قتل کرو یہ تو اندھا ہے اور اس بدبخت کا دل بھی اس کی آنکھوں کی مانند اندھا ہے۔"

اس پگڈنڈی پر چلتے ہوئے اور باغات کے درختوں کی اوٹ سے گزر کر مسلمان سورج نکلنے سے پہلے کوہ احد تک پہنچ گئے تھے۔ ان پر دشمن کی نظر نہیں پڑی تھی۔

آنحضور ﷺ نے اپنے سپاہیوں کی صف بندی کی اور انہیں جنگ کے لئے تیار کرتے ہوئے مختلف مقامات پر تعینات فرمادیا۔ پہاڑ ان کے عقب میں تھا میسرہ کی پشت پر درۂ عینین تھا اس طرح واپس بھاگنے کا خطرہ نہ تھا مزید اطمینان کے لئے آپ ﷺ نے اس درّہ پر ابن جبیرؓ کو مقرر کر دیا اور پچاس تجربہ کار تیر انداز انہیں دے دیئے۔ ان کو محمد ﷺ نے یہ سخت حکم دیا۔ "اگر بت پرستوں کا رسالہ ہم پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور گھاٹی کے اندر سے گزر کر آجاتا ہے تو اسے تیروں سے چھلنی کر دینا لیکن ایک بات یاد رکھنا کہ دشمن ہم سے اوپر ہو یا نیچے اپنی چوکی سے بٹنا مت اور جو افتاد بھی آن پڑے پیش قدمی نہ کرنا!" اسی لمحے میدان کی سمت سے ایک شور اٹھا۔ اہل مکہ نے ابھی ابھی مومنین کو دیکھا تھا جو کوہ احد کی ڈھلوان پر بڑے اطمینان سے کھڑے تھے اور سورج کی روشنی میں ان کے نیزے چمک رہے تھے بالکل اسی طرح جیسے آنحضرت ﷺ نے پیش بینی کی تھی دشمن کی فوج کا میمنہ خالد بن ولید کی کمان میں تھا اور اس کے میسرہ کا سپہ سالار عکرمہ بن ابو جہل تھا۔ اس نے نصف دائرہ کی شکل بنا رکھی تھی تاکہ مسلمانوں کا گھیراؤ کر کے انہیں واپس دھکیل دیا جائے۔

مشرکین کا سالار اعظم ابوسفیان تھا جو پوری کوشش کر رہا تھا کہ بنو عبدالدار کے پندار پر ضرب لگائے جن کے ذمہ علم کی حفاظت تھی۔ اس نے انہیں مخاطب کر کے کہا۔ "اے بنو عبدالدار کے سپاہیو! بدر کے معرکے میں تم نے ہمارا علم اٹھایا ہوا تھا یاد رکھو کہ اس وقت تباہی کا الزام تم پر لگا تھا۔ ایک سپاہی کو اپنے علم کے پیچھے جانا چاہیے مگر تم علم سمیت بھاگ گئے تھے۔ آج بھی اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ تم علم کی حفاظت نہ کر سکو گے تو مجھے بتاؤ تاکہ میں اسے کسی اور ہاتھ میں دے دوں۔ اس بے عزتی پر تلملا کر بنو عبدالدار کے سپاہیوں نے ہمت و حوصلے کے ساتھ سر بلند کئے اور جواب دیا" ہم جانتے ہیں کہ اپنے پرچم کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے اگر کل صبح تک ہم زندہ رہے تو تم ہماری شجاعت و بہادری سے ضرور انصاف کرو گے۔"

اب ھندہ سامنے آئی وہ خواتین کی نفری کو لے کر پرچم کے نگہبانوں کے پیچھے کھڑا ہونا چاہتی تھی ان عورتوں نے یہ گیت گایا۔

"ہمت! اے بنو عبدالدار کے سپوتو! ہمت! تمہارے قدموں میں وہ عورتیں ہیں جن کا تحفظ تم نے کرنا ہے۔ اپنی تلوار کا بھرپور استعمال کرنا۔ ضرب کاری لگانا۔ ہماری طرف دیکھو ہم نے زہرہ و مشتری کی کوکھ سے جنم لیا ہے ہم نرم و گداز قالینوں پر ناز و ادا سے اٹھلا کر چلنے والیاں ہیں، ہمارے ہاروں میں ہیرے موتی جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ ہماری زلفیں مشک بار ہیں اگر تم نے شجاعت و بہادری سے دشمن کا مقابلہ کیا تو ہماری باہیں تمہیں خوش آمدید کہیں گی اور اگر تم دشمن کے خوف

سے بھاگ نکلے تو یاد رکھنا ہمیں تم سے کراہت آئے گی اور تم ہمیشہ کے لئے ہماری نفرت و حقارت سے ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ مسلمانوں کی فوج میں آنحضور ﷺ بھی اپنے مجاہدین کے حوصلے بلند فرما رہے تھے۔ چمکتی ہوئی تلوار پیش کرنے سے پہلے فرمایا "تم میں سے کون ہے جو اس تلوار کا حق ادا کر سکتا ہے ؟" ابو دجانہ نے آگے بڑھ کر پوچھا "میری جان آپ پر نثار ہو بتائیے تو سہی کہ اس کا وہ حق کیا ہے ؟" "اسکا حق یہ ہے کہ اسے اس وقت تک دشمن پر چلایا جائے جب تک اس کا پھل مڑ نہ جائے۔" "تو ٹھیک ہے میں قسم کھا کر وعدہ کرتا ہوں کہ اسے اس کا حق دے کر دم لوں گا۔" ابو دجانہ نے کہا۔ ابو دجانہ ایک پر وقار جنگجو تھے۔ انہوں نے محمد ﷺ کے دستِ مبارک سے تلوار پانے کے بعد سر کے گرد ایک سرخ پگڑی باندھی جو آج تک آپ نے کبھی نہ باندھی تھی سوائے ان بڑے موقعوں کے جب موت بالکل سامنے ہوتی تھی، پھر بڑی آن بان سے وہ دشمن کی صفوں کے سامنے سے گزرے۔ آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا "اس قسم کی حرکت کسی اور موقعہ پر سرکشی اور گستاخی کے مترادف ہوتی اور اللہ کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا مگر آج اس موقعہ پر نہیں، آج معاملہ کچھ اور ہے۔"

دشمن کے پاس مدینہ کا ایک باشندہ ابو عامر تھا جو عیسائی ہو گیا تھا۔ اور اسے "الراہب" کے عرف عام سے پکارا جاتا تھا جس کے معنی ہیں "جوگی تارک الدنیا۔ راہب۔" اس کے دماغ میں نہ جانے یہ بات کیسے سما گئی تھی کہ وہ اپنے چند ہم وطنوں کو لے کر قبیلہ اوس میں شامل ہو سکتا تھا۔ یہ قبیلہ اسلام سے دور تھا وہ ان کے پاس جا کر کھڑا ہوا اور کہا "اے اوس کی قوم میں ابو عامر ہوں۔ تمہاری دھرتی کا بیٹا ہوں کیا تم لوگ میری بات نہیں سنو گے ؟" انہوں نے جواب دیا۔ "تم پر اللہ کی پھٹکار ہو اے بد معاش" نفرت و ندامت سے زخمی ہو کر "الراہب" چلا گیا مگر جاتے جاتے ایک کنکر اٹھا کر ان پر دے مارا۔

جس وقت "الراہب" چلا گیا تو ایک بت پرست جو دیکھنے میں بہت خوفناک تھا اور ایک قوی ہیکل اونٹ پر سوار تھا آگے بڑھا۔ اس نے مومنین کو تین بار چیلنج دیا تیسرے چیلنج پر زبیرؓ اپنی صفوں سے نکلے۔ ایک چیتے کی سی تیزی کے ساتھ انہوں نے اونٹ کی پشت پر جست لگائی اپنے مدمقابل کو بازوؤں میں لیا اور اسے زمین پر گرا دیا اور جب تک اس کا گلا چیر کر نہ رکھ دیا گرفت ڈھیلی نہ کی۔ ایک کے مقابلے میں ایک کی بنیاد پر لڑائی کے آغاز تک ابو دجانہ سے بھی نہ رہا گیا۔ تلوار سونت کر نکلے اعلان فرمایا "ہے کوئی بزدل دشمن کی صفوں میں ایسا جو میرے مقابلے میں سامنے آئے۔ میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی عطا کردہ تلوار سے وار کروں گا۔" قرمزی پگڑی دشمن کی لاتعداد فوج میں شمشیر کی مانند چمک کے ساتھ دیکھی جا رہی تھی۔ ایک عجیب بے باکی اور دلیری کے ساتھ ابو دجانہ

نے جو بھی سامنے آیا اسے ایک ہی وار میں واصل جہنم کر دیا۔ اچانک انہیں ایک عجیب و غریب شخص نظر آیا جو کفر کے کلمات بکتا آ رہا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے لڑکیوں کا ایک غول دف بجاتا آ رہا تھا ابو دجانہ نے اپنی تلوار دشمن کے سر پر لہرائی مگر ھندہ کی چبھنے والی چیخ و پکار کو پہچان کر آنحضور ﷺ کی عطا کردہ تلوار عورت پر وار کرنے کے لئے تیار نہ تھی۔

ابو دجانہ کے ہاتھوں دشمن کے کئی سپاہی قتل ہو چکے تو جنگ میں تیزی آ گئی۔ دشمن کے سپاہی چوکنے ہو گئے تھے۔ قریش کا پرچم عرشہ نے اٹھا رکھا تھا جسے سیدنا حمزہؓ نے یوں قتل کیا کہ موت کے وقت اس کے غراتے ہوئے تمام دانت باہر نکلے ہوئے تھے۔ صبا الغسانی نے پرچم تھام لیا اور اپنے ساتھی کے قاتل کو چیلنج کیا۔

حضرت حمزہؓ نے جواب دیا "او لونڈی کی اولاد! ذرا قریب تو آؤ" اور پھر ایک ہی وار سے اس کا بھی وہی انجام ہوا جو عرشہ کا ہو چکا تھا۔

جنگ بدر میں سیدنا حمزہؓ کے ہاتھوں زبیر ابن مطعم کے چچا تہامہ کا قتل ہوا تھا اس نے عہد کیا تھا کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو گیا تو اپنے حبشی غلام احیہ کو آزاد کر دے گا۔

احیہ نے جنگ کے دوران کہا "میری نظریں حمزہؓ کو ڈھونڈ رہی تھیں جب وہ مجھے نظر آیا تو وہ ایک مست بھورے اونٹ کی طرح تھا اس کے راستے میں جو بھی آتا اسے وہ اس قدر شدید زخمی کرتا کہ ان میں سے کوئی بھی دوبارہ اٹھ نہ سکتا تھا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کر سکتا چنانچہ میں اس کے قدموں کے نشانات پر چلتا ہوا جھاڑیوں یا چٹانوں کی اوٹ میں چھپ جاتا تھا۔ آخر کار وہ اس جگہ پہنچا جہاں میں چھپا بیٹھا تھا۔ میں حبش کا نیزہ پھینکنے میں ماہر تھا اور شاید ہی کبھی میرا نشانہ خطا گیا ہو گا۔

جس طرح حمزہؓ نے اس کے سر پر وار کر کے صبا کو دو ٹکڑے کر کے زمین پر گرا دیا تھا میں نے بھی اپنے نیزے کا توازن درست کیا اور پوری طاقت سے حمزہؓ پر دے مارا یہ حمزہؓ کی رانوں کے درمیان لگا۔ غیض و غضب سے دیوانہ ہو کر وہ واپس پلٹے تاکہ مجھ پر حملہ کر سکیں مگر قوت جواب دے گئی تھی' وہ زمین پر ڈھیر ہو گئے اور موقعہ پر ہی جان دے دی تھی۔ میں جہاں چھپا ہوا تھا وہاں سے باہر نکلا ان کے مردہ جسم میں سے اپنا نیزہ کھینچ کر نکالا اور میدان جنگ سے چلا آیا۔ میں نے حمزہؓ پر قاتلانہ حملہ صرف آزادی حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔"

مہاجرین کے علم بردار مصعب ابن عامر کو اس وقت شہید کیا گیا جب وہ آنحضرت ﷺ کے قریب تھے۔ قاتل قمیہ لیثی نے یہ سمجھا کہ اس نے (اس کے منہ میں خاک) محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور غرور و تکبر سے چلایا "میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے!"

مصعب کے ہاتھ سے گرتے ہوئے پرچم کو حضرت علیؓ نے تھام لیا تھا اور ابو سعد ابن ابی طلحہ نے جو بت پرستوں کا پرچم بردار تھا چیلنج قبول کر لیا تھا۔ ابو سعد نے طنزاً کہا تھا "اے محمد ﷺ کے ساتھیو تم لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہماری تلواریں تمہیں جنت میں پہنچا دیتی ہیں جبکہ تمہاری ہمیں جہنم رسید کرتی ہیں! لات و عزیٰ کی قسم تم جھوٹ بولتے ہو اس لئے کہ تم لوگ دوڑتے ہوئے ہماری تلواروں پر گرنے سے بچتے رہتے ہو۔"

علیؓ نے اسے مزید ہرزہ سرائی کا موقعہ ہی نہ دیا۔ جونہی یہ دونوں آمنے سامنے آئے طنزیہ الفاظ استعمال کرنے والا بت پرست زمین پر کراہ رہا تھا۔ علیؓ کا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ اسے ختم کر دیا جائے جب اچانک آپ منہ موڑ کر ایک طرف ہو گئے تھے جس کا سبب یہ تھا کہ ابو سعد زمین پر گرتے وقت اپنے فاتح کے سامنے برہنہ ہو گیا تھا۔

قریش کے پرچم کے گرد گھمسان کی جنگ ہوئی اور بہت سے بت پرست زندگی سے موت کی آغوش میں چلے گئے۔ پرچم بردار دو بھائی تھے مشفع اور ذولاس جو تیروں سے چھلنی ہو چکے تھے اور لڑکھڑاتے ہوئے اپنی ماں سلافہ کی طرف بڑھ رہے تھے جو ہندہ کی ساتھی عورتوں میں سے ایک تھی۔ دونوں لڑکوں کے منہ سے خون کے چشمے رواں تھے۔ ماں کے پاس پہنچ کر دونوں نے اپنے سر اس عورت کی گود میں رکھ دیئے تھے جس نے انہیں جنم دیا تھا۔ ماں نے چلا کر کہا "اے میرے مظلوم اور غریب بچو تمہیں یہ گہرے زخم کس نے لگائے؟" اس کی آواز میں سسکیاں شامل ہو گئی تھیں۔ بیٹوں نے جواب دیا "جب ہم گر گئے تو ہم نے ایک آواز سنی یہ زخم میری طرف سے لے لو۔ میں عاصم ہوں' اللہ میرا خالق و مالک ہے!" یہ سن کر سلافہ نے قسم کھائی کہ وہ عاصم کی کھوپڑی کو جام بنا کر اس میں قسم قسم کی شرابیں پیئے گی۔

فتح و نصرت کا پلڑا ابھی تک مومنین کی طرف جھکا ہوا تھا۔ قریش کا پرچم زمین پر پڑا تھا قریب ہی لاشوں کے انبار لگے تھے' کسی بت پرست میں جرأت نہ تھی کہ پرچم کو اٹھا لینے کے لئے آگے بڑھ سکے۔ اللہ کے دشمنوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے ہندہ' اس کے ساتھ شامل دوسری خدمت گزار لڑکیاں اور سہیلیاں خوف و ہراس کا شکار ہو چکی تھیں۔ انہوں نے اپنے ڈھیلے ڈھالے خوشنما ملبوسات کو دونوں ہاتھوں سے ٹانگوں سے اونچا کر کے بھاگنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس طرح وہ بھاگنے میں آسانی محسوس کر رہی تھیں۔ کوہ احد کی ڈھلوان پر جن تیر اندازوں کو مقرر کیا گیا تھا۔ انہیں یہ سب کچھ باقی لوگوں کی نسبت زیادہ صاف طور پر دکھائی دے رہا تھا وہ سخت بے چین تھے اور بے صبری کا شکار ہو رہے تھے اس لئے کہ انہیں خدشہ یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انہیں اموال غنیمت میں سے کچھ نہ مل سکے۔

ان کے سردار ابن جبیر نے آنحضور ﷺ کے سخت احکامات یاد رکھنے سے گریز کی ناکام کوشش پر اپنے ساتھیوں کو جھنجھوڑا ان احکامات میں پہاڑی درے کی نگرانی بھی شامل تھی۔ انہوں نے ازراہ تمسخر کہا "جنگ ختم ہو چکی ہے فتح و نصرت ہماری ہے!"

ہمیں اموال غنیمت میں سے اپنا حصہ چاہیے یا ہم شہادت کا تاج پہننے کے مستحق ہیں۔ ایک تیز و تند لہر کی مانند وہ گھاٹی کے نشیبی حصے کی جانب دوڑے اور یوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی حکم عدولی کے مرتکب ہوئے۔

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ اس طرح ہوتا ہے:

"اور البتہ اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ جب تم انہیں اس کے حکم سے قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب تم نے بزدلی کی اور کام میں جھگڑا کیا اور اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں دکھایا جو تم چاہتے تھے" (۳ : ۱۵۲)

بہادر خالد جو قریش کی افواج کا سپہ لار تھا اور فوج کا میمنہ اس کی کمان میں لڑ رہا تھا اس وقت تک یہ سمجھ رہا تھا کہ پانسہ پلٹنا ممکن نہیں مگر جب اس نے مسلمان تیراندازوں کی غلطی کو دیکھا تو اس نے اپنے رسالے کے ساتھ ابن جبیر پر حملہ کر دیا جس کے پاس تھوڑے سے وفادار مجاہدین رہ گئے تھے جب یہ گھوڑوں کے سموں تلے روندے گئے تو خالد نے مسلمانوں کو عقب سے اس وقت جا لیا۔ جب وہ مال غنیمت سمیٹنے میں مصروف تھے۔

عین اسی وقت بت پرستوں کی ایک عورت عمارہ بنت علقمہ نے اہل مکہ کا چھوڑا ہوا پرچم اٹھا لیا تھا۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ایک عورت کس قدر بہادری اور جرأت مندی کا مظاہرہ کر رہی ہے تو انہیں اپنی بزدلی پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ یہ واپس آگئے اور دوبارہ لڑنے لگے تھے۔ فاتحانہ نعروں میں ہر طرح کی چیخ و پکار دب کر رہ گئی تھی۔ اتنے میں مصعب کے قاتل قمیہ کی آواز اس طرح گونجی "بیشک محمد ﷺ ابھی ابھی قتل کر دیئے گئے ہیں۔"

اب لڑائی کا نقشہ ہی بدل گیا تھا۔ وہ صبح جس نے ایک بہت اچھے دن کا آغاز کیا تھا وہ دن تباہی و بربادی کے دن میں بدل گیا تھا۔ عقب سے مسلمانوں پر حملہ ہو چکا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے قتل کی خبر پھیل گئی تھی جس سے مسلمانوں میں بددلی اور شکست خوردگی کے آثار پیدا ہو گئے تھے، بہت سے مسلمان تو مدینہ بھاگ گئے تھے یہاں تک کہ عثمانؓ بھی مایوس ہو کر میدان جنگ سے جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

غزوۂ احد میں بہت مشہور مجاہدین شہید ہو چکے تھے۔ اللہ کے دشمن نے تیروں اور پتھروں کی ان محدود سے مسلمانوں پر بارش برسا دی تھی جو آنحضور ﷺ کو اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے اور

آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔ ابو وقاص کے بیٹے نے ایک پتھر پھینکا جو رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر آکر لگا جس سے آپ ﷺ کا ہونٹ مبارک زخمی ہوا سامنے والا دایاں دانت شہید ہوا پھر مغفر کی دو کڑیاں آنحضور ﷺ کے چہرہ مبارک میں چبھ گئیں' آپ کے سر کے خود کا حلقہ پچک گیا تھا۔

ابو عبیدہؓ نے خود کا وہ حلقہ جو گوشت میں دھنس گیا تھا دانتوں کی مدد سے باہر کھینچا۔ تھوڑی سی بد احتیاطی سے انہوں نے دونوں طرف سے آنحضور ﷺ کا ایک ایک دانت اور شہید کر دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زخموں کے خون کو ابو عبیدہؓ نے چوس لیا تھا اس جذبہ جانثاری کو دیکھ کر محمد ﷺ نے فرمایا "آج جس نے میرے زخموں کا خون چوس لیا ہے اُسے جہنم کی آگ کے شعلوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی مگر جن لوگوں نے پیغمبر خدا ﷺ کو زخمی کیا ہے وہ کیوں کر زندگی میں پھل پھول سکتے ہیں؟"

اس دوران صورت حال مزید نازک ہو گئی تھی۔ جس وقت لڑائی زور پر تھی آنحضور ﷺ کو دشمن نے ایک ایسے گڑھے میں گرا دیا تھا جو آپ کے پیچھے تھا اور آنحضرت ﷺ کی نظروں سے او جھل تھا علیؓ اور طلحہؓ نے فوراً حضور ﷺ کو اس میں سے باہر نکال لیا تھا۔

اب ابو بکرؓ اور عمرؓ زخمی حالت میں بھی حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑے اور اس بات کی پرواہ نہ کی کہ دشمن کی تعداد میں اضافہ ہو گیا تھا اور وہ مومنین کے گرد گھیرا تنگ کرنے کی کوشش میں مصروف تھے، ایسے لمحات بھی آئے جب آنحضور ﷺ کے پاس سوائے ابو دجانہ اور ابو طلحہؓ کے کوئی اور نہ تھا۔ ان کا اپنا جسم تیروں سے چھلنی تھا مگر وہ پھر بھی ڈھال بن کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے جبکہ ابو طلحہؓ نے حضور ﷺ کو چمڑے کی ایک ڈھال سے بچا لیا تھا۔ ابو طلحہؓ کی تیر اندازی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے ہاتھ سے تین کمانیں ٹوٹی تھیں۔ جب محمد ﷺ جنگ کے نتیجہ کا جائزہ لینے کے لئے اٹھے تاکہ ہدایات جاری کر سکیں تو ابو طلحہؓ نے عرض کیا "اے پیغمبر خدا ﷺ! میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں میری آپ ﷺ سے درخواست ہے کہ لیٹ جائیے۔ آپ ﷺ کو تیر بھی لگ سکتا ہے مجھے آپ ﷺ اجازت دیجئے کہ میں سینہ سپر ہو کر آپ ﷺ کے سامنے کھڑا رہوں اور یوں آپ کی حفاظت کر سکوں اسی لمحے دشمن کی برچھی نے جسے ابو طلحہؓ نے ایک طرف ہٹا دیا تھا ان کے ہاتھ کو بری طرح زخمی کر دیا تھا۔ اب وہ تیر چلانے کے قابل نہیں رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی تلوار میان سے نکالی مگر اس قدر تھک چکے تھے اور نیند کا اس حد تک غلبہ تھا کہ آنکھیں بند ہو گئیں اور تلوار ہاتھ سے گر گئی۔

امّ عمارہ جو انصار کی نہایت بہادر خاتون تھیں' پانی کا مشکیزہ اٹھائے مومنین کی صفوں میں

ادھر سے ادھر دوڑ رہی تھیں۔ وہ مجاہدین کو پانی پلا کر انہیں تازہ دم کرتی تھیں۔ اس مجاہدہ نے تلوار لے لی اور مردانہ وار محمد ﷺ کے آس پاس اس وقت تک تلوار چلاتی رہیں جب تک بری طرح زخمی ہو کر گر نہ گئیں۔

جنگ میں دونوں فوجیں اپنی اپنی عسکری قوت و مہارت کا مظاہرہ کر رہی تھی کہ علیؓ، ابو بکرؓ اور عمرؓ آنحضور ﷺ سے بچھڑ گئے تھے۔ جب کفار نے آنحضرت ﷺ کے قتل کی افواہ پھیلا دی تو اس سے ان تینوں صحابہ کرام کی ہمت جواب دے گئی تھی ان تینوں کے جسم یوں لگتا تھا جیسے بے جان ہوں اور انہیں اپنی حفاظت کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ اس حالت میں انہیں دیکھ کر انس ابن نضر نے انہیں یہ کہہ کر شرمندہ کیا "تمہیں کیا پریشانی لاحق ہے کہ تم اس قدر بے حوصلہ نظر آ رہے ہو؟"

"پیغمبر خدا ﷺ قتل کر دیئے گئے ہیں۔" "ٹھیک ہے تو اب زندگی سے تمہیں کیا دلچسپی باقی رہ گئی ہے جبکہ حضور ﷺ اس دنیا میں نہیں رہے؟ تم لوگ بھی اسی طرح جان دے دو جس طرح آنحضرت ﷺ نے دی۔" مثال پیش کرتے ہوئے انس بن نضر دشمن پر ٹوٹ پڑے اور زخموں سے اس قدر چور چور تھے کہ سوائے بہن کے ان کی لاش کو کوئی دوسرا پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ بہن نے بھی بھائی کی خاص شکل کی انگلیوں سے لاش کو پہچانا تھا۔

یہ سب کو اکٹھا کرنے کا اشارہ تھا اپنی دل شکستگی سے خود شرمندہ ہو کر علیؓ، ابو بکرؓ اور عمرؓ چند مجاہدین کے ہمراہ میدان جنگ کے ایک حصے میں گھس گئے تھے جہاں دشمن کی فوج کی بھاری نفری پورے غیض و غضب سے ابھی تک چند کھڑے ہوئے انسانوں پر حملہ کر رہی تھی۔

اچانک ہی ان بہادروں کے درمیان جو فوق الفطرت قوت کے ساتھ دشمن کے مقابلے میں ٹھہرے ہوئے تھے کعب ابن مالک نے پیغمبر خدا ﷺ کو پہچان لیا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی آنکھیں ان کے خود کے نیچے سے چمک رہی تھیں۔ کعب بہت اونچی آواز میں چلا اٹھا "اے مسلمانو! اے بھائیو! تمہارے لئے ایک خوشخبری ہے! رسول اللہ ﷺ کو دیکھو! وہ دیکھو آپ ﷺ صحیح سلامت ہیں۔"

ان الفاظ نے ہر سپاہی کے دل میں ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔ جس جگہ سے یہ آواز بلند ہوئی تھی مسلمان پروانہ وار وہاں پہنچنا شروع ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ کو علیحدہ کرنے کے بعد وہ دشمنوں کی صفوں میں اس طرح داخل ہوئے کہ وادی عینین تک خون کا دریا پار کر گئے۔ یہ وہ مقام تھا جو انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے تھا اس ناقابل تسخیر حملے کو روکنے کی ہر کوشش میں دشمن کو پسپائی نظر آ رہی تھی ابی ابن خلف نے اشتعال میں آ کر آواز دی "اے محمد ﷺ! تم کہاں ہو؟" "اگر تم زندہ ہو تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم مجھ سے نہ بچ سکو گے۔"

جسم سے کاٹ کر الگ کر لئے تھے گلے کے ہار اور چوڑیاں بنالی تھیں۔ کسی مردار کھانے والے جانور کی مانند اس نے سیدنا حمزہؓ کی لاش کو کچل ڈالا تھا انگلیوں کے ناخنوں سے لہولہان کر کے اس نے آپ کا جسم چیر کر کلیجہ نکال کر چبالیا تھا پھر وہ ایک اونچی چٹان کی چوٹی پر چڑھ گئی اور مجاہدین اسلام کی طرف رخ کر کے اپنے پھیپھڑوں کی پوری طاقت سے کسی درندہ کی مانندیوں چیختی رہی۔

''آج ہم نے تم سے جنگ بدر کا بدلہ لے لیا ہے! تم لوگوں نے میرے باپ، میرے بیٹے، اور چچا کو قتل کیا تھا ان کی یاد نے مجھے آج تک بے چین رکھا ہے اب میری روح کو تسکین حاصل ہوئی ہے کیونکہ میں نے اپنی انتقام کی آگ ٹھنڈی کر لی ہے۔ اے میرے احیہ! تم نے میرا غم والم مٹادیا ہے اے احیہ اے حمزہؓ کے فاتح میں تیری تعریف میں رطب اللسان رہوں گی۔ اس وقت تک جب تک قبر میں میری ہڈیاں مٹی نہیں بن جاتیں۔'' ابوسفیان جو میدان جنگ میں ہر طرف آنحضور ﷺ کی لاش کی تلاش میں تھا سیدنا حضرت حمزہؓ کی لاش کے سامنے آکر رک گیا' عین اسی لمحے اسے اپنے سامنے عرب اتحادیوں کا سردار جلیس نظر آیا۔ ابوسفیان نے اپنے نیزے کی نوک سے حمزہؓ کے منہ کے کونوں کو چھوا، وہ بے حد خوش تھا۔ وہ لاش سے یوں مخاطب ہوا ''بغاوت کرنے کا خوب مزہ چکھ لو۔''

یہ دیکھ کر جلیس کو بے حد دکھ ہوا حالانکہ وہ بت پرست تھا۔ اس نے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا ''اے بنو کنعان! قریش کے سردار کا اپنے چچازاد سے حسن سلوک دیکھ لو وہ بھی اس وقت جب وہ مردہ حالت میں بے بس پڑا ہے!'' ابوسفیان یہ جانتا تھا کہ اس نے نہایت گھٹیا حرکت کی ہے چنانچہ وہ جلیس کو ایک طرف لے گیا اور التجا کی ''اے جلیس اس بات کو صیغہء راز میں رکھنا اس لئے کہ میں نے تمہارے سامنے جو ذلیل حرکت کی میں اس پر شرمندہ ہوں۔''

پھر وہ ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں سے مومنین تک اسکی آواز پہنچ سکتی تھی۔ کوہ احد کی ڈھلوان پر پاؤں جما کر کھڑا ہو گیا اور آواز دی کیا محمد ﷺ تمہارے پاس ہے؟ کوئی جواب نہ پا کر اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اللہ کا پیغمبر (خاکم بدہن) زندہ نہیں ہے۔ جانے سے قبل وہ ایک بار پھر پورا زور لگا کر چلایا ''یقیناً جنگ تو ایک جوا ہے آج بدر کی شکست کے دن کا بدلہ لے لیا گیا ہے ھبل ہمارا خدا فاتح ہے وہی سب سے عظیم ہے۔''

اللہ جل شانہ سے اس گستاخی پر پیغمبر خدا ﷺ نے عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ جواب دیں۔ چنانچہ عمرؓ نے بلند آواز سے کہا ''اللہ سب سے عظیم ہے وہ سب سے زیادہ صاحب جلال ہے۔'' ابوسفیان نے آواز پہچان لی تھی بولا ''اے عمر! میں تیری منت کرتا ہوں مجھے بتادو کیا ہم نے محمد ﷺ کو مار ڈالا ہے''۔ ''نہیں مجھے اپنے ایمان کی قسم نہیں وہ تو زندہ و سلامت ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ تو اس

وقت تمہاری آواز بھی سن رہے ہیں" ابوسفیان کو بے حد مایوسی ہوئی وہ پھر یوں مخاطب ہوا" ظاہر ہے مجھے تمہاری بات پر زیادہ اعتبار ہے کیونکہ میں ابن قمیہ کی بات پر تمہاری بات کو ترجیح دیتا ہوں جو اتراتا پھرتا ہے کہ اس نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ آئندہ سال بدر کے مقام پر تم سے آمنا سامنا ہو گا۔" عمرؓ نے جواب دیا: "اس میں کیا شک ہو سکتا ہے ایسا تو ہو گا ہی۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ تجھ سے وہیں ملیں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے علیؓ کو بت پرستوں کی کھوج لگانے کے لئے روانہ کیا۔ فرمایا" ذرا دھیان سے دیکھنا یہ لوگ کس طرح جاتے ہیں۔ اگر وہ اپنے اونٹوں پر سوار ہوئے اور گھوڑوں کو لگامیں تھامے لے کر چلے تو اس کا یقینی مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے جنگ کی ساری امیدیں ختم کر دی ہیں اور وہ مکہ جا رہے ہوں گے۔ اس کے برعکس اگر وہ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنے اونٹوں کو آگے آگے ہانکتے جا رہے ہوں گے تو یہ بات یقینی ہو گی کہ وہ مدینہ کی طرف جا رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ ہمیں یکجا نہ رہنے دیں اور ہمیں جدا جدا کر کے کمزور کر دیں۔ اس صورت حال میں ہمیں ایک کام کرنا ہو گا کہ وقت ضائع کئے بغیر ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس حملے سے ہم دشمنوں کے درمیان سے اپنا راستہ بنالیں گے۔"

تھوڑی ہی دیر بعد حضرت علیؓ واپس آگئے۔ انہوں نے قریش کو اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو لگاموں سے پکڑ کر جاتے دیکھا تھا اور وہ مکہ کی طرف جا رہے تھے۔

مومنین کو جب دشمن کے ارادوں کا یقین ہو گیا تو وہ شہداء کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے تھے۔ سب سے پہلے پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے چچا حمزہؓ کی لاش تلاش کروائی جو وادی کے ایک گڑھے میں ملی۔ جسم کا سامنے کا حصہ چیرا گیا تھا اور کان ناک کاٹ لئے گئے تھے۔ "کیا میرا خدشہ درست نہیں نکلا کہ یہ سب کچھ حمزہؓ کی بہن صفیہ کے لئے بڑی اندوہناک خبر ہو گی اور مثال قائم کرنے کے لئے جو لگتا ہے قانون کی شکل اختیار کر لے گی۔ میں حمزہؓ کی لاش اس وقت تک دفن نہیں کراؤں گا جب تک قاتل گیدڑوں اور گدھوں کی خوراک نہیں بن جاتے۔ اس طرح انتقام کی امید زندہ رہے گی اے حمزہؓ! جس کسی نے آپ سے اس طرح کا غیر انسانی اور بہیمانہ سلوک کیا ہے میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس سے اس کا بہت خوفناک بدلہ لیا جائے گا۔"

> رسول اللہ ﷺ پر پھر یہ وحی نازل ہوئی "اور اگر تم تکلیف دو تو ایسی ہی تکلیف دو جیسی تمہیں تکلیف دی گئی اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے" (۱۲۶:۱۶)

اس تنبیہ کے بعد محمد ﷺ نے دشمن کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کا خیال ترک کر دیا تھا اور

مومنین کو تاکید کی کہ دشمن کی لاشوں کو ہرگز مسخ نہ کریں۔

اس جنگ کی تباہی و بربادی کی خبر مدینہ پہنچ چکی تھی۔ تمام عورتیں جن میں حضرت صفیہؓ بھی شامل تھیں زخمیوں کی تیمارداری اور جنگ میں مارے جانے والوں کی نوحہ خوانی کے لئے بڑی تعداد میں پہنچ گئی تھیں۔ آنحضور ﷺ نے صفیہؓ کے فرزند زبیر ابن العوام کے ذمہ یہ کام کیا کہ وہ اپنی والدہ کو لے جائیں اور انہیں بھائی کی لاش جو بڑی سفاکی سے مسخ کر دی گئی تھی نہ دیکھنے دیں۔ بہن نے کہا "مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے بھائی کی لاش اسلام کی خاطر مسخ کی گئی ہے اور لاش جس شکل میں بھی ہو میں نے فیصلہ کیا ہے کہ ضرور دیکھوں گی خدا کے لئے مجھے مت روکئے!" وہ سیدھی وہاں پہنچیں جس جگہ سید الشہداء حضرت حمزہؓ کی لاش پڑی تھی مذہبی احساس کے پورے جذبے اور ثابت قدمی کے ساتھ بہن نے بھائی کے لئے دعا کی اور رخصت ہو گئیں۔

نماز جنازہ کا سلسلہ شروع ہوا تو اپنے چچا حمزہؓ کی نماز جنازہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے اس خیال سے کہ مومنین پہلے ہی بہت تھکے ہوئے تھے، دو دو اور تین تین لاشیں ایک قبر میں دفنانے کا حکم دیا، مذہبی رسم کے مطابق انہیں غسل بھی نہیں دیا گیا تھا پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: "میں ان شہداء کے لئے گواہی دیتا ہوں کہ جن مجاہدین نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کی ہیں یہ قیامت کے روز جب دوبارہ زندہ ہوں گے تو ان کے زخم بھی تازہ ہوں گے اور ان میں سے خون بھی رس رہا ہو گا ان کے جسموں میں سے خوشبو آ رہی ہو گی۔"

جب رسول اللہ ﷺ کو اس بات کا علم ہوا کہ بہت سے خاندان اپنے عزیزوں کی لاشیں مدینے میں دفن کرنے کے لئے لے جا رہے ہیں تو آپ ﷺ نے سرزنش کی اور حکم دیا "آج کے بعد تم لوگ اپنے مرنے والوں کو وہیں دفن کرو گے جہاں وہ مریں گے۔"

جیسا کہ ڈر تھا غزوہ احد اسلام کیلئے مہلک نتائج کا باعث نہیں بنا تھا۔ نقصان بیشک کافی ہوا تھا مگر اس جنگ کے بہت سے فائدے بھی ہوئے شکست تو صرف اس وجہ سے ہوئی تھی کہ آنحضرت ﷺ کے پہلے خیالات اور احکامات کی میدان جنگ میں نافرمانی کی گئی تھی۔ مستقبل کے لئے مسلمانوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کی ہر بات کو بسرو چشم قبول کریں گے۔ یہاں تک کہ خدانخواستہ پیغمبر خدا ﷺ قتل بھی کر دیئے جائیں تب بھی آپ ﷺ ہی کے دیئے گئے احکامات پر عمل کرنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ علیؓ ابو بکرؓ اور عمرؓ کی وقتی دل شکستگی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ آیت قرآنی نازل ہوئی۔

"اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں البتہ گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول۔ پھر اگر وہ وفات پالیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر (الٹے پاؤں)

لوٹ جاؤ گے ؟"(۳ : ۱۴۳)
مزید یہ کہ عقیدہ پختہ ہو تو شکستیں بھی محض قوت و توانائی میں اضافہ کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے "اور بہت سے نبی (ہوئے ہیں) ان کے ساتھ (مل کر) بہت سے اللہ والے لڑے پس وہ سست نہ پڑے (ان مصیبتوں) کے سبب جو انہیں اللہ کی راہ میں پہنچیں اور نہ انہوں نے کمزوری (ظاہر) کی اور نہ دب گئے اور اللہ صبر کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"(۳ : ۱۴۶)

اس کے بعد بت پرستوں سے رحمدلی اور نرمی کا مظاہرہ نہیں کیا گیا تھا ستر ۷۰ شہداء کی لاشوں کا جس طرح مثلہ کیا گیا تھا اس نے ثابت کر دیا تھا کہ رحمدلی اور نرمی دشمن کے معاملے میں قابل قبول نہیں تھی۔

عبد اللہ ابن سلول اور اس کے ساتھی منافقین اور مومنین میں امتیازی فرق اب واضح ہو گیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو علم تھا کہ یہ لوگ کس کردار کے مالک تھے لیکن آپ ﷺ کے ساتھیوں کی بڑی تعداد بھی یہ نہیں جانتی تھی کہ ان دوہرے چہرے والے لوگوں کی بے وفائی اور غداری کہاں تک پہنچ چکی تھی اور یہ لوگ عین خطرے کے وقت کس بزدلی سے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ جاتے تھے۔ کوہ احد کے بارے میں محمد ﷺ فرماتے تھے یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس کی محبت کو اپنی محبت سے لوٹاتے ہیں۔ اے اللہ! ابراہیمؑ نے اعلان کیا تھا کہ مکہ مقدس ہے میں مدینہ کی سرزمین کے مقدس ہونے کا اعلان کرتا ہوں جو دو پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔"

محمد ﷺ کا حضرت زینبؓ سے عقد نکاح۔

زیدؓ ایک آزاد غلام تھے جنہیں آنحضور ﷺ نے اپنا متبنٰی لیا تھا۔ زیدؓ کی شادی زینبؓ بنت حجش سے ہوئی تھی مگر یہ شادی ناکام ہو گئی تھی۔ زینبؓ کو اپنے حسب نسب کی فوقیت کا احساس تھا علیؓ نے شادی کے لئے یہ رشتہ مانگا تھا جو زینبؓ اور آپ کے بھائیوں نے مسترد کر دیا تھا۔ یہ شادی اس وقت ہوئی جب آنحضور ﷺ نے ذاتی طور پر دلچسپی لی اور زیدؓ سے ان کی شادی ہو گئی۔ مگر وہ آزاد کردہ غلام جو اب ان کا شوہر تھا اس سے ان کی کبھی نہ بن سکی تھی۔

محمد ﷺ ایک روز زید کے گھر گئے تاکہ ان سے بات کر سکیں مگر وہ گھر پر موجود نہ تھے۔ زینبؓ نے پردے کے پیچھے سے بات کی۔ "زید باہر گیا ہے آپ اندر آجایئے اور تھوڑی دیر انتظار کر لیجئے۔" پیغمبر خدا ﷺ نے انکار کر دیا آپ ﷺ واپس لوٹنے والے تھے کہ ہوا سے پردہ ہٹ

گیا اور اتفاقاً حضور ﷺ کی نظر زینبؓ پر پڑ گئی رسول اللہ ﷺ پر اس قدر اثر ہوا کہ آپ ﷺ کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے "ساری تعریف و تحسین اس اللہ کے لئے ہے جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔" یہاں اس بات کا ذکر بہت ضروری ہے کہ حضرت زینبؓ آنحضور ﷺ کی پھوپھی زاد بہن تھیں آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں اور حضور ﷺ کی ذاتی کوشش سے انہوں نے حضرت زیدؓ سے شادی کی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت زینبؓ کو اس موقعہ پر پہلی بار نہیں دیکھا تھا۔

حضرت زینبؓ نے آنحضور ﷺ کی زبان سے یہ الفاظ سنے تو اپنے آپ پر فخر محسوس کیا۔ جب زیدؓ واپس گھر پہنچے تو پہلے سے کہیں زیادہ حقارت آمیز غرور و تکبر سے استقبال ہوا۔ شوہر کو بتایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تھے اور جاتے ہوئے یہ الفاظ فرما گئے ہیں۔

حضرت زیدؓ نے اب یہ محسوس کرنا شروع کر دیا تھا کہ اس خاتون کو خوش رکھنا پہلے ہی مشکل تھا اب گزارہ اور مشکل ہو جائے گا۔ انہوں نے محمد ﷺ سے ملنے کا ارادہ کیا اور پھر آنحضو ﷺ کو بتایا "یا رسول اللہ ﷺ ہو سکتا ہے زینبؓ آپ ﷺ کو خوش رکھ سکے۔ اگر ایسا ہو تو میں اس سے علیحدگی اختیار کر لوں۔" آنحضور ﷺ نے جواب دیا۔ "زید! اپنی اہلیہ کے پاس جاؤ اور اسے اپنی زوجیت میں رکھو۔"

مگر حضرت زیدؓ کے لئے اس خاتون کے ساتھ زندگی گزارنا بے حد مشکل ہو گیا تھا، خصوصاً جب سے حضرت زینبؓ نے حضور ﷺ کی زبانی اپنی تعریف سنی تھی۔ وہ اب اس فیصلے پر پہنچے تھے۔ کہ اپنے اطمینان و سکون کی خاطر اہلیہ کو طلاق دے دیں۔ وہ دوبارہ پیغمبر خدا ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا "اے رسول خدا ﷺ زینبؓ کا رویہ مجھ سے اب بدتر ہو گیا ہے میں اسے طلاق دینا چاہتا ہوں۔" محمد ﷺ نے جواب دیا "اللہ سے ڈرو' اور اپنی اہلیہ کو اپنے گھر ہی رکھو۔" "مگر گھر میں اب میری حیثیت ایک مالک کی نہیں رہی!" "اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے تو بیوی سے علیحدگی اختیار کر لو۔"

جوں ہی طلاق ملی' حضرت زینبؓ کے ذہن میں ایک ہی خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آجائیں اس دوران خدا کے نبی پر یہ وحی نازل ہوئی۔

"پھر جب زیدؓ نے اس (زینب) سے اپنی حاجت پوری کر لی (طلاق دے دی) تو ہم نے اسے آپ ﷺ کے نکاح میں دے دیا۔" (۳۳ : ۳۷)

یوں آنحضرت ﷺ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کر لینے کا فیصلہ کیا۔ یہودیوں اور "منافقین" نے سکینڈل کھڑا کرنے کی کوشش کی کہنے لگے "محمد ﷺ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے

شادی کرلی ہے!" اس واقعہ سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں نے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر پیغمبر خدا ﷺ کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ درج ذیل آیات نازل ہوئیں اور پھر ہر سچے مومن نے دشمنوں کے کذب وافترا پر کان دھرنے چھوڑ دیئے "انہیں انہی کے باپوں کی طرف (منسوب کر کے) پکارو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ (قرین) انصاف ہے پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے رفیق ہیں۔" (۳۳:۵)۔

"محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں" (۳۳:۴۰)

حضرت زیدؓ کو آنحضرت ﷺ نے اسلام کی آمد سے پہلے متبنٰی بنایا تھا اور یہ آپ ﷺ کے لئے سیاسی میدان میں ایک بڑی رکاوٹ بن گیا تھا۔ قرآن پاک کی آیت کے نزول کے بعد یہ رکاوٹ دور ہو گئی تھی اور ایک غلام جواب آزاد تھا زید ابن محمد ﷺ سے دوبارہ اپنے اصلی نام زیدؓ ابن حارث کے نام سے پکارا جانے لگا تھا لیکن جو محبت و شفقت محمد ﷺ کے دل میں حضرت زید اور ان کے بیٹے اسامہؓ کے لئے تھی وہ اس مسئلہ کے حل کے بعد اور بڑھ گئی تھی۔

حضرت زینبؓ کے آنحضرت ﷺ کے عقد نکاح میں آجانے کے واقعہ کو ان مؤرخین نے جن کی اسلام دشمنی میں کسی شک وشبہے کی گنجائش نہیں' بے حد اچھالا تاکہ پیغمبر خدا ﷺ کی ذات کو داغدار بنا سکیں۔ ہم اس موضوع کو زیر بحث لانا ہی نہیں چاہتے اس لئے کہ ہماری رائے میں حیات محمد ﷺ سے تمام تر تفصیلات کو آپ کے مشن سے جدا کیا ہی نہیں جا سکتا۔ محمد ﷺ جو پیغمبر خدا ﷺ تھے اور محمد ﷺ جو ایک معاشرے کے فرد تھے دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھ کر کوئی فیصلہ کرنا ممکن ہی نہیں۔ دوسرے انبیاء کی مانند' بلا استثنٰی محمد ﷺ کی بھی بطور انسان بیشک "بشری کمزوریوں کے لمحات" ہوں گے لیکن ان کا آپ کے پیغمبرانہ منصب سے کوئی واسطہ نہیں۔ مزید یہ کہ حیات محمد ﷺ کے اصل مؤرخین نے آنحضور ﷺ کی ذات سے وہ وابستگی محسوس کی کہ انہوں نے آپ ﷺ کے کردار کو زیر بحث لانے سے انکار کر دیا۔

جب دوسرے انبیاء کے مؤرخین ان کی زندگیوں سے وہ واقعات نکال دیتے ہیں جو ان کے خیال میں انہیں ان کی نسل کی نظروں میں کمتر درجہ پر لے آنے کا موجب بن سکتے ہیں تو دراصل یہ اہل قلم اپنے آپ کو اپنی عظیم شخصیتوں کے اعمال وافعال کے نقاد کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اوپر کے بیان میں جو کئی کتابچوں کی اشاعت کا بہانہ بن سکتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول عربی ﷺ کے سوانح نگار ناقابل تردید خلوص نیت کا ثبوت دیتے ہیں ان کی تقلید میں اور اپنی غیر جانبداری کی علامت کے طور پر ہم نے اس واقعہ کے اظہار کو اپنا فرض سمجھا حالانکہ اس میں ہماری دلچسپی ثانوی

حیثیت رکھتی تھی اور ہمارے پاس سیرت رسول ﷺ کے اور کئی ایسے اہم واقعات تھے جو قلمبند ہونے سے رہ گئے اور یوں اس کتاب میں جگہ نہ پاسکے۔

غزوۂ ذات الرقاع (۶۲۶ء بمطابق ۴ھ)

جب آنحضور ﷺ کو معلوم ہوا کہ نجد کے بنو محارب اور بنو صلبہ مسلمانوں کے خلاف کسی مہم کی تیاری کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ ان سے مقابلے میں پہل کرلی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ اپنے ساتھیوں سمیت دشمن کے مقابلے کے لئے نکل پڑے۔ جلدی میں صرف چند اونٹ ساتھ لے سکے چھ آدمیوں کے لئے صرف ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے، مومنین کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے جن پر وہ پٹیاں باندھنے پر مجبور تھے۔ تیز اور نوکیلے کنکروں سے ان کے پاؤں کی انگلیوں کے ناخن اتر گئے تھے جن پر وہ اپنی پوشاک پھاڑ کر پٹی کے طور پر باندھتے تھے۔ اس مہم کو اسی لئے ذات الرقاع کا نام دیا گیا۔ نخل کے مقام پر پڑاؤ ڈالنے کے بعد محمد ﷺ کے سپاہی دشمنوں کی نظر میں آگئے تھے جو کثیر تعداد میں جمع تھے بالکل آمنے سامنے دونوں فوجیں بغیر کسی حرکت کے محاذ آرا تھیں۔ کوئی ایک بھی حملہ کرنے میں پہل کرنے کو تیار نہ تھی مسلمانوں کے لئے اس کا سبب نسبتاً ان کی بہت کم فوج تھی اور کفار، اسلام کی حالیہ فتوحات سے مرعوب ہو کر سہمے ہوئے تھے۔ ان حالات میں پیغمبر خدا ﷺ نے "صلوٰۃ الخوف" یعنی "خطرے سے بچاؤ کی نماز۔" ادا کی آپ نے مومنین کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا ایک نے نماز ادا کی تو دوسرے گروہ نے دشمن پر کڑی نگاہ رکھی اور یوں باری باری دونوں گروہوں نے نماز ادا کرلی تھی۔

مسلمانوں کے ہمت و حوصلے سے کفار بہت مرعوب ہوئے جنہیں وہ حیرت میں ڈالنے کی امید لئے پھرتے تھے اور اچانک حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ دشمن کے اتحادیوں نے ایک ایک کر کے پسپا ہونا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ مومنین کو مبالغہ آمیز حد تک اپنے آپ پر اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔

سورج نصف النہار پر پہنچا تو جھلسا دینے والی دھوپ میں مسلمان وادی میں بہت سے کیکر کے درختوں تلے قیلولے کے لئے سایہ میں چلے گئے اور ایسا کرتے وقت انہوں نے دشمن پر نظر رکھنے کے لئے سنتری بھی مقرر نہیں کئے تھے۔ بنو مصطلق کے ایک بدو نے دیکھ لیا کہ مسلمان احتیاط سے کام نہیں لے رہے اور اپنے دفاع سے غافل ہیں۔ گھٹنوں اور کہنیوں کے بل چل کر وہ آنحضور ﷺ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے نقرئی دستے والی شمشیر اس درخت کی ٹہنیوں سے اتارلی جس کے سائے میں پیغمبر خدا ﷺ آرام فرما رہے تھے۔ اور تلوار آپ ﷺ کے سر پر لہراتے ہوئے حضور ﷺ سے یوں مخاطب ہوا "اے محمد ﷺ! کیا تم مجھ سے خوفزدہ نہیں ہو؟" "نہیں! میں تم سے کیوں

خوفزدہ ہونے لگا؟" "کیا تم اس تلوار سے بھی نہیں ڈرتے جو میرے ہاتھ میں ہے؟" "نہیں اس لئے کہ میری حفاظت اللہ نے کرنی ہے۔" نبی ﷺ نے جواب دیا۔ آپ ﷺ بالکل مطمئن تھے اور دشمن کو بڑی جرأت کے ساتھ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ رہے تھے۔

خطرے کی گھڑی میں بھی یہ بے نیازی دیکھ کر بدو مبہوت کھڑا تھا اور کسی فوق الفطرت جذبے نے اس کی حرکت قلب مفلوج کر دی تھی اس کی پیشانی پر ٹھنڈے پسینے کے قطرے تھے۔ تلوار کے دستے پر انگلیوں کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تھی پھر تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر آنحضور ﷺ کے قدموں میں گر گئی تھی۔ آپ ﷺ نے بڑے آرام سے تلوار اٹھالی اور اس بدو سے پوچھا "اب بتاؤ تمہیں میرے ہاتھ سے کون بچائے گا؟" اس مغلوب دشمن نے جواب دیا تمہاری فیاضی و نرم دلی!"

اس کا اندازہ درست تھا رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام لانے پر مجبور کئے بغیر جانے کی اجازت دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے ایسا اس لئے کیا تھا کیونکہ آپ کفار کو اسلام کی فیاضی کا عادی بنانا چاہتے تھے تاکہ وہ بغیر کسی جبر کے خود بخود دائرہ اسلام میں داخل ہوتے جائیں۔ بدو نے اپنے پڑاؤ کی جانب واپس لوٹنے سے پہلے غرور تکبر سے یہ کہا تھا کہ وہ محمد ﷺ کا سر لے کر واپس لوٹے گا۔ وہ اب اپنے ساتھیوں سے یوں ہمکلام تھا "میں ابھی سیدّ البشر سے مل کر آیا ہوں' دنیا کے سب سے اچھے انسان" سے وہ یہ کہہ کر واپس لوٹا اور اسلام قبول کر کے محمد ﷺ کی غلامی میں داخل ہو گیا تھا۔

غزوۂ بنو مصطلق (۶۲۷ء بمطابق ۵ھ)

اب بنو مصطلق کی باری تھی کہ وہ بے چین ہوں اور اسلام کے خلاف سازش کریں۔ آنحضور ﷺ نے انہیں سزا دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ چنانچہ اپنے مجاہدین کے دستے لے کر آپ ﷺ مرلیسیع کے کنوؤں کے قریب دشمن کی سرزمین پر قدید کے مقام پر ان سے برسرپیکار ہوئے۔ گھمسان کی لڑائی ہوئی دونوں طرف سے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ اللہ نے بنو مصطلق کو پسپا کر دیا تھا اور بے حساب اموال غنیمت جن میں اونٹ' بھیڑیں اور قیدی شامل تھے مسلمان مجاہدین کے ہاتھ لگا تھا۔

قیدیوں میں مصطلق کے سردار کی حسین و جمیل بیٹی جویریہ بھی شامل تھی۔ قرعہ اندازی کے ذریعے تقسیم ہوئی تو جویریہ ثابت ابن قیس کے حصے میں آئیں مگر جویریہ نے اپنے مالک کو آزادی کے عوض بھاری فدیہ دینے کا وعدہ کیا۔ پھر انہوں نے آنحضرت ﷺ کو تلاش کیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا "حضور ﷺ میں جویریہ ہوں بنو مصطلق کے سردار حارث کی بیٹی آپ کو

تو میری بدنصیبی کا علم ہے میں جناب کی شرافت اور عالی ظرفی سے واقف ہوں' میں آپ سے درخواست کرنے آئی ہوں کہ از راہ کرم میری مدد کیجئے اور میرا فدیہ ادا کر دیجئے۔" آپ ﷺ نے جواب دیا "میں تیرا فدیہ بھی ادا کر دوں گا اور اگر تم رضامند ہو تو میں تم سے شادی بھی کر لوں گا" جویریہ نے ہاں کر دی اور باوجود حضرت عائشہؓ کے اس حسد کے جو جویریہ کے حسن و جمال کی وجہ سے تھا شادی کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

اس دوران حارث بھی بیٹی کا تاوان لے کر پہنچ گیا تھا۔ محمد ﷺ نے جویریہ کو اپنے باپ کے حوالے کرتے ہوئے اس کی بیٹی کا ہاتھ مانگتے ہوئے چار سو درہم بطور جہیز دینے کی پیشکش کی۔ جونہی اس شادی کی خبر پھیلی مومنین نے کہا "پیغمبر خدا ﷺ نے اپنے آپ کو بنو مصطلق کا اتحادی بنا لیا ہے اب ہمیں بنو مصطلق کے لوگوں کو اپنا اتحادی تصور کرنا چاہیے۔"

مسلمانوں نے اس قبیلے کا سارا مال غنیمت واپس کر دیا تھا اور وہ تمام قیدی بھی جو تقسیم کر لئے گئے تھے انہیں بھی واپس لوٹا دیا تھا۔ جیسی خوشخبری حضرت جویریہ اپنے قبیلے کے لئے لائی تھی ایسی بہت کم عورتیں لائی ہوں گی۔

حضرت عمرؓ کے غلام مہجع نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی کہ اتنے میں بنو عوف ابن خزرج کا ایک اتحادی ابن عیبر بڑی عجلت میں آگے آیا تاکہ کنویں پر گھوڑے کو پانی پلانے میں اسے اس کی باری سے محروم کر دے۔ دونوں گتھم گتھا ہو گئے اور زمین پر گر گئے ثمانہ ابن عیبر نے چیخ کر کہا "اے مجاہدین کے ساتھیو میری مدد کرو" دونوں کو کھینچ کر علیحدہ کر دیا گیا تھا اور یوں وقتی طور پر جھگڑا ٹل گیا تھا لیکن دونوں طرف کے سپاہیوں کے ذہنوں میں بے حد جوش و جذبہ ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اس جھگڑے کا عینی شاہد منافق عبداللہ ابن ابی سلول تھا اس نے ان الفاظ میں اپنے سپاہیوں کی آتش غیظ و غضب کو ہوا دی "اے مدینے والو! تم نے دیکھ لی ہے ان اہل قریش کی شوخی و بے باکی؟ یہ ہماری سرزمین پر ہم سے فساد پر اتر آئے ہیں ہماری مہمان نوازی کو فراموش کر کے ان لوگوں نے اپنی تعداد پر فخر کرنا شروع کر دیا ہے۔ تمہاری راستبازی اور جذبہ اخوت و محبت کا یہی نتیجہ نکلنا تھا۔ تم لوگوں نے تو ان پر اپنے دروازے کھول دیئے تھے اور اپنی جائیدادوں میں سے انہیں حصہ دیا تھا ہمارے بزرگوں نے سچ ہی تو کہا تھا "اپنے کتے کو کھلاؤ پلاؤ تو فربہ ہو کر وہ تمہیں ہی کاٹے گا مدینہ واپس پہنچ کر تم کیا سمجھتے ہو کہ طاقتور کمزور کو نکال باہر نہیں کریں گے۔؟"

زید بن ارقم نے جا کر یہ شرارت آمیز الفاظ محمد ﷺ کو بتائے۔ آنحضرت ﷺ کے قریب ہی حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے تھے انہیں اشتعال آ گیا۔ عرض کیا "اے اللہ کے نبی ﷺ کیا آپ ﷺ عباد ابن بشرؓ کو حکم نہیں دیں گے کہ اس مکار و فریبی کو موت کے گھاٹ اتار دے؟"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو عمرؓ تم نے تو اس طرح کا مشورہ کبھی نہیں دیا؟" آنحضور ﷺ نے فرمایا پھر آپ ﷺ حضرت عمرؓ سے یوں مخاطب ہوئے "اگر لوگوں کو یہ موقعہ ہاتھ آگیا اور وہ یہ کہنے لگے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی گردنیں کاٹنی شروع کر دی ہیں تو مدینہ کے لوگ تو بھڑک اٹھیں گے، نہیں نہیں" حضور ﷺ نے بات جاری رکھتے ہوئے عباد کی طرف مڑ کر فرمایا "البتہ کوچ کا حکم فوراً دے دو۔"

سورج نصف النہار پر تھا۔ گرمی اس قدر تھی کہ الامان والحفیظ خیمے لپیٹنے کے لئے یہ مناسب وقت نہیں تھا پھر بھی آنحضرت ﷺ نے اپنی ناقہ کو چابک دکھائی اور رفتار تیز کر دی آپ نے رات دن زبردستی اپنے مجاہدین کو سفر میں رکھا یہاں تک کہ دوسری صبح اور پھر دوپہر کا وقت آ پہنچا تھا۔ اب پیغمبر خدا ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے سپاہیوں کے قدم ڈگمگا رہے ہیں چنانچہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا۔ مجاہدین جو طویل سفر کی تھکن سے چور تھے زمین پر لیٹ گئے اور جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ ان کے دلوں میں جو ہیجان تھا انہیں اس کے اظہار کا موقعہ بھی نہ مل سکا تھا اور اگر مل جاتا تو شاید ان کے درمیان خونی تصادم کی صورت پیدا ہو جاتی۔ منافق عبداللہ کا ایک بیٹا تھا اس کا نام بھی عبداللہ تھا یہ ایک مخلص اور سچا مومن تھا وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گیا اور کہا "میرے ساتھیوں نے مجھے بتایا ہے کہ آپ ﷺ میرے باپ عبداللہ کو قتل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ اگر یہی بات ہے تو مجھے حکم دیجئے کہ میں اپنے باپ کا سر قلم کر کے حضور ﷺ کے قدموں میں لا رکھوں۔ حالانکہ اللہ کی قسم آپکو یہ معلوم ہونا چاہیے۔ کہ خزرج قبیلے میں کوئی بھی ایسا بیٹا پیدا نہیں ہوا جو مجھ سے زیادہ اپنے باپ کا فرمانبردار ہو۔ اگر حضور ﷺ نے کسی اور کو میرے باپ کے قتل کا حکم دے دیا تو میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گا کہ میرے باپ کا قاتل سزا پائے بغیر نکل جائے اور مجھے مجبوراً اسے قتل کرنا ہوگا۔ اس طرح میرے ہاتھ سے ایک سچے مسلمان کا خون ہو جائے گا محض اس لئے کہ میں ایک منافق مسلمان کے خون کا انتقام لے رہا ہوں گا اور میں خود نار جہنم کا مستحق بن جاؤں گا۔"

آنحضور ﷺ نے اس مومن کی تسلی و تشفی کے لئے فرمایا "اسے کوئی اہمیت مت دو جو تم یہاں کر رہے ہو بلکہ اس کے برعکس ہم تمہارے باپ کو اس وقت تک اپنا دوست اور ساتھی سمجھتے ہیں جب تک وہ ہمارے ساتھ ہے۔"

پاک مٹی سے تیمّم کی اجازت۔

اسی مہم کے دوران یہ وحی نازل ہوئی "اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے

کوئی بیت الخلاء سے آئے یا تم نے عورتوں سے صحبت کی۔ پھر نہ پاؤ پانی تو پاک مٹی سے تیمم کر لو یعنی اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔" (۵ : ۶)

یوں تیمّم کی اجازت ملی جس میں پاک مٹی سے طہارت حاصل کی جاسکتی تھی تاکہ مسلمان نماز کی ادائیگی نہ بھول جائیں جو ان پر فرض تھی۔ صحرائی سفر کے دوران پانی کی قلت کی وجہ سے وضو کا مسئلہ ہوتا تھا۔

غزوۂ خندق (۶۲۷ء بمطابق ۵ھ)

قبیلہ بنو نضر کے یہودیوں کا ایک وفد اور چند دوسرے باغیوں نے مکہ تک کا سفر کیا تاکہ قریش کو اپنے اتحاد کی پیشکش کر سکیں۔ شمالی حجاز کے ایک قبیلے غطفان اور حباش یا "عرب اتحادیوں" نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ یوں ایک بہت بڑی سازش تیار کی گئی اور مدینہ کو چاروں طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔

اس مرتبہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس مہم کی اہمیت کا پتہ چلا تو آپ نے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ دفاع کا ایک ہی طریقہ تھا کہ شہر میں خندق کھود لی جائے اور پھر وہاں دشمن کے حملہ کا انتظار کیا جائے۔

مدینہ کو دفاعی مورچوں' قلعہ بند اور باغات کے ذریعے ہر سمت سے محفوظ بنا لیا گیا تھا۔ صرف شمالی سمت سے دشمن کیلئے ممکن رہ گیا تھا کہ سخت حملہ کر سکے۔ حال ہی میں اسلام قبول کرنے والے سلمانؓ فارسی نے جو ایک عالم و فاضل انسان تھے اور ملک فارس سے آئے تھے آنحضرت ﷺ کو ایک نہایت موثر طریقہ دفاع کے بارے میں بتایا جو خندق کھود کر حفاظت کرنے سے متعلق تھا اور سلمانؓ فارسی نے اپنے ملک میں اس پر عمل ہوتے دیکھا تھا محمد ﷺ کو حضرت سلمانؓ فارسی کی تجویز اس قدر پسند آئی کہ آپ ﷺ نے فوراً خندق کھودنے کا حکم صادر فرمایا۔ مومنین کو اپنے سالار اعظم کی دور اندیشی پر اس قدر بھروسہ تھا کہ وہ فوراً پوری دلجمعی اور جوش و خروش کے ساتھ خندق کھودنے میں مصروف ہو گئے۔

تاہم انہیں انتہائی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔ شمال کی سمت سے چلنے والی سخت سرد ہوا جو اکثر موسم سرما میں چلتی ہے اور ان صحرائی علاقوں میں جہاں موسم گرما کی شدت ناقابل برداشت ہوتی ہے سردی کے دنوں میں ٹھٹھرا کر رکھ دیتی ہے۔ اس بار بھی یہی ہوا، سڑکیں جن کے ذریعے خورونوش کا سامان پہنچتا تھا دشمن نے بند کر دی تھیں۔ خوراک کا ذخیرہ کم ہو گیا تھا۔ اگر یہی صورت حال قائم رہتی تو مسلمان فوج بھوک سے مر جاتی۔ صرف ایمانی قوت کے سہارے مومنین زندہ تھے

ورنہ کھانے کو صرف وہ جو مل رہے تھے جنہیں دنبے کے گوشت کی چربی میں پکایا جاتا تھا اور جس میں سے عجیب سی بو آتی تھی۔ خندق کھودنے والے اپنے بیلچوں اور کدالوں سے پوری قوت سے کام لے رہے تھے اور خندق کافی گہری کھودی جا چکی تھی جبکہ اچانک کدال کسی چٹانی پتھر سے ٹکرائے جسے توڑنا ممکن نہ تھا۔

محمد ﷺ نے منہ میں پانی لے کر اس بڑے پتھر پر کلی کی تو عین اسی وقت آپ ﷺ کے منہ سے اللہ کی مدد کی دعا بھی نکلی۔ کھدائی کرنے والے دوبارہ کوشش کرنے لگے تھے۔ اب انہیں یقین تھا کہ وہ یہ پتھر توڑنے میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ پتھر ریت بن کر بکھر گیا تھا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے چٹانی پتھر ریزہ ریزہ ہو کر نکل آیا تھا۔

خندق ابھی بمشکل تیار ہی ہوئی تھی کہ میدان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک دشمن کے خیمے ہی خیمے نظر آتے تھے۔ دشمن کی تعداد دس ہزار تھی قریش' بنو کنانہ' غطفان' تہامہ اور نجد کے عرب وغیرہ ان کے ساتھ تھے۔ تعداد میں کئی گنا زیادہ ہونے کے باوجود کفار سید المرسلین کے مقابلے کے لئے میدان جنگ میں اتر کر پر اعتماد نہیں تھے۔ چنانچہ وہ مزید اتحادیوں کو ساتھ ملانے کی کوشش میں تھے۔ حیٔ ابن اخطب جو اللہ کا دشمن تھا قبیلہ بنو قریظہ کے یہودیوں کے شہزادے کعب ابن اسد کے پاس گیا جو تھا تو پیغمبر خدا کا دشمن لیکن اس نے آپ ﷺ سے ایک معاہدے پر دستخط کر رکھے تھے۔ کعب نے حیٔ ابن اخطب کو یہ کہہ کر جھڑک دیا تھا "اے حیٔ جو قدم تم اٹھا رہے ہو وہ میرے قبیلے کے لئے بے حد خطرے کا باعث بن سکتا ہے۔ میں نے بڑی وفاداری کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا ہے۔"

"اے کعب اپنا دروازہ مجھ پر کھول دو کہ میں تو صرف تمہارے ہاں سے "شیشج" ایک قسم کی یخنی پینا چاہتا ہوں" کعب نے اسے اندر بلا لیا۔ اور حیی ابن اخطب نے فوراً وہ موضوع چھیڑ دیا تھا جو اسے وہاں لایا تھا۔ اسے دس ہزار اتحادیوں پر ناز تھا جو کوہ احد کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ وہ انہیں بتا رہا تھا کہ کس طرح اسے یقین کامل تھا کہ وہ محمد ﷺ کی دنیا کو نیست و نابود کر کے رکھ دے گا۔ "تم مجھ سے نہایت ذلیل کام لینا چاہتے ہو" کعب نے لیت و لعل سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہ تو ایک پانی سے خالی بادل ہے جس میں صرف گرج چمک باقی رہ گئی ہو مجھے اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا مجھے اس سب سے کیا کرنا ہے؟" جب تک اس نے کعب کو ورغلا نہیں لیا تھا کہ وہ محمد ﷺ سے کیا گیا معاہدہ منسوخ کر دے اور کفار کے اتحادیوں میں شامل ہو جائے' وہ برابر کعب کے ساتھ بحث و تمحیص میں مصروف رہا۔

غداری کی یہ افواہ آنحضور ﷺ کے کانوں تک پہنچی تو آپ ﷺ نے سعد ابن معاذ' سعد

ابن عبیدہ اور شعیب ابن زبیر کو اس غرض کے لئے روانہ کیا کہ یہ معلوم کر کے آئیں کہ اس افواہ میں کہاں تک حقیقت تھی۔ جب آنحضور ﷺ کے ان سفراء نے بنو قریظہ کو معاہدہ کے بارے میں یاد دلایا تو یہ جواب ملا "تم لوگ کس پیغمبر خدا ﷺ کی بات کر رہے ہو؟ اس کے اور ہمارے درمیان تو کوئی معاہدہ کبھی ہوا ہی نہ تھا۔ یہ کھلی غداری تھی اس لئے کہ بنو قریظہ مومنین کے کئی رازوں کے بارے میں اچھی طرح باخبر تھے اور شہر کے نازک اور کمزور مقامات کے بارے میں جانتے تھے۔ مسلمانوں میں اس غداری سے مایوسی بھی پھیل سکتی تھی جس سے بچنے کے لئے محمد ﷺ نے جب آپ ﷺ کے بھیجے ہوئے نمائندے واپس آگئے، فرمایا "اللہ عظیم و برتر ہے! یہ تو ہمارے لیے خوشخبری ہے سنو اے مسلمان ساتھیو خوش خبری سن لو۔" آپ ﷺ نے پیشگوئی کی کہ بنو قریظہ سے معاہدہ کے خاتمے کے بعد اب جو مال غنیمت حاصل ہو گا وہ ان مومنین کو مالدار بنا دے گا جن سے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ غداری کی گئی ہے۔

دس ہزار چمکتے ہوئے نیزوں سے یوں لگتا تھا کہ پورا میدان جنگ تیروں کی زد میں تھا۔ تاہم اس کا ان مومنین پر گہرا اثر ہوا جو دفاعی مورچوں میں بیٹھے ہوئے تھے "منافقین" اپنی عادت کے مطابق بجائے اس کے کہ شہریوں کو حوصلہ دیتے افراتفری اور بے چینی کا بیج بونے کی کوشش میں لگ گئے تھے وہ کہنے لگے تھے "اور تعریف کرو محمد ﷺ کی! اس نے ہم سے قیصر و کسریٰ کے خزانوں کا وعدہ کیا تھا مگر آج تک خود اسے سر چھپانے کو ایک چھت تک میسر نہیں آئی"۔

اس قسم کی بد شگونیوں سے بچنے کے لئے محمد ﷺ نے اپنے مجاہدین کو پورے جوش اور ولولے سے پیشقدمی کا حکم دیا اور انہیں خندق کے عقب میں ہتھیار سنبھال لینے کے لئے کہا۔ ان کے پیچھے ایک پہاڑی تھی جو انہیں تحفظ دیتی تھی۔ اس لمحے کچھ ایسے سپاہی بھی تھے جن کی ہمت جواب دے گئی تھی انہوں نے آنحضور ﷺ سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور عذر یہ پیش کیا کہ ان کے گھر غیر محفوظ تھے۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

> "حالانکہ وہ غیر محفوظ نہیں ہیں وہ تو صرف فرار چاہتے ہیں اور ان پر مدینہ کے
> اطراف سے داخل ہو جائیں۔ (آگھسیں) پھر ان سے فساد چاہا جائے (کہا جائے)
> تو وہ اسے ضرور دیں گے (منظور کر لیں گے) اور گھروں میں صرف تھوڑی سی
> دیر لگائیں گے"۔ (۳۳ : ۱۳۔۱۴)

بلاشبہ مسلمانوں میں سراسیمگی پائی جاتی تھی۔ مگر سچے مسلمانوں کے جذبہ ایمانی اور رسول اللہ ﷺ کی دوامی طمانیت نے اس پر قابو پا لیا تھا۔ دوسری طرف اتحادی باوجود بہت سے فوائد کے جن میں کثیر تعداد خاص طور قابل ذکر تھی، خوفزدہ تھے۔ انہیں رہ رہ کر وہ پر اسرار مجاہدین یاد

آرہے تھے جو ہر اس جنگ میں ان کے خلاف نبرد آزما تھے جو انہوں نے اللہ کے سپاہیوں کے خلاف لڑی تھی۔ وہ اس قدر خوفزدہ تھے کہ جب تک یقین نہ کر لیتے کہ انہیں ایک بار پھر شرمناک شکست کا کوئی خطرہ نہ تھا۔ وہ حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے چنانچہ شہر کی دیواروں کے نزدیک پہنچنے پر انہیں بڑا اطمینان حاصل تھا۔

بیس دن اور بیس راتیں گزر چکی تھی لیکن ابھی تک فوجی کارروائی شہر کے گرد گھیرا ڈالنے اور چند تیر برسانے سے آگے نہیں بڑھی تھی اور اس محدود سی کارروائی کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا تھا۔

بالآخر بنو قریظہ اور کنانہ کے بہت سے گھوڑ سوار شرمندگی و ندامت محسوس کرتے ہوئے تصادم کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ وہ سمٹتے ہوئے دشمن کے ہراول حصے سے دور ہوتے گئے گھوڑوں کی گردنوں پر وہ بہت نیچے تک جھکے ہوئے تھے۔ پھر ایک جنون کے ساتھ وہ حملہ آور ہوئے وہ نارنجی رنگ کے گرد کے بگولوں میں چھپ گئے تھے پھر اچانک طوفان تھم گیا اور بت پرست گھوڑ سواروں کو ریت کے جن بادلوں نے لپیٹ رکھا تھا وہ ہٹ گئے تو یہ لوگ خندق کے سامنے خوف سے بت بنے کھڑے تھے اور تقریباً خندق کے اندر تھے جبکہ ان کے گھوڑے اپنے نتھنوں کو حرکت دیتے ہوئے اور زخمی منہ لئے جن میں سے خون نکل رہا تھا خود رک کے تو اپنے سواروں کو ایک زقند کے ساتھ آگے پھینک دیا تھا۔ یہ گھوڑے بے حس و حرکت کھڑے ہوئے تو ان کی ٹانگیں کانپنے لگی تھیں اور وہ بالکل خندق کے کنارے پر تھے۔

کفار نے قسم کھا کر کہا "ہمیں اپنے خداؤں کی قسم' یہ وہ جنگی چال ہے جو عرب کبھی نہیں چل سکتے" انہوں نے ایسی جگہ تلاش کی جہاں خندق بہت تنگ ہو اور پھر اپنے گھوڑوں کو مہمیز لگاتے ہوئے وہ خندق کے پار تھے۔ علیؓ اپنے چند سپاہیوں کے ہمراہ ان کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔ خندق اور ان کے درمیان پہنچ کر حضرت علیؓ نے دشمن کی واپسی کا راستہ منقطع کر دیا تھا۔ ان میں سے ایک گھوڑ سوار عمرو تھا جس کی شکل بہت ڈراونی تھی اور وہ جسمانی طور پر قوی ہیکل تھا۔ وہ گندی زبان استعمال کرتا ہوا مومنین میں سے کسی ایک مجاہد کے ساتھ لڑنے کا چیلنج دے رہا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے جو خود سینہ بند باندھ کر تیار ہو رہے تھے سر پر پگڑی باندھ چکے تھے اور تلوار ہاتھ میں لے لی تھی' حضرت علیؓ اس دیو قامت دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوئے تھے جب عمرو نے اپنے مدمقابل پر نگاہ ڈالی اور دیکھا کہ ایک لڑکا اس سے لڑنے کے لئے سامنے آیا ہے۔ تو اس نے حقارت و رحم کے ملے جلے جذبات کا اظہار کیا۔ اس نے حضرت علیؓ کو مخاطب کر کے کہا "میں اس تذبذب میں ہوں کہ تمہارا خون کیونکر بہاؤں اس لئے کہ تیرا باپ میرا دوست تھا" علیؓ نے جواب دیا "جہاں تک میرا معاملہ ہے تیرا خون بہانے میں مجھے کوئی ہچکچاہٹ

نہیں ہوگی۔"

یہ سن کر دشمن کے منہ سے غیض و غضب سے جھاگ نکلنے لگی تھی۔ علیؓ نے اسے جو کچھ وہ بک سکتا تھا بکنے دیا اور اسے بتایا کہ جس مد مقابل کو وہ محض ایک لڑکا تصور کر کے حقارت کی نظر سے دیکھ رہا ہے وہ پیدل ہے اور یہ گھوڑے پر اور گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر وہ اس لڑکے کے وار سے اپنا دفاع نہ کر سکے گا۔ عمرو اپنے گھوڑے سے کود کر نیچے آگیا اور گھوڑے کی نسیں کاٹ کر اسے معذور کر دیا۔ وہ ظاہر یہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ اس گھوڑے کو جنگ اور فرار دونوں کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہتا تھا اس قدر کم عمر دشمن کی طرف سے لڑنے کا چیلنج قبول کرنے پر دشمن اشتعال سے دیوانہ ہو گیا تھا اس نے اپنی بند مٹھیوں سے اپنا ہی چہرہ پیٹ ڈالا تھا پھر وہ علیؓ پر جھپٹا اور ضرب کاری لگانے کے لئے نشانہ باندھا جس کی زد میں اس لڑکے کی پیشانی ذرا سی ہٹ کر تھی۔ ڈھال کے تو اس نے پہلے ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے تھے۔

بجلی کے کوندے کی سی تیزی کے ساتھ علیؓ جست لگا کر ایک طرف ہٹ گئے اور پھرتی کے ساتھ غیر متوقع طور پر دشمن کے عقب میں ہو گئے اس عفریت نما دشمن نے مڑنے کی کوشش کی مگر حیران و پریشان لڑکھڑا گیا۔ علیؓ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فوراً فن حرب کے مطابق وار کیا۔ تلوار عمرو کے گلے کو چیرتی ہوئی اس کی شہ رگ اور پھر دوسری شریانوں سے پار ہو گئی۔ زخم اس قدر چوڑائی میں تھا کہ اس میں سے خون کا فوارہ ابل پڑا۔ کسی نشے میں سرمست شرابی کی طرح دیو پیکر دشمن نے ہچکی کی آواز نکالی' چند قدم ڈگمگایا اور پھر اسلام کے مجاہد کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔

یہ منظر دیکھ کر مسلمانوں کے منہ سے بیساختہ "نعرہ تکبیر، اللہ اکبر بلند ہوا۔ کفار گھبراہٹ میں جدھر منہ آیا بھاگ نکلے ان کا ایک ساتھی نوفل ابن عبداللہ جست لگاتے وقت فاصلے کا صحیح اندازہ نہ لگا سکا اور گھوڑے سمیت خندق میں جا گرا تھا جہاں اسے پتھروں کی بارش سے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ پھر زبیر نے اپنی شمشیر سے اسے سسک سسک کر مرنے سے نجات دے دی تھی اس کا جسم دو حصوں میں چیر دیا گیا تھا اور شمشیر گھوڑے کی زین پر جا کر رک گئی تھی۔

حضرت صفیہؓ جو آنحضور ﷺ کی خالہ زاد تھیں حسان بن ثابت کے قلعہ بند کی چوٹی سے جو آپ کے قریب تھی دشمن پر نظر رکھے ہوئے تھیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک یہودی قلعہ بند کے گرد گھوم رہا ہے۔

آپ نے حسان سے کہا "تم نے دیکھا وہ یہودی ہماری گھات میں لگا ہوا ہے؟ وہ بلاشبہ ہماری دیواروں میں کوئی کمزور جگہ تلاش کر رہا ہے جبکہ آنحضرت ﷺ اور مجاہدین اگلے محاذ پر دشمن کے بالمقابل صف آرا ہیں۔ یہ جاسوس دوسرے یہودیوں کو بلا لائے گا اور اس قلعہ بند پر وہ قبضہ کر

لینگنے نیچے جاؤاور اسے قتل کر دو۔" "اے عبدالمطلب کی بیٹی! اللہ تجھے معاف کرے، میں تو ایک ایسا سپاہی ہوں جو جنگی اسلحہ کا استعمال اچھی طرح نہیں جانتا میں تو شاعر ہوں۔"

مردوں جیسی بہادرانہ صفات کی مالکہ صفیہ نے یہ سن کر اپنے کندھوں کو حرکت دی اور ایک بلم لے کر نیچے اتر گئیں۔ وہ دبے پاؤں جاسوس یہودی کے پیچھے پہنچ گئیں اور اس کے سر پر بلم کے پے در پے وار کر کے اسے گرا دیا پھر حسان کے پاس واپس آگئیں۔ "اب تم نیچے جا سکتے ہو تاکہ جو کچھ مال غنیمت اس یہودی سے ملے لے آؤ اس لئے کہ ایک عورت کے لئے مناسب نہیں کہ کسی مرد کے لباس کی تلاشی لے۔"

طویل وقفوں کے ساتھ بہت سی چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں لیکن خندق نے کفار کو خوفزدہ کر دیا تھا اور وہ صحیح اندازہ نہ لگا سکتے تھے کہ شہر کی محافظ فوج کے پاس سامان خورونوش ختم ہو چکا تھا اور سپاہیوں میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی۔

اس دوران نعیم، جو بنو غطفان کا شہزادہ تھا تلاش کرتا ہوا آنحضور ﷺ تک پہنچ گیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے یوں مخاطب ہوا "اے اللہ کے نبی ﷺ میں مسلمان ہو گیا ہوں مگر میرے قبیلے کے لوگوں کو اس بات کا علم نہیں، اب میں بالکل آپ ﷺ کے رحم و کرم پر ہوں۔" آنحضور ﷺ نے فرمایا "تیری ساری بہادری و شجاعت کس کام کی؟ تم تنہا ہو! کیا تم ہماری اتنی مدد نہیں کر سکتے کہ اتحادیوں کو اشتعال دلا کر اتحاد سے دستبردار ہونے پر آمادہ کر دو؟ جنگ میں کچھ تدابیر جائز ہوتی ہیں۔"

نعیم کی سمجھ میں فوراً یہ بات آگئی تھی کہ اسے کیا کردار ادا کرنا ہے۔ وہ بنو قریظہ کے پاس گیا۔ وہ جن دنوں بت پرست تھا ان دنوں وہ ان کے ساتھ اکثر کھانے پینے میں شریک ہوتا تھا۔

اس نے کہا "اے بنو قریظہ! تم تو جانتے ہو کہ تم سب کے لئے میرے دل میں کیا جذبات ہیں؟" "بیشک ہمیں معلوم ہے اور ہم آپ پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔" "یہ بات ہے تو میری بات غور سے سنو قریش اور غطفان جو تمہارے اتحادی ہیں ان کا معاملہ تم لوگوں سے مختلف ہے ملک کا یہ حصہ تمہارا ہے یہ تمہاری ملکیت ہے یہاں تمہاری جائیدادیں ہیں اور یہاں تمہارے خاندان زندگی بسر کرتے ہیں۔ تم کسی اور سرزمین کے لئے اپنی سرزمین نہیں چھوڑ سکتے مگر یہ اتحادی تو یہاں صرف محمد ﷺ سے جنگ لڑنے آئے ہیں۔ ان کی جائیدادیں اور ان کے خاندان تو ان کے دشمن کی دسترس سے باہر ہیں۔

اگر جنگ کا پانسہ ان کے خلاف پلٹ جاتا ہے تو وہ بڑے سکون کے ساتھ اپنے وطن واپس لوٹ جائیں گے اور تم لوگوں کو تمہارے ملک میں پیچھے چھوڑ جائیں گے تاکہ تم اس شخص کے ساتھ

جیسا سلوک چاہو کرو کیا یہ تنہا ہو تو تم اس کا مقابلہ کر سکو گے ؟ اس لئے تمہارے لئے بہتر ہو گا کہ ان "قوموں" کے ساتھ جنگ مت کرو تاوقتیکہ ان کے چیدہ چیدہ افراد کو یرغمال نہ بنالو تاکہ تمہیں یقین ہو جائے کہ تمہیں کبھی بھی مصیبت میں تنہا نہیں چھوڑا جائے گا اس سے پہلے کہ تم محمد ﷺ کو جھکنے پر مجبور کر دو۔" "سچ تو یہ ہے کہ تمہاری تجویز بہت مناسب ہے!" ان سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ پھر نعیم قریش بت پرستوں کے پاس گیا اور ان سے اس طرح بات کی "تم تو اس حقیقت سے باخبر ہو کہ میرے دل میں تم لوگوں کی کتنی قدر ہے" "ہاں" میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ جو بات صحیح ہے وہ میں تمہیں ضرور بتادوں۔ مگر قسم کھاؤ کہ تم لوگ اسے راز میں رکھو گے۔" "ہم قسم کھاتے ہیں اسے راز ہی رکھیں گے۔" "ٹھیک ہے تو پھر بغور سن لو کہ یہودی اس بات پر پچھتا رہے ہیں کہ انہوں نے محمد ﷺ سے اپنا معاہدہ کیوں توڑا۔ اور یہ کہ انہوں نے محمد ﷺ کو یہ پیغام بھی بھیجا ہے!" جو کچھ ہم نے کیا ہم اس پر نادم ہیں۔ لیکن اگر آپ ہمیں معاف کر سکتے ہوں تو ہم نے قریش اور غطفان کے جو بہت سے سر کردہ افراد یرغمال بنائے تھے انہیں آزاد کر دیں گے۔ اور جب تک آپ کے دشمن کا قلع قمع نہیں ہو جاتا ہم آپ کے وفادار اتحادی رہیں گے۔ محمد ﷺ نے اسے قبول کر لیا ہے یہودی اس لئے یرغمالیوں کا مطالبہ آکر کریں گے۔ اور ان کا مؤقف یہ ہو گا کہ انہیں یقین ہے کہ انہیں کبھی تنہا نہیں چھوڑا جائے گا تاوقتیکہ انہیں یہ ضمانتیں حاصل ہیں۔ اس صورت حال میں تمہیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ کہ انہیں ایک یرغمالی بھی مت دیں۔"

یہی بات اس نے اپنے ہموطن بنو غطفان کے لوگوں سے کہی اور یہاں بھی اسے مکمل کامیابی ہوئی۔ اہل قریش اور غطفان نے قسم کھائی کہ وہ چوکنے رہیں گے۔

ماہ شوال کی ایک سنیچر کی شب ابو سفیان اور قبیلہ غطفان کے سرداروں نے عکرمہ کو بنو قریظہ کے ہاں بھیجا۔ اسے کہا گیا کہ وہاں جا کر یہ اطلاع دے۔ "ہم مزید اس علاقے میں نہیں ٹھہر سکتے کہ یہ ہمارے گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے موزوں نہیں ہے کل محمد ﷺ سے جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اب ہمیں اس سے کوئی فیصلہ کر لینا چاہیے!" انہوں نے جواب دیا۔ کل سنیچر ہے یوم سبت اور ہمارے مذہب میں یہ ٹھہرا آرام کا دن ہے تاہم کسی طور پر بھی ہم اس وقت تک آپ کے ساتھ مل کر جنگ نہیں کر سکتے جب تک تمہارے درمیان جو سب سے زیادہ بااثر لوگ ہیں انہیں تم یرغمالیوں کے طور پر ہمارے حوالے نہیں کر دیتے جو اس بات کی ضمانت ہو گی کہ تم لوگ ہمارے مشترک دشمن کو نیست و نابود کئے بغیر ہمارا ساتھ نہیں چھوڑو گے۔" جب عکرمہ نے یہ الفاظ دہرائے تو قریش اور غطفان چلا اٹھے "ہمیں اپنے خداؤں کی قسم جو کچھ نعیم نے بنو قریظہ کے بارے میں ہمیں بتلایا تھا بالکل درست تھا۔" اتحادیوں نے دوسرا پیغام بھیجا جس میں واضح طور بتادیا گیا تھا۔ "ہمیں

اپنے خداؤں کی قسم ہم تمہیں ایک یرغمالی بھی نہیں دیں گے۔"

اب بنو قریظہ کی باری تھی کہ وہ اس بات کی تصدیق کر لیتے کہ جو اطلاع انہیں نعیم نے دی تھی وہ کہاں تک درست تھی، ان میں اور اتحادیوں میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اس خبر نے آنحضور ﷺ کو بے حد خوشی و مسرت بخشی تھی مگر یہ خواہش رکھتے ہوئے کہ اس پھوٹ سے قریش اور غطفان کی صفوں پر کیا اثر پڑا تھا آپ ﷺ نے حذیفہ سے کہا "آج رات ہی دشمن کے کیمپ میں چلے جاؤ اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ وہ کیا منصوبہ بنا رہے ہیں اور واپس آکر مجھے مطلع کرو مگر اس کی خبر کسی اور کو نہ ہونے پائے۔"

سرما کی اس شب اندھیرا گھپ تھا جس سے فائدہ اٹھا کر حذیفہ دبے پاؤں دشمن کے خیموں میں گھس گیا تھا برفانی ہوا نے ہر جگہ آگ بجھا دی تھی اور کھانا پکانے والے برتن اڑا کر لے گئی تھی ہوا کے تیز جھونکوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی اور سردی سے کانپتے بت پرست ایک جگہ جمع تھے، انہوں نے گرم چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ ابوسفیان نے آواز لگائی "اپنے ساتھیوں کو نگاہ میں رکھیں۔" یہ پہرے کا لفظ تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ "جاسوسوں سے باخبر رہو۔" حذیفہ نے کمال حاضر دماغی سے قریب کھڑے ہوئے ایک بت پرست کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور دھمکی آمیز لہجے میں اس سے پوچھا "تم کون ہو؟" "میں فلاں ابن فلاں ہوں" حذیفہ نے اسے جانے دیا اور وہ بت پرست اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھنے پر مجبور تھا اور اس نے بھول کر بھی یہ نہ سوچا ہو گا کہ اسے بھی سوالات پوچھنے چاہیے تھے اور اس کے لئے بھی پوچھ گچھ اتنی ہی لازمی تھی جس قدر کسی اور کے لئے۔

بنو قریظہ کی دستبرداری نے ان مشکلات کو جنم دیا جن میں اونٹوں اور گھوڑوں کو چارہ مہیا کرنا شامل تھا اور اس سے بھی بڑھ کر اس پر آفات رات نے ابوسفیان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ اس کے اور دوسرے قریش سرداروں کے درمیان جو بحث و تمحیص ہوئی اس کے بعد حذیفہ کے پیدا کردہ قضیے میں جو خود سامنے نہیں تھا یہ فیصلہ کیا گیا کہ محاصرین واپس اپنے گھروں کو چلے جائیں۔ ساری صورت حال معلوم کر کے جس کے لیے وہ آیا تھا' حذیفہ واپس اپنے ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔ اس نے دیکھا کہ آنحضور ﷺ نماز ادا کر رہے ہیں آپ ﷺ نے آواز دے کر اپنے پیروکار کو بلا لیا تھا۔ جب حذیفہ رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گیا تو اپنے قاصد کو سردی میں گرمی پہنچانے کے لئے اُسے چادر کے ایک حصے میں لپیٹ دیا تھا جو حضور ﷺ نے مصلے کی جگہ زمین پر بچھا رکھی تھی۔ محمد ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنے بہادر و دلیر سکاؤٹ سے تفصیل سنی اور اسے اس مشن میں کامیابی پر مبارکباد پیش کی۔ دوسرے روز میدان دشمن سے خالی ہو گیا تھا'

آنحضرت ﷺ نے خندق چھوڑ کر اپنی فوج سمیت مدینہ کی راہ لی۔ آپ نے فرمایا "یہ آخری موقعہ تھا کہ قریش یہاں ہم پر حملہ کرنے آئے تھے اب آئندہ ہم انہیں ان کے محاذ پر جاکر للکاریں گے۔"

صلح حدیبیہ (۶۲۸ء بمطابق ۶ھ)

پیغمبر خدا ﷺ نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کے جلو میں مکہ میں داخل ہوئے ہیں پھر منیٰ گئے ہیں اس وادی میں جہاں قربانیاں دی جاتی ہیں۔ اس خواب سے حضور ﷺ کی بہت بڑی آرزو کا پتہ چلتا تھا اور تمام مومنین کی بھی یہی آرزو تھی اس لئے کہ ہجرت سے لے کر اب تک یہ لوگ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے نہیں آسکے تھے۔ چنانچہ محمد ﷺ نے فیصلہ کیا کہ ان مسلمانوں کی آرزو پوری کر دی جائے۔

ماہِ ذوالقعدہ میں رسول اللہ ﷺ چودہ سو زائرین کو لے کر مدینہ سے نکلے اور مکہ کا رخ کیا۔ ان کے ساتھ ستر اونٹ تھے جو آپ ﷺ قربانی کے لئے لے جارہے تھے۔ اس بات کے اظہار کے لئے کہ آپ ﷺ پرامن رہنے کا ارادہ لے کر نکلے تھے قربانی کے جانوروں کی گردنوں میں ہار ڈال دیئے گئے تھے۔ مزید براں یہ کہ ذوالحلیفہ کے مقام پر پہنچ کر آپ ﷺ نے "احرام" باندھ لیا تھا جس میں دو ان سلی چادریں زائرین کا لباس بن جاتی ہیں۔ اور مقامات مقدسہ کی زیارت کے دوران کئی باتوں کی ممانعت ہوتی ہے جس میں عورتوں کے پاس جانے خوشبو لگانے، داڑھی کاٹنے، بال منڈوانے یا ترشوانے یا ناخن کاٹنے دنگا فساد کرنے اور قربانی کے جانوروں کے سوا تمام دوسرے جانوروں کے ذبح کرنے کی ممانعت شامل ہے۔

آپ کے پیروکار آپ ﷺ کی تقلید کر رہے تھے۔ وہ "تلبیہ" اے اللہ میں حاضر ہوں پڑھتے جارہے تھے اور تمام مسلمان مل کر حضور ﷺ کی تقلید میں اسے دہراتے تھے۔

بشر ابن کعب جسے مکہ بھیجا گیا تھا کہ وہاں کے حالات معلوم کر کے آئے وہ اصفان کے مقام پر آنحضور ﷺ کو مکے سے واپسی پر ملے اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا "اے پیغمبر خدا ﷺ یہ بات قریش کے علم میں ہے کہ آپ راستے میں ہیں انہوں نے بنو ثقیف اور بنو حبش کے لوگوں کو بلا لیا ہے جو آپ کے مقابلے کے لئے آرہے ہیں۔ ان کے ہمراہ بیوی بچے بھی ہیں تاکہ وہ فرار کے بارے میں سوچ بھی نہ سکیں۔ وہ اپنے ساتھ اونٹنیاں اور ان کے بچے بھی لے آئے ہیں تاکہ گوشت اور دودھ کی کمی محسوس نہ ہو۔ انکے سپاہیوں نے جسموں پر چیتے کی کھال پہن رکھی ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ وہ کبھی ہتھیار نہیں ڈالیں گے اور آخری سانس تک جنگ جاری رکھیں گے۔ اس وقت ان کا پڑاؤ

ذوسوع کے مقام پر ہے ان کے رسالہ کا سپہ سالار خالد ابن ولید قرۃ الغمین کے مقام پہ گھات میں بیٹھا ہے۔

"دشمن جس راستے سے ہماری آمد کا منتظر ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے راستے سے ہمیں کون پیش قدمی میں مدد دے سکتا ہے؟" آنحضور ﷺ نے پوچھا۔ قبیلہ اسلم کے ایک فرد نے اپنی خدمات پیش کیں اور ایک ایسے راستے سے مسلمان فوج کو لے کر گیا جو عام لوگوں کو معلوم نہ تھا مگر دیکھنے میں یہ راستہ بڑا خطرناک تھا یہ بہت پر پیچ تھا اور اس میں جنگلی نالے آتے تھے۔ راستے میں ناہموار ٹیلے بھی تھے اور یکدم چڑھائی یا اترائی آجاتی تھی۔ نوکیلے کنکروں نے سپاہیوں اور جانوروں کے پاؤں زخمی کر دیئے تھے۔

تھکن کچھ دور ہوئی تو مسلمان سپاہی ایک کھلی وادی کے رتیلے حصے پر ٹھہر گئے تھے۔ ان کے زخمی پاؤں اس رتیلی زمین کو نرم نرم قالین محسوس کر رہے تھے۔ انہوں نے رب رحیم و کریم کے حضور سجدہ شکر ادا کیا اور اپنے سپہ سالار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہ دعا مانگی۔

"اے پروردگار ہمیں معاف فرما دے ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما اور ہماری توبہ قبول فرما لے۔" پھر یہ مومنین درۂ مُرار سے گزر کر حدیبیہ کی پہاڑی کے دامن میں پہنچے جس کا کچھ حصہ تو سرزمین مقدس پر ہے اور کچھ اس سے ہٹ کر۔ یہ مکہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے یہاں پہنچ کر آنحضور ﷺ کی ناقہ قصواء اچانک گھٹنوں کے بل زمین پر جھک گئی اور اٹھنے سے انکار کر دیا۔ "کیا اسے کوئی بے چینی ہے؟" آنحضرت ﷺ کے ساتھیوں نے پوچھا "نہیں اسے کوئی بے چینی نہیں" محمد ﷺ نے جواب دیا ہاں البتہ اسے تو اسی خالق کائنات نے روک لیا ہے جس نے ابراہہ کے ہاتھی کو روکا تھا اور یوں اسے مکہ میں داخل ہونے سے باز رکھا گیا۔ یہ کہہ کر رسول اللہ ﷺ نے خیمے نصب کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ دشمن حیران تھا کہ راستے میں ابھی تک محمد ﷺ اور ان کی فوج سے مڈھ بھیڑ کیوں نہیں ہوئی اسے چونکہ علم ہو چکا تھا کہ آنحضور ﷺ قریب پہنچ چکے ہیں اس لئے وہ سمجھ گیا تھا کہ مسلمانوں نے کوئی اور راستہ اختیار کر لیا ہو گا۔ وہ بہت تیزی کے ساتھ واپس لوٹے اور گھوڑ سواروں کو آگے روانہ کر دیا تاکہ وہ شہر کو جانیوالے راستے کی ناکہ بندی کر لیں۔ انہوں نے بدیل اور قبیلہ خزاعہ کے بہت سے عربوں کو آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ کے عزائم کی ٹوہ لگا سکیں۔

بدیل نے پیغمبر خدا ﷺ کی زبانی سنا کہ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ مقامات مقدسہ کی زیارت کر لیں۔ وہ اپنے ہموطنوں کے خلاف جنگ چھیڑنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے وہ یہ اطلاع دینے قریش کے پاس واپس لوٹا۔ لیکن انہیں خزاعہ کے لوگوں پر بھروسہ نہ تھا کیونکہ درون خانہ ان کی ساری ہمدردیاں محمد ﷺ کے ساتھ تھیں اور اس بات کا انہیں علم تھا۔ چنانچہ انہوں نے ایک دوسرا قاصد ابن علقمہ، پیغمبر خدا ﷺ کے پاس روانہ کیا۔

جب وہ حضور ﷺ کے پاس پہنچا تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ تمام قربانی کے جانوروں کو اس کے سامنے سے گزارا جائے، جن کے گلے میں ہار تھے اور گردن پر جہاں چھری پھیری جاتی تھی وہاں سے بال تراش دیئے گئے تھے۔ اس نے زیادہ دیر رکنا فضول سمجھا اور واپس آ کر جو کچھ دیکھا تھا وہ قریش کو بتایا۔ قریش نے اسے بیٹھنے کا حکم دیا اور اسے بتایا کہ "تم تو بدوؤں کے قبیلے کے بدھو کے بدھو ہی رہے۔ تم محمد ﷺ کی چالاکی اور ہوشیاری سے واقف نہیں ہو۔ ہم اسے بہتر جانتے ہیں کہ وہ ہمارے شہر سے تعلق رکھتا ہے" ابن علقمہ کو طیش آ گیا اور اس نے قریش سے مخاطب ہو کر کہا۔ "اے اہل قریش تم ہمارے معاہدے کی شرائط کی پرواہ نہیں کر رہے۔ وہ شخص جو خدائے بزرگ و برتر کی حمد بیان کرنے آیا ہے تم میں سے کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے بیت اللہ سے نکال دے۔ مجھے اس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم محمد ﷺ کو امن وامان سے فریضہ مقدس ادا کرنے دو گے وگرنہ ہم اتحادی تم سے معاہدہ توڑ لیں گے۔ اور اس میں کوئی تاخیر نہیں ہو گی" انہوں نے کاندھے جھٹک کر کلمات حقارت ادا کرتے ہوئے کہا۔ "آؤ ہم اس وقت تک اتحاد قائم رکھیں جب تک ہم اپنے مقاصد حاصل نہیں کر لیتے" اور انہوں نے عروہ ابن مسعود، بنو ثقیف کے سردار کو اس مشن پر روانہ کیا جو ان کے خیال میں پہلے قاصدوں سے پورا نہ ہو سکا تھا۔ اس نے اعتراض کرتے ہوئے کہا: "اے اہل قریش! تم نے دشمن کی طرف جو آدمی بھیجے تھے ان کی واپسی پر جن تلخ الفاظ سے تم نے ان کا استقبال کیا وہ میں سن چکا ہوں۔ تم مجھے میری ماں کے حوالے سے جانتے ہو۔ میں تمہارا آدمی ہوں کہ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو وادی مکہ میں بستے ہیں۔ تم لوگوں نے مجھ پر ذرہ برابر بھی شک کیا تو میں یہاں سے جانے سے قبل تمہارے دل چیر کر رکھ جاؤں گا" "تم سچ کہتے ہو۔ ہم تمہیں جانتے ہیں۔ ہمیں تم پر کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔"

عروہ پیغمبر خدا ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کے سامنے جھک کر یوں مخاطب ہوا۔ "اے محمد ﷺ آپ ﷺ کے ارد گرد تمام ممالک کے لوگ جمع ہو گئے ہیں اور آپ اپنے وطن مالوف واپس آ کر ان لوگوں کی مدد سے اپنے ہی وطن کو اجاڑنا چاہتے ہیں۔ اب تو اہل قریش نے قسم کھا کر سچے دل سے یہ عہد کیا ہے کہ جب تک ان کے چہروں پر پلکیں آنکھوں کو ڈھانپتے ہوئے جنبش کرتی

رہیں اس وقت تک آپ دوبارہ مکہ کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکیں گے' ہاں مگر ایسا آپ صرف اسلحہ کی طاقت سے کر سکیں گے۔ اور ہمیں اپنے خداؤں کی قسم کہ آپ ﷺ جھاگ کی مانند آنے والے دن کے غروب آفتاب سے قبل مٹ جائیں گے۔"

یہ الفاظ سن کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کی آنکھیں طیش سے آگ برسانے لگی تھیں۔ یہ سب آنحضور ﷺ کے پیچھے نصف چہرے زیر نقاب کئے کھڑے تھے۔ ان میں سے حضرت ابو بکرؓ باہر نکلے 'گھوڑے پر سوار وہ اس کافر کے پاس گئے اور چلا کر کہا "دفع ہو جاؤ اپنی صورت چھپاؤ اور جا کر اپنے پتھر کے خدالات کا بیٹ اپنے دانتوں سے کاٹ کھاؤ۔ کیا تم یہ سوچتے ہو کہ ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اللہ کے پیغمبر ﷺ کا ساتھ چھوڑ سکتے ہیں؟" عروہ نے پوچھا "اے محمد ﷺ یہ شخص کون ہے؟" "یہ ابو قحافہ کا بیٹا ہے۔" ابو بکرؓ کی طرف مڑ کر عروہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "مجھے اپنے خداؤں کی قسم اگر میں ایک احسان تلے دبا ہوا نہ ہوتا تو تیرے الفاظ کا جواب اسی طرح دیتا لیکن تمہاری طرف سے میری جو بے عزتی ہوئی ہے اس نے ہمیں مستقبل میں ایک دوسرے سے کنارہ کش کر دیا ہے۔"

وہ قاصد اب محمد ﷺ کے پاس گیا اور آپ ﷺ سے گفتگو کے دوران اس دور کی اس رسم کے مطابق کہ بحث و تمحیص میں مصروف دو اشخاص ایسا کیا کرتے تھے' وہ آنحضور ﷺ کی ریش مبارک سے کھیلنے لگا تھا۔ آنحضرت ﷺ کے ایک اور ساتھی نے یہ دیکھا تو چلا کر کہا "پیغمبر خدا ﷺ کے چہرۂ مبارک سے اپنا ناپاک ہاتھ دور رکھو ورنہ میں تجھے تیرے اس ہاتھ سے محروم کر دوں گا۔" عروہ نے پوچھا "یہ گنوار کون ہے؟" آنحضرت ﷺ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "تم اس سے واقف نہیں؟ یہ تمارے بھائی کا بیٹا مغیرہ شعبہ ہے۔" عروہ اپنے بھتیجے سے بولا "او غدار کیا تو اسقدر جلد بھول گیا ہے کہ محض میری مداخلت اور سفارش سے تیرے بہت سے جرائم معاف کر دیئے گئے تھے"؟ وہ پھر محمد ﷺ سے دوبارہ مخاطب ہوا جو اس سے اس کے منصب کی بنا پر عزت سے پیش آرہے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے دوبارہ اپنی بات دہرائی کہ ان کے ارادے بڑے صلح کن تھے۔ مومنین کے کیمپ میں قیام کے دوران عروہ نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے سپہ سالار کی کس قدر تعظیم کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ وضو کرتے تو آپ ﷺ کے ساتھی بھاگتے ہوئے جاتے اور وضو کے استعمال شدہ پانی کو آپس میں تقسیم کر لیتے تھے، اس نے یہ بھی دیکھا کہ پیغمبر خدا ﷺ سر منڈواتے تو آپ کا ایک بال بھی زمین پر نہ گرتا' مومنین بال اٹھا لیتے اور کسی قیمتی خزانے کی مانند سنبھال لیتے۔ عروہ نے واپس آکر بتایا "میں نے ایران کے کسریٰ کے عالیشان دربار بھی دیکھے میں نے قیصر روم کے دربار بھی دیکھے جہاں شہنشاہ روم رؤسا کے درمیان بڑی شان و شوکت سے کھڑا

بیٹھا ہوتا تھا اور میں نے حبشہ کے شہنشاہ نجاشی کو اپنے بہادر اور مہیب محافظوں کے درمیان پورے تزک واحتشام کے ساتھ دربار لگائے بھی دیکھا۔ مگر میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے آج تک کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا جس کے دربار میں امراء ورؤسا اسے گھیرے ہوئے ہوں اور اس کا مقام و مرتبہ وہ ہو جو محمد ﷺ کا اپنے ساتھیوں کے درمیان میری نظروں نے دیکھا ہے اور سب سے زیادہ اہم اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ ان طاقتور اور رعب ودبدبے والے شہنشاہوں کے درباروں میں ان کے آس پاس وقوع پذیر ہونے والے معاملات کے برعکس محمد ﷺ کے ساتھی ان سے کوئی توقع نہیں رکھتے نہ کسی مادی فائدہ کی نہ مال ودولت کی اور نہ کسی اعزاز کی یہ سب کچھ میں نے دیکھا اور پوری تسلی اور یقین کے ساتھ دیکھ کر واپس آیا ہوں۔ اب تم لوگ جو قدم اٹھانا چاہو اٹھالو۔"

جو کچھ عروہ نے بیان کیا قریش نے اسے فریب نظر کا نام دیا' حالانکہ وہ ان باتوں سے بے حد متاثر ہو چکے تھے۔ انہوں نے چالیس پچاس سپاہیوں کو بھیجا کہ مومنین کی گھات میں بیٹھ جائیں اور ان کا مقصد یہ ہو کہ وہ انہیں حیرت میں ڈال کر چند ایک مسلمان سپاہیوں کو گرفتار کر لائیں۔ مومنین چونکہ چوکس تھے اس لئے الٹا انہوں نے کئی کفار کو قیدی بنا لیا تھا ان قیدیوں کو پیغمبر خدا ﷺ کے سامنے لایا گیا تو آپ نے اپنی زبان سے ادا شدہ امن وامان کے دعوے پر قائم رہتے ہوئے انہیں معاف کرتے ہوئے آزاد کر دیا حالانکہ وہ دغا وفریب سے حملہ کرتے وقت پکڑے گئے تھے۔ اور ان کے جرم کی سزا موت سے کم کچھ نہ تھی۔

اس لمحے محمد ﷺ ایک پیغام دے کر حضرت عمرؓ کو امرائے مکہ کے پاس بھیجنا چاہتے تھے۔ مگر عمرؓ نے یہ جواب دیا "اے اللہ کے نبی ﷺ قریش میرے کئی دشمنانہ کاموں کی وجہ سے یہ جانتے ہیں کہ میرے دل میں ان کے لئے کیا جذبات ہیں میرے خاندان کا کوئی فرد اب مکہ میں نہیں رہ گیا اس لئے مجھے ہر طرح سے ان کی طرف سے خدشہ لاحق رہے گا۔ مگر میں حضور ﷺ کو ایک ایسا شخص بتاتا ہوں جس کا اثر ورسوخ میری نسبت کہیں زیادہ ہے۔ میرا اشارہ عثمانؓ ابن عفان کی طرف ہے۔"

محمد ﷺ کو یہ تجویز بے حد پسند آئی۔ آپ نے عثمانؓ کو ابوسفیان اور شہر کے رؤسا کے پاس بھیجا تاکہ وہ انہیں اس بات پر یقین کر لینے پر آمادہ کر سکے کہ آنحضور ﷺ امن وامان کے جذبات رکھتے ہیں اور حج بیت اللہ سے شرف یاب ہونا چاہتے ہیں۔

جب آنحضور ﷺ کے سفیر اہل مکہ کو اپنی آمد کا مدعا بیان کر چکے تو انہوں نے جواب دیا "اے عثمان! اگر تم یہ چاہتے ہو کہ طواف کعبہ کر لو تو ہم تمہیں تو اجازت دیتے ہیں۔" "میں ایسا نہیں کر سکتا اس لئے کہ میں تو پیغمبر خدا ﷺ کے نقوش پا پر چل کر طواف کعبہ کرنا چاہوں گا۔ یہ

جواب سن کر اہل مکہ کو اشتعال آ گیا اور انہوں نے حضرت عثمانؓ کو قید خانہ میں ڈال دیا حالانکہ وہ آنحضرت ﷺ کے سفیر بن کر گئے تھے یہ دیکھ کر کہ عثمانؓ ابن عفان واپس تشریف نہیں لائے مومنین اس نتیجے پر پہنچے کہ وہ قتل کر دیئے گئے ہیں وہ اس بات پر بے حد برہم ہوئے محمد ﷺ نے بلا پس وپیش اعلان فرمایا "ہم اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک کفار کی قوم کو ان کے اس گھناؤنے جرم کی سزا نہ دے لیں جس کا ارتکاب انہوں نے ابھی ابھی کیا ہے!" حضرت عمرؓ نے رسولؐ اللہ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے پورے زور سے چلا کر کہا "اے مومنین آؤ اور ایک عہد کرو۔ آؤ اللہ سے التجا کرو۔"

آنحضور ﷺ کیکر کے ایک درخت تلے تشریف فرما تھے اور ان مومنین کا انتظار ہو رہا تھا جو دوڑتے ہوئے آپ ﷺ کی طرف آ رہے تھے۔ وہ جوش وجذبے سے کانپ رہے تھے اور یہ تہیہ کیئے ہوئے تھے کہ حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل بلا چوں وچرا کریں گے خواہ انہیں مقامات مقدسہ میں جنگ ہی کیوں نہ کرنی پڑے۔ انہوں نے پیغمبر خدا ﷺ کے دست مبارک پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھایا کہ وہ کفار سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک موت کو گلے نہ لگا لیں۔ عین اس وقت یہ مستند خبر ملی کہ عثمانؓ کا قتل نہیں ہوا آنحضور ﷺ نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی تاکہ حضرت عثمانؓ کی جگہ حلف اٹھا سکیں۔ اور پھر اس کی توثیق فرما دی۔

اس اثناء میں مومنین کی صفوں میں سخت احتجاج نظر آیا اور قریش کے جاسوسوں نے اسے دیکھا۔ انہیں بڑی بے چینی ہوئی اور انہوں نے سہیل ابن عامر کو صلح کا پرچم دے کر ان ہدایات کے ساتھ روانہ کیا "محمد ﷺ کو امن کی پیشکش کرنا مگر یہ شرط بھی عائد کرنا کہ وہ اس سال واپس چلے جائیں اس لئے کہ ہم عربوں کی طنزیہ باتیں اور طعنے نہیں سن سکیں گے۔ جو یہ سمجھیں گے کہ باوجود اس بات کے کہ ہم نے کیا کچھ نہیں کہا تھا محمد ﷺ پھر بھی ہمارے شہر میں داخل ہو کر رہے۔

اگلے سال ان ہی حج کے ایام میں وہ بخوشی فریضہ حج ادا کر سکتے ہیں۔ سہیل یہ تجاویز لے کر واپس گیا اور آنحضور ﷺ نے انہیں حضرت عمرؓ کے سخت احتجاج کے باوجود قبول کر لیا تھا۔ محمد ﷺ نے اس سے کہا "میں اللہ کا بندہ ہوں اور وہ مجھے گمراہ نہیں کرتا۔ اور جو احکام میرا اللہ مجھے دیتا ہے میں ان سے روگردانی نہیں کر سکتا۔"

"اے عمرؓ! اب تم کیا کہتے ہو؟ میں نے فیصلہ کیا ہے اور اب تم پوری قوت سے میرے فیصلے کی مخالفت کرو۔" حضرت عمرؓ نے یہ الفاظ سنے تو بے حد پریشان ہوئے اور ان کا جسم سر سے پیر تک کانپ رہا تھا۔ ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔

عمرؓ نے بتایا" اس دن کے بعد میں نے نماز، روزہ اور صدقہ و خیرات کی ادائیگی اور غلاموں کو آزاد کرنے میں کوئی کمی نہ کی تاکہ مجھے میری غلطی کی معافی مل جائے۔"

اس موقعہ پر پیغمبر خدا نے فرمایا" اے علیؓ! لکھو" ابتداء ہے اللہ کے نام سے جو بڑا رحیم و کریم ہے۔" سہیل نے احتجاج کرتے ہوئے کہا" مجھے یہ الفاظ قبول نہیں ہیں۔ صرف یہ لکھو" اے اللہ ابتداء ہے تیرے نام سے" ٹھیک ہے ایسا ہی لکھ دیتے ہیں۔ علیؓ لکھو:" اے اللہ ابتداء ہے تیرے نام سے!" یہ معاہدہ طے پایا ہے زیر دستخطی محمد الرسول اللہ ﷺ اور......" سہیل نے پھر ٹوکا" اگر میں یہ تسلیم کرلوں کہ آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں پھر تو آپ سے میری جنگ ختم ہو جاتی ہے" ٹھیک ہے لکھو۔" محمد ابن عبداللہ اور سہیل ابن عامر کے درمیان یہ معاہدہ طے پایا ہے کہ دس سال کے عرصے تک فریقین کی دشمنی و عداوت بند کی جاتی ہے جو کوئی بھی مکہ سے فرار ہو کر محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے پاس پناہ لے گا اسے قریش کو واپس کر دیا جائے گا۔ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی واپس چلے جائیں گے اور امسال قریش کی مرضی کے خلاف مکہ میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اگلے سال قریش کو مسلمانوں کے مقامات مقدسہ میں داخل ہونے پر کوئی اعتراض نہیں رہے گا۔ جہاں انہیں تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت ہوگی لیکن زائرین کے پاس سوائے نیام میں بند تلواروں کے کوئی دوسرا اسلحہ نہیں ہوگا۔" مسلمانوں نے جب معاہدہ میں شامل یہ شرط سنی جو بظاہر ان کے مفاد میں نہ تھی۔ تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے" اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ معاہدہ آپ دستخط کر رہے ہیں؟" محمد ﷺ مسکرائے اور جواب دیا۔" بیشک میں ہی اس معاہدہ پر دستخط کروں گا۔ ہم میں سے وہ جو مخلص نہیں ہوں گے اور بت پرستوں کے ہاں پناہ لیں گے ہمیں ان کے اس فعل پر افسوس کرنیکی ضرورت نہیں ہوگی۔ اللہ نے ان سے ہمیں نجات دلا دی ہوگی جہاں تک مکہ کے ان مسلمانوں کا تعلق ہے جو ہمارے پاس پناہ لینے آئیں گے۔ اگر ہم نے انہیں پناہ نہ دی تو اللہ تو ان کا ساتھ نہیں چھوڑے گا۔ اس لئے کہ ربّ دو جہاں تو جانتا ہوگا کہ ان کی دستگیری کیسے کرنی ہے۔"

سرکردہ مومنین اور چیدہ چیدہ بت پرستوں کے درمیان طے پانے والے اس معاہدہ پر ابھی بمشکل دستخط ہوئے تھے کہ ابو جندل بن سہیل جو اسلام قبول کر چکے تھے اور قیدی تھے اچانک نمودار ہوئے ان کے ٹخنوں کے گرد ٹوٹی ہوئی زنجیریں لٹک رہی تھیں۔ وہ لپک کر اپنے مسلمان بھائیوں کے درمیان پہنچے جنہوں نے خوشی و مسرت سے بے قابو ہو کر ابو جندل کو خوش آمدید کہا۔

اس منظر نے سہیل کو بے حد جذباتی بنا دیا تھا۔ اس نے ایک خاردار ٹہنی بیٹے کے منہ پر دے ماری اسے کپڑوں سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا پیغمبر خدا ﷺ کے پاس لے گیا اور حضور ﷺ سے کہنے لگا"

اے محمد ﷺ! یہ پہلا مفرور ہے میں آپ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ اسے میرے حوالے کر دیں اس لئے کہ اس کی آمد سے قبل معاہدہ طے پا چکا تھا" ابو جندل نے چلا کر کہا "اے میرے مسلمان بھائیو! اس بات کا حق آپ لوگوں کے پاس ہے کیا آپ مجھے ان بت پرستوں کو واپس کر دو گے جنہوں نے مجھے اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ایذا پہنچائی اور میں ان کی قید میں رہا؟ میری طرف تو دیکھو انہوں نے میری کیا حالت بنادی ہے!" اس صابر و شاکر مومن کے جسم پر بت پرستوں کے ظالمانہ سلوک کے نشانات موجود تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابو جندل! راضی بہ رضا رہو اور اپنے اللہ پر توکل رکھو نہ وہ تمہیں تنہا چھوڑے گا کہ تم اس کی دستگیری سے محروم ہو جاؤ۔ نہ تم اس کا دامن چھوڑو گے۔ وہ "مستضعفین" کو (جن پر تمہاری طرح ظلم ڈھایا جائے) تنہا کبھی نہیں چھوڑتا۔" اور جب وقت آئے گا وہ تجھے ضرور نجات دے گا۔ لیکن اس وقت ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم نے ان شرائط پر ابھی ابھی قوم قریش کے ساتھ ایک معاہدے پر دستخط کئے ہیں اور ہم کسی قیمت پر اس معاہدہ کی شرائط کے خلاف نہیں کر سکتے۔"

اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے سہیل سے اس معاملے پر گفتگو کی اور اسے فدیہ لے کر ابو جندل کو چھوڑ جانے پر رضامند کرنا چاہا۔ مگر سہیل نے نہایت بے رحمی کے ساتھ یہ پیش کش ٹھکرا دی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس مصیبت زدہ اور بد نصیب مسلمان کو یوں تسلی دی۔ "اے ابو جندل تم ان کفار کے قبضے میں ہو جن کے خون کی قیمت کتوں کے خون کی قیمت سے کچھ زیادہ نہیں۔ پھر عمرؓ نے ابو جندل کو اپنی تلوار دکھائی۔ انہیں توقع یہ تھی کہ وہ مشتعل ہو کر باپ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر ان ساری باتوں کے باوجود بیٹا اپنے باپ سے محبت کرتا تھا' چنانچہ اس نے عمرؓ سے مخاطب ہو کر جواب دیا" آپ میرے باپ کو خود قتل کیوں نہیں کر دیتے؟ ہمیں رسول اللہ نے ایسا کرنے سے منع کر رکھا " ٹھیک ہے تو پھر کیوں نہ میں بھی اس پابندی کا احترام کروں جو محمد ﷺ نے عائد کر دی ہے" ابو جندل نے کہا۔

سہیل کے ساتھ آنے والے ایک اور مکی مکرز ابن حفص نے یہ پریشان کن صورت حال دیکھی تو اسے بے حد رحم آیا اس نے قسم کھائی کہ ابو جندل کو اس کے باپ اور دوسرے ایذا دینے والوں سے بچالے گا۔

لیکن جس وقت مومنین کے ساتھی کو مکہ کی سمت زبردستی گھسیٹ کر لے جا رہے تھے اس وقت ان کے دل دو نیم ہو رہے تھے۔ ان کا جوش و جذبہ جو ان کی مہم کی وجہ سے ابھرا تھا افسردگی و حوصلہ شکنی میں تبدیل ہو چکا تھا۔ جب آنحضور ﷺ نے انہیں بتادیا کہ معاہدہ مکمل ہو گیا ہے تو آپ ﷺ نے حکم جاری فرمایا" جانوروں کی قربانی دو اور اپنے اپنے سر منڈوالو۔"

محمد ﷺ نے بلند آواز سے اللہ کا نام لے کر قربانی کا پہلا جانور اپنے ہاتھوں سے ذبح کیا۔ پھر آپ ﷺ بیٹھ گئے اور خروش ابن امیہ سے اپنا سر منڈوایا۔ یہ مثال دیکھ کر مسلمانوں نے جلدی جلدی سجدے سے سر اٹھایا اور اس بات پر پچھتائے کہ انہوں نے اپنے امیر کے حکم کی تعمیل کرنے میں اس قدر کم جوش و خروش کا مظاہرہ کیوں کیا تھا۔ انہوں نے آنحضور ﷺ کی تقلید میں فوراً اپنے اپنے قربانی کے جانور ذبح کئے اور پھر اپنے سر منڈوائے۔ اللہ (ساری تعریف جس کے لئے ہے) نے تیز ہوا کے جھونکے چلائے جن سے مسلمانوں کے سروں کے بال بیت اللہ کے گرد و نواح میں پھیل گئے تھے۔

حدیبیہ کے مقام پر محمد ﷺ کا قیام انیس یا بیس روز تک پھیل گیا تھا آپ ﷺ نے واپسی کا اعلان کیا تو آنحضور ﷺ کے ساتھی جو آخری لمحے تک اندر ہی اندر یہ امید لگائے بیٹھے تھے کہ انہیں دشمن پر حملہ کرنا ہوگا، تعمیل حکم میں بلا چوں و چرا واپس چل پڑے تھے حالانکہ اس سے انہیں بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ مدینہ پہنچ کر، جو کچھ وہ تازہ بہ تازہ دیکھ کر آئے تھے، اس نے ان میں دل شکنی کے جذبات پیدا کر دیئے تھے۔ تاہم ایک بات نے انہیں بڑا اطمینان بخشا تھا کہ آنحضور ﷺ نے بہت سی ان مسلمان عورتوں کو بت پرستوں کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا جو مکہ سے فرار ہو کر آئی تھیں۔ ان میں ام کلثوم بنتِ عقبہ، صبیحہ بنتِ حارث وغیرہ شامل تھیں۔ وحی کے نزول کے ذریعے آپ کو بتا دیا گیا تھا کہ اس معاہدہ سے خواتین متاثر نہیں ہوں گی۔ ارشاد باری تعالیٰ یوں ہوا۔

> "اے ایمان والو جب تمہارے پاس مومن مہاجر عورتیں آئیں تو ان کا امتحان کر لیا کرو۔ اللہ خوب جانتا ہے ان کے ایمان کو، پس اگر تم انہیں جان لو کہ مومن ہیں تو انہیں کافروں کی طرف واپس نہ کرو، وہ (مومن مہاجرات) حلال نہیں ہیں۔ ان (کافروں) کے لئے اور وہ (کافر) ان عورتوں کے لئے حلال نہیں ہیں اور تم ان (کافر شوہروں) کو دے دو جو انہوں نے خرچ کیا ہو" (۶۰ : ۱۰)

حضرت ابو جندل کی طرح ایک اور مومن ابو بصیر تھے جو دشمنوں کے مظالم سے تنگ آکر بھاگ آئے تھے اور انہیں بنو عامر قبیلے کے لوگوں کو واپس دے دیا گیا تھا۔ ان کے ہمراہ ایک غلام بھی تھا۔ ان دو کو مدینہ طیبہ بھیج دیا گیا تھا تاکہ وہ وہاں پناہ لے سکیں۔ دشمن ان کو مومنین کی نظروں کے سامنے لے کر جا رہے تھے

اور مومنین کے لئے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا کہ وہ ایسے موقعہ پر اس قدر بے بس اور بے اختیار تھے۔ ان کے درمیان صرف رسول اللہ ﷺ کسی جذباتی کیفیت کا مظاہرہ نہیں فرما رہے تھے اس لئے کہ آپ ﷺ کو وہ کچھ نظر آ رہا تھا جو عام مسلمان نہیں دیکھ سکتے تھے۔ آنحضور ﷺ نے ان

سے آزادی کا وعدہ فرمایا تھا جو اللہ کے خاص فضل و کرم سے ان بد نصیب مسلمانوں کو حاصل ہونے والی تھی۔

ذوالحلیفہ کے مقام پر تینوں آدمی ایک دیوار کے سایے تلے تھوڑی دیر ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ قبیلہ بنو عامر کے آدمی نے اپنے مشن کی کامیابی پر فخر محسوس کیا حالانکہ وہ ایک ناقابل تسخیر ہیرو کا کردار بھی ادا کر سکتا تھا اس نے اپنی شمشیر میان سے نکال کر ہوا میں لہرائی پھر بہ آواز بلند للکار کر کہا" میں اپنی اس تلوار کی مدد سے انصار کو طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک کاٹتا رہتا تب بھی مجھے تھکن محسوس نہ ہوتی" ابو بصیر نے پوچھا "کیا تیری تلوار کی دھار اس قدر تیز ہے ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی، میرے بھائی"

غرور و تکبر سے اندھا بنو عامر کا یہ فرد باتوں میں آ گیا اور ذہن سے تمام شکوک و شبہات جاتے رہے تھے اس نے ابو بصیر کو اپنی تلوار کی دھار دکھانے کے لئے تلوار ان کے حوالے کر دی تھی۔ آپ نے اس بد بخت اور خود بین و مغرور شخص کے ہاتھ سے اچانک تلوار چھین لی۔ اسے کافر کے سر پر لہرا کر ایک ہی وار سے اسے اپنے قدموں میں مردہ حالت میں ڈال دیا تھا۔ یہ دیکھ کر غلام خوفزدہ ہو گیا اور بھاگ کر مدینہ پہنچا جہاں اس نے محمد ﷺ کی پناہ میں آجانے کی درخواست کی۔ اسی لمحے ابو بصیر بھی پہنچ گئے' آپ کے پاس مقتول دشمن کی اونٹنی تھی جس پر وہ سوار تھے۔ انہوں نے اونٹنی کو مسجد کے سامنے بٹھایا اور تلوار ہاتھ میں لئے آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ ﷺ سے عرض کیا" جو کچھ ہوا ہے اس کا ذمہ دار آپ ﷺ کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا اس لئے کہ آپ ﷺ نے تو معاہدہ کے مطابق مجھے میرے دشمنوں کے حوالے کر دیا تھا۔ مگر اللہ نے مجھے ان کے ظلم و ستم سے نجات دلا دی یہ رہا مال غنیمت اس کا پانچواں حصہ آپ کا ہے قبول فرمایئے۔"" مجھے وہ مال غنیمت قبول نہیں جو اس دشمن کی ملکیت تھا جس کے بارے میں معاہدہ کے مطابق میں چند پابندیاں توڑنے سے قاصر ہوں۔ یہ مال غنیمت لے جاؤ اور جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ" آنحضور ﷺ سے اجازت لے کر جب ابو بصیر چلے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس کے قبیلے کے لوگ کس قدر بد قسمت ہیں یہ شخص تو میدان جنگ میں لڑنے والا بہادر انسان ہے۔ کاش اس جیسے پختہ عزم کے مالک اس کے کچھ اور ساتھی بھی ہوتے!"

ابو بصیر شام کو جانے والے راستے پر' جسے قریش کے قافلے بہت استعمال کرتے تھے' واقع ایک مقام العیش چلا گیا تھا۔ وہاں اُسے ایک بار ابو جندل اور ان کے ستر مسلمان ساتھی ملے جنہوں نے یہ سن کر کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے ذمہ دار نہیں تھے جو آپ ﷺ کی مدد کے بغیر اپنے آپ کو آزاد کرا لیں۔ اور بت پرستوں کی قید سے بچ نکلیں۔ یہ پناہ گزیں ارادے کے اسی قدر پکے

تھے جس قدر ابو بصیر ان سب نے یہ فیصلہ کیا کہ ملک کے اس حصے میں رہنا اس لئے آسان اور مفید تھا کیونکہ یہاں جنگلات تھے اور گوریلا جنگ کے لئے اس سے زیادہ موزوں علاقہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ ان علاقوں میں سفر کرنے والے قافلوں کو کامیابی کے ساتھ حراست میں لے کر مال غنیمت کا حصول اپنے اندر بڑی دلکشی رکھتا تھا۔ چنانچہ اس لالچ میں آکر بہت سے عرب قبیلوں مثلاً بنو غفار' بنو اسلم اور بنو بوحانہ کے لوگ ان کے ساتھ شامل ہو گئے تھے۔ یہ اسلام لے آئے تھے اور تین سو سے زیادہ قزاقوں کا جتھہ بنالیا تھا۔

اب مومنین کی سمجھ میں یہ بات آرہی تھی کہ آنحضور ﷺ نے اس وقت نرمی کا مظاہرہ کیوں کیا تھا جس وقت انہوں نے معاہدہ کی شرائط میں شامل ایک ایسا پیرا قبول کر لیا تھا جو بظاہر قابل قبول نظر نہ آتا تھا۔ اور جس کا تعلق طالبان پناہ کی بحالی تھا۔ سامان خورونوش لے کر چلنے والے قافلوں کو جب لوٹا جانے لگا تو قریش نے تحریری التجائیں شروع کر دی تھیں کہ معاہدہ کی وہ شق جو کبھی انہیں بے حد پسند تھی اسے منسوخ کر دیا جائے۔ انہوں نے محمد ﷺ کو مطلع کیا کہ وہ تمام مسلمان جو مکہ سے نکل کر ان کے ساتھ مل جانا چاہتے ہیں' وہ ان کی حفاظت میں ہوں گے اور آپ ﷺ سے التماس کی گئی کہ ابو بصیر اور اس کے ان ساتھیوں کو بلالیں جو قافلوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔ چنانچہ اس نئی صورت حال میں جب محمد ﷺ نے قریش کو تسلی دی تو ساتھ ہی آپ ﷺ کو یہ فائدہ بھی پہنچا کہ آپ نے بڑی فیاضی سے اپنی عسکری قوت میں قابل تعریف حد تک اضافہ کر لیا تھا۔

چنانچہ صلح حدیبیہ کے نتائج جو بظاہر بڑے مایوس کن تھے' بے حد اہم نکلے۔ قرآن میں اسے غزوۂ بدر کے برابر قرار دیا گیا در حقیقت جس وقت مسلمان یہ سوچ رہے تھے کہ انہیں مکہ مکرمہ پر حملہ کر دینا چاہیے اور یہ حملہ وہ سب مل کر کریں۔ خواہ مکی مہاجرین ہوں یا مدنی انصار۔ بلا کسی روک ٹوک کے انہوں نے نہایت اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ حلف اٹھالیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کے بعد وہ درخت جس کے نیچے آپ ﷺ نے بیعت لی تھی' اس قدر مقدس سمجھا گیا کہ بے شمار مومنین اس کے سایے تلے آکر نماز ادا کرتے تھے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے مجبوراً اس درخت کو گرا دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ ڈرتے تھے کہ کہیں اسے مسلک و عقیدہ کا ایسا حصہ نہ بنالیا جائے جو اسلامی روح کو داغدار کر دے۔

اللہ نے مومنین کو اپنے راضی ہو جانے اور ان نتائج کو تکمیل تک پہنچا کر انہیں سرخرو کرنے کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں۔ :

"تحقیق اللہ مومنوں سے راضی ہوا جب وہ آپ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے۔

درخت کے نیچے سواس نے معلوم کر لیا جوان کے دلوں میں (خلوص) تھا تو اس نے ان پر تسلی اتاری اور بدلے میں انہیں قریب ہی ایک فتح عطا کی اور بہت سا مال غنیمت انہوں نے حاصل کیا" (۴۸: ۱۸۔۱۹)

بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے (۳: ۱۵۰)

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا

بیشک ہم نے آپ ﷺ کو کھلی فتح دی (۴۸ : ۱)

باب۔ ۷

محمد ﷺ کو یہودیوں کا اتحاد کبھی حاصل نہیں ہوا تھا حالانکہ آپ ﷺ کی طرف سے اس سلسلے میں پیش رفت بھی کئی بار ہوئی اور آنحضور ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی بھی بڑی فرمائی تھی۔ جیساکہ ہم پہلے ہی یہ دیکھ چکے ہیں کہ یہودیوں نے کبھی بھی سوائے اپنی قوم کے کسی اور قوم میں نبی کی آمد کو تسلیم نہیں کیا تھا نہ ان لوگوں نے کبھی پیغمبر خدا ﷺ کی طرف سے مذہبی اخوت و بھائی چارہ کے ذریعے مدینہ کے لادینی جھگڑوں کے ختم کرنے کو بہ نظر تحسین دیکھا حالانکہ پرانے زمانے میں یہ بے حد منفعت بخش بات تھی۔ قصہ مختصر یہ کہ عربوں کی اسلامی فتوحات نے یہودیوں کو خائف کر دیا تھا۔ اور وہ اب یہ سمجھنے لگ گئے تھے کہ وہ کبھی بھی عربوں کی غلامی سے آزاد نہ ہو سکیں گے۔ چنانچہ مسلمانوں کی ہر نئی فتح سے یہودیوں کے حسد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ ان کا اعتماد اب عداوت و دشمنی میں تبدیل ہو چکا تھا جس نے مسلمانوں کے لئے ان کے خلاف مسلسل کئی مہمات کو لازمی بنادیا تھا۔

اس بات کو زیادہ واضح طور پر پیش کرنے کی غرض سے ہم ان مہمات کا ذکر اسی ایک باب تک محدود کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان کے درمیانی وقفے کافی طویل ہیں۔

غزوہ بنی قینقاع (۶۲۴ء بمطابق ۲ھ)

ایک عرب خاتون قینقاع کے ایک یہودی جوہری کی دوکان کے قریب بیٹھی ہوئی تھی جس سے بیحد بھونڈا مذاق کیا جارہا تھا۔ کسی نے اس کے فرغل کے سب سے نچلے حصے کو اس کے پوشاک کے ساتھ کندھوں کے قریب یوں ٹانک دیا تھا کہ جب وہ اٹھی تو دوکان میں موجود یہودیوں کے سامنے اس کا ستر ظاہر ہو گیا جس پر وہ نہایت بازاری قسم کی ترنگ میں آگئے تھے۔

ایک عرب کو بے حد ناگوار گزرا اور اس نے اپنے عصا سے اس عورت کی بے عزتی کرنے والے یہودی کو زمین پر گرادیا۔ جوہری کے عزیزوں نے جوابی حملہ کر کے اس عرب کو گرالیا تھا۔ اب پر باقی عرب بدلہ لینے کے لئے پہنچ گئے تھے۔ جھگڑا شروع ہوا تو دونوں طرف سے کئی افراد خون میں لت پت ہو گئے۔ زیادتی کی ابتداء یہودیوں کی طرف سے ہوئی تھی اور آنحضور ﷺ ان کے ضرر

رساں جذبات سے واقف تھے۔ آپ ﷺ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ مطالبہ کیا کہ ان لوگوں کو اسلام قبول کر لینا چاہیے۔ آغاز میں تو حضور ﷺ نے انہیں قائل کرنے کی کوشش فرمائی اور ان یہودیوں کو بتایا کہ "ایسا کرنے سے تم اللہ کو قرض دے رہے ہو گے جسے وہ کئی گنا بڑھا دے گا۔" انہوں نے جواب دیا:

"پھر تو یقیناً اللہ بے حد غریب ہے کیونکہ وہ ہم سے قرض لینے کی نوبت تک پہنچ گیا ہے جو مالدار ہیں" اس کلمہ کفر پر رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو سخت سزا کی دھمکی دی جس سے وہ صرف اس صورت میں بچ سکتے تھے کہ فوراً اسلام لے آئیں۔ انہوں نے کندھے جھٹکا کر کہا: "آپ کو یقیناً ان سپاہیوں کے خلاف لڑ کر فتح ہوئی ہے جن کی کوئی عسکری حیثیت ہی نہ تھی۔ اب ذرا ہم پر حملہ کرنے کی کوشش تو کریں' آپ دیکھیں گے کہ ہم آپ کے مکہ کے ہم وطنوں سے کسی طرح سے کم نہیں ہیں۔"

محمد ﷺ نے مسلمانوں کو آواز دی کہ آپ ﷺ کی مدد کو آئیں اور جونہی اللہ کے سپاہی سامنے آئے ان لوگوں کی ساری شیخی جاتی رہی وہ بھاگ نکلے اور گردونواح میں اپنے ہم مذہب افراد کی مضبوط پناہ گاہوں میں جا چھپے۔ پندرہ روز تک چھپنے کے بعد انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اور رحم کی درخواست کر دی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے حکم صادر فرما دیا تھا کہ ان کی گردنیں اڑا دی جائیں۔ تاکہ دوسرے یہودیوں کو سبق حاصل ہو اور وہ آئندہ اپنے قتل کئے جانے والے بھائیوں کی تقلید میں کبھی کلمات کفر ادا نہ کریں۔ عبداللہ "منافق" نے جس کے وہ حلیف تھے۔ آنحضور ﷺ سے ان کیلئے مصالحت کی کوشش کی مگر دو مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے ایسا کرنے دو"

عبداللہ نے پیغمبر خدا ﷺ کے دل پر ہاتھ رکھ کر التجا کی: "میں یہ منظر نہیں دیکھ سکتا کہ وہ میری نظروں کے سامنے قتل کئے جائیں! یہ میری طرف سے نہایت نامہربانہ رویہ ہوگا! آخر کار آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا: "یہ تمہارے حوالے ہیں مگر ان کا تمام مال و اسباب ہمارا ہے"

اس منافق کی مداخلت سے بنو قینقاع کے یہ افراد بچ تو گئے تھے مگر انہیں ملک بدر ہو کر شام جانا پڑا اور ان کا مال و اسباب فاتحین میں بانٹ دیا گیا تھا۔

بنو نضیر کے یہودیوں کے خلاف مہم (۶۲۵ء بمطابق ۴ھ)

عامر کے سپاہیوں کے ہاتھوں اپنے دو بھائیوں کے قتل ہو جانے پر بنو نضیر کے یہودیوں نے مالی شکل میں تاوان کا مطالبہ کیا تو آنحضور ﷺ قبیلہ کے لوگوں کے پاس تشریف لے گئے تاکہ اس معاملے کی تفتیش فرما سکیں۔

آپ ﷺ نے انہیں مطمئن کر دیا تھا اور ایک گھر کے سائے میں بیٹھ کر ابھی چند یہودیوں

کے ساتھ بات چیت کر ہی رہے تھے کہ ایک یہودی جو جحش ابن کعب کا بیٹا تھا' چپکے چپکے اس گھر کی چھت پر چڑھ گیا جہاں اس نے پہلے ہی سے بڑے بڑے پتھر اکٹھے کر رکھے تھے تاکہ محمد ﷺ کو پتھروں سے کچل ڈالے۔ ایک الہامی کیفیت میں محمد ﷺ نے اوپر دیکھا تو عین اس وقت آپ کی نظر جحش کے بیٹے پر پڑی جب وہ اس جرم کا ارتکاب کرنے والا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ تیزی کے ساتھ دیوار سے ہٹ گئے اور اپنے ساتھیوں کو بھی کھینچ کر وہاں سے ہٹالیا تھا۔

مدینہ پہنچتے ہی آنحضور ﷺ نے مجاہدین کو جمع کیا اور اس غدارانہ فعل کے پیچھے جو ذہن تھے انہیں سزا دینے کا فیصلہ کیا بنو نضیر نے اس کوشش میں ناکامی کے بعد اپنے آپ کو مضبوط قلعوں میں بند کر لیا تھا مگر چھ روز بعد انہیں بھی بنو قینقاع کی طرح غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے پڑے۔ انہوں نے اپنے آپ کو فاتحین کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔

ان سب کی جان بخشی تو ہو گئی مگر ان کی بے حساب دولت مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔ ہر شخص کو صرف ایک اونٹ کا بوجھ ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی تھی۔

بنو قریظہ کے یہودیوں کے خلاف مہم (۶۲۷ء بمطابق ۵ھ)

غزوۂ خندق میں شکست کھانے کے بعد اتحادی بکھر گئے تھے اور مسلمانوں نے ہتھیار رکھ دیئے تھے۔ کئی راتیں جاگ کر گزارنے اور محاصرے کے دوران تھکن سے چور ہو جانے کی بنا پر مسلمانوں کو تھوڑی سی مہلت ملی تو وہ ستانے کی غرض سے لیٹ گئے۔ مؤذن کی آواز نے انہیں اچانک جگا دیا تھا۔ وہ آنحضور ﷺ کا حکم پاکر اعلان کر رہا تھا: "وہ تمام مسلمان جن تک میری آواز پہنچ رہی ہے' وہ سن لیں کہ جب تک وہ بنو قریظہ کے درمیان ہیں آج نماز عصر ادا نہ کریں۔"

محمد ﷺ نے قبیلے کے ان لوگوں کی غداری کا اندازہ لگا لیا تھا جنہوں نے اتحاد توڑ کر آپ ﷺ کے دشمن سے الحاق کر لیا تھا اور جو فوری سزا کے مستحق تھے۔ اسی روز آنحضور ﷺ نے اپنے مجاہدین سمیت اپنے دشمن کے قلعوں کے سامنے عینا کے کنویں پر پڑاؤ ڈالا تھا۔ اور پچیس روز کی ناکہ بندی کے بعد اسے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا تھا۔

قبیلہ اوس نے جس کے ساتھ بنو قریظہ کا طویل عرصے سے اتحاد تھا آنحضرت ﷺ سے التجا کی کہ ان کی جان بخشی اسی طرح کر دیں جس طرح بنو قینقاع کے لوگوں کی گئی تھی۔ مگر پیغمبر خدا ﷺ کی نظر میں بنو قریظہ کی غداری کا معاملہ زیادہ سنگین نوعیت کا تھا اور آپ ﷺ کسی صورت میں بھی نرمی دکھانے پر مائل نہ تھے۔ آخر کار آنحضرت ﷺ نے جو نصف راستہ طے کر کے ان سے ملنا چاہتے تھے فرمایا: "اے بنی اوس کے لوگو: کیا تم اس بات پر رضامند نہیں ہو سکتے کہ تم میں سے کسی کو ثالث چن لیا جائے جو یہ فیصلہ کر دے کہ تمہارے اتحادیوں سے کیا سلوک کیا جائے؟

یوں تمہارے سرداروں میں سے صعب ابن معاذ کو اختیار دیا جائے کہ ان کی قسمت کے فیصلے کو سر بمہر کر دے۔"

صعب ابن معاذ غزوۂ خندق میں اس وقت شدید زخمی ہوا تھا جب قریب سے آنے والے ایک تیر نے اس کے بازو کی ایک نس کو بری طرح زخمی کیا تھا۔ اس نے اللہ سے دعا کی تھی کہ وہ اسے بنو قریظہ کے سنگین جرم کی سزا دینے تک زندہ رکھے۔ صعب بھاری بدن کے مالک ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر کمزور تھے کہ چل پھر نہیں سکتے تھے۔ وہ ایک گدھے کی پیٹھ پر سوار تھے، تکیے کے سہارے بیٹھتے تھے اور کھڑا ہونے پر دو مومنین انہیں سہارا دیتے تھے۔ انہیں مہاجرین اور انصار کے اجتماع میں لایا گیا جو ان کے استقبال کو کھڑے ہو گئے تھے اور بیک آواز بول اٹھے تھے "آنحضور ﷺ نے ہمارے اتحادیوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے آپ کو مقرر کیا ہے۔"

"کیا تم لوگ اللہ کی قسم کھا سکتے ہو کہ میرا فیصلہ مؤثر ثابت ہو گا!"

"ہم اس کی قسم کھاتے ہیں۔" "تو ٹھیک ہے' میں فیصلہ دیتا ہوں کہ مردوں کو قتل کر دیا جائے ان کی جائیداد بانٹ دی جائے اور ان کے بیوی بچوں کو اسیر بنالیا جائے۔"

"آپ کے فیصلے کو تائید ایزدی حاصل ہے!" محمد ﷺ نے فرمایا۔

یہودیوں نے بلاجواز غداری کر کے اپنے سات سو افراد کو قتل کروایا۔ صعب کی آرزو پوری ہوئی کہ وہ جس مقصد کے لئے زندگی کی دعا مانگتے رہے تھے وہ مقصد پایہ تکمیل تک پہنچا تھا۔ آپ کا پرانا زخم پھٹ گیا تھا اور خون کا آخری قطرہ تک جسم سے بہہ نکلا' یوں صعب ابن معاذؓ کے سر پر شہادت کا تاج سجا دیا گیا تھا۔

خیبر کے یہودیوں کے خلاف مہم۔(۶۲۸ء بمطابق ۶ھ)

ان فاش شکستوں کے باوجود عرب میں یہودیوں کی طاقت مکمل طور پر ابھی نہیں کچلی گئی تھی۔

خیبر کی وہ سرزمین جو مدینہ کے شمال میں ۹۶ میل کے فاصلے پر تھی اب بھی ان کی ملکیت تھی اور یہ اس علاقے سے کہیں زیادہ شاداب و زرخیز اور اہم تھی جو وہ کھو چکے تھے۔ مدینہ کے قرب و جوار سے نکالے ہوئے بہت سے یہودیوں نے یہاں پناہ لی تھی۔ ان کے دلوں میں انتقام کی آگ ابھی تک بھڑک رہی تھی' چنانچہ یہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں اسلام کے خلاف نفرت و حقارت کے شعلوں کو اور ہوا دے دی گئی تھی۔

خیبر کے یہودیوں کا خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کے کسی بھی حملے سے یہاں محفوظ تھے وہ ایسا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے جس سے وہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہوں اور محمد ﷺ کے

طریقے کو اپناتے ہوئے جس کے ذریعے آنحضور ﷺ نے یہودیوں کے خلاف قدم اٹھایا تھا' ان لوگوں نے بھی ایک اچھا طریقہ اختیار کیا تھا جس کی مدد سے وہ اپنی اسلام دشمنی اور مسلمان دشمنی کی تسکین کر سکتے تھے۔ خیبر اور سمندر کے درمیانی علاقے میں قبیلہ غطفان کے لوگ آباد تھے' جو یہودیوں کے اتحادی تھے۔ ان لوگوں نے آپس میں ایک ایسا معاہدہ کیا تھا جس کی رو سے انہوں نے مدینہ سے شام جانے والے مسلمانوں کے قافلوں کو روکنے کے لئے یہ راستہ بند کر دیا تھا۔ ان جنگی چالوں سے نقصان پہنچنے پر پیغمبر خدا ﷺ اکثر یہ سوچا کرتے تھے کہ خیبر کے یہودیوں کے خلاف مہم روانہ کی جائے۔ مگر آپ ﷺ مکہ کے آس پاس کے علاقوں میں اس قدر مصروف تھے کہ اس منصوبے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔

حدیبیہ سے واپسی پر قریش کے ساتھ کئے ہوئے دس سالہ معاہدہ نے آپ ﷺ کو ان سے متعلق ہر فکر سے آزاد کر دیا تھا۔ اور اس لمحے جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی۔

"اور بدلے میں انہیں قریب ہی ایک فتح عطا کی' اور بہت سا مال غنیمت انہوں نے حاصل کیا۔ (۴۸ : ۱۸-۱۹)

اس وحی سے آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ آپ صرف اور صرف خیبر کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ چنانچہ بلا جھجھک آنحضور ﷺ نے فیصلہ کیا کہ اس قلعہ کی جانب روانہ ہو جائیں' عرب میں یہودیوں کی یہی ایک پناہ گاہ رہ گئی تھی۔ اہل غطفان جنہیں "منافق" عبداللہ نے خفیہ طور پر پہلے ہی باخبر کر دیا تھا۔ یہودیوں کی مدد کو دوڑے' جو ان کے اتحادی تھے۔ لیکن وادی الرجعی میں پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان فوجیں ان سے آگے نکل گئی ہیں یوں وہ خیبر کو جانے والے راستے سے کٹ کر رہ گئے تھے۔ یہ لوگ ایک مقام پر آکر رک گئے تھے جہاں انہیں بے حد حیرت ہوئی کہ ان کے خیموں کے عقب سے شور و غل کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ یہ سمجھے کہ مسلمان قوم کے کچھ حصے نے انہیں عقب سے آلیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ تیزی کے ساتھ پیچھے مڑے تاکہ اپنا دفاع کر سکیں۔

خیبر کے کھجوروں کے باغات جو حیرا کی کم روشن بلندیوں کے درمیان کسی زمردیں جھیل کی مانند پھیلے ہوئے تھے جہاں سے وادی میں سے گزر کر چھوٹے چھوٹے جزائر کے ٹاپوؤں میں بلند چٹانوں پر قلعے نظر آرہے تھے ان پر قابض ہونے کے لئے پیغمبر خدا ﷺ نے اللہ کی مدد مانگی۔ لیکن رات پڑ جانے کے بعد محمد ﷺ نے حملہ اگلے روز پر ملتوی کر دیا تھا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جب کھجوروں کے درختوں پر سورج کی کرنیں چمکیں تو خیبر کے کسانوں نے اپنی پناہ گاہیں چھوڑ کر باغات کا رخ کیا اس وقت ان کے کدال' پھاوڑے اور ٹوکریاں ان کے کندھوں سے لٹک رہی تھیں۔

اچانک ہی انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی فوج حیرا کی تنگ گھاٹی سے نکل کر ان کے سامنے آ گئی ہے۔ نیزوں اور تلواروں کی چمک سورج کی کرنوں میں خون آلود عکس پیش کر رہی تھی۔

کسانوں نے اپنے اوزار اور ٹوکریاں پھینک دی تھیں اور چلا اٹھے تھے کہ "محمد ﷺ اور اُن کی فوج آ گئی!" پھر وہ اس تیزی سے بھاگے جس تیزی سے ان کی ٹانگیں بھاگنے میں ان کی مدد کر سکتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلا: "اللہ عظیم و برتر ہے خیبر تباہ ہو جائے گا۔ جب ہم کسی قوم کی سرزمین پر جھپٹتے ہیں تو وہ قوم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتی ہے وہ دیکھو منحوس شگون! خیبر کے رہنے والے اپنے وہ اوزار چھوڑ کر بھاگے جا رہے ہیں جن سے ان کے اس علاقے کی جڑیں کھو کھلی ہوں گی اور ان کی قبریں کھودی جائینگی۔"

خیبر کے قلعوں میں سے سب سے پہلے جو قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ نعیم کا تھا یہیں انہوں نے اس محمود ابن مسلمہ کا ماتم کیا تھا۔ جو دن بھر دھوپ میں لڑتا رہا تھا۔ اس نے بھاری زرہ پہن رکھی تھی۔ وہ کوتاہ اندیشی سے قلعہ کی دیوار کے سایہ میں آرام کرنے کی غرض سے چلا گیا تھا۔ قلعہ کے ایک طاقچے سے چکی کا پاٹ گرا اور اس سپاہی کے خود کو کچلتے ہوئے اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ اس کی پیشانی کی کھال نے اس کی پلکوں کو چھپا لیا تھا۔ اس خوفناک حالت میں اس زخمی سپاہی کو آنحضرت ﷺ کے پاس لایا گیا۔ آپ ﷺ نے گوشت کی پٹی کو واپس اپنی جگہ رکھ کر اس پر پگڑی باندھ دی مگر زخم اس قدر بڑا تھا کہ محمود جانبر نہ ہو سکا۔ اب حلقہ نظاۃ کے قلعوں پر توجہ دی جانی تھی جہاں سے زیادہ مزاحمت کی گئی۔ محاصرین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کرنے کے لئے آنحضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان لوگوں کی نظروں کے سامنے ان کے نخلستانوں کے چار سو کھجور کے درخت کاٹ دیئے جائیں مگر اس کا بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اس طرح کی تباہی یہیں بند کر دی تھی اس لئے کہ یہ تو ان کے اپنے اصولوں کے خلاف تھا۔ آپ ﷺ تو فرماتے تھے کہ "تمام درختوں میں سے صرف ایک درخت ایسا ہے جس پر ایک مسلمان کی طرح اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور یہ کھجور کا درخت ہے!"

محاصرے کی مدت میں اضافہ ہوا تو قحط کے آثار نمودار ہو گئے اس سے محاصرین کے حوصلے اس وقت پست ہو گئے جب حضرت عمرؓ نے ایک یہودی قیدی کی جان بچانے کی کوشش اس لئے کی کہ اس نے پیغمبر خدا ﷺ کو قیمتی معلومات فراہم کرنے کی پیشکش کی تھی۔ صعب ابن معاذؓ کے قید خانوں میں حلقہ نظاۃ کے تہ خانوں میں سے ایک تہ خانہ اس شخص کے نام سے منسوب تھا اور یہاں ہر طرح کے جنگی ہتھیار ذخیرہ کئے جاتے تھے۔ ان میں قلعہ شکن توپیں، منجنیقیں ہوتی تھیں جو محاصرہ کرنے میں مدد دیتی تھیں۔ اس کے علاوہ بکتر بند، ڈھالیں، نیزے، ڈنڈے اور تلواریں ہوتی

تھیں۔ جن سے سپاہیوں کو لیس کیا جاتا تھا۔ اس وقت اس قلعے پر ہفتہ وار فوج مامور ہوتی تھی۔ اس یہودی اسیر نے وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کو اس قلعہ کے اندر ایسے خفیہ راستے سے لے جائے گا جو صرف وہ جانتا تھا۔

محمد ﷺ نے اس یہودی قیدی کی پیشکش قبول فرمالی تھی اور پھر اس کی مدد سے صعب پر قابو پانے میں آسانی ہو گئی تھی۔ قلعہ کے اندر سے جو مشیزی ملی وہ اس قلعے کی دیواریں گرانے میں کام آئی۔ آپ ﷺ نے ایک ایک کر کے حلقہ نطاۃ کے بقیہ قلعے بھی فتح کر لیے تھے۔ ان سب میں کافی سازوسامان تھا۔ ان میں سے ایک قلعہ پر قبضہ کرتے وقت عمر ابن احیہ نے جو شاعر تھے اور دشمن کا تعاقب کر رہے تھے بھاگتے ہوئے دشمن کی ٹانگ پر شمشیر کا وار کیا تاکہ اسے روک سکیں۔ لیکن اس تلوار کا پھل اس قدر چھوٹا تھا کہ ہوا سے واپس تیزی سے آکر آپ کے اپنے گھٹنے میں آلگا۔ خون اتنا بہہ گیا تھا کہ آپ جلد ہی جاں بحق ہو گئے۔ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے وہ خود اپنے ہاتھ سے قربان ہو گئے تھے۔

خیبر کے قلعوں میں سے سب سے اہم قلعہ ابھی تک فتح نہیں ہوا تھا۔ اسکا نام قموص تھا جس میں بنو نضیر کا شہزادہ کنانہ پناہ لے چکا تھا۔ اس کی حفاظت پر ایک نامور یہودی جنگجو مرحب مامور تھا۔ یہ قلعہ ایک سیاہ عمودی چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کے کونے ہموار تھے اور حصار بندی بڑی فنی مہارت سے کی گئی تھی۔ اس قلعے کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ ناقابل تسخیر ہے قلعہ کے حصار میں شگاف ڈالنے کی دس روزہ مایوس کن کوششوں کے بعد مومنین نے آخرکار ایک ایسا شگاف ڈال لیا تھا جس میں سے آنحضرت ﷺ اپنے ساتھیوں کے لئے اندر داخل ہونے کی مثال قائم کر سکیں۔ مگر بہت زیادہ خطرہ محسوس کرنے پر پیغمبر خدا ﷺ ان ہی قدموں پر واپس آگئے تھے۔

شدید اعصابی درد کے باعث آپ ﷺ کو ۴۸ گھنٹے کے آرام کی سخت ضرورت تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے پرچم ابو بکر صدیقؓ کو دے دیا تھا۔ جنہوں نے قلعہ کی دیوار میں شگاف کے ذریعے دشمن پر حملہ کیا۔ مسلمان فوج نے پورے جوش و جذبے کا مظاہرہ کیا تھا لیکن اسے پسپا ہونا پڑا۔ اب عمر فاروقؓ نے ان کی جگہ سنبھالی اور غیر معمولی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ بھی کیا لیکن وہ بھی فتح و نصرت سے ہمکنار نہ ہو سکے۔

ان کی ناکامی کے بارے میں آنحضور ﷺ نے سنا تو یہ اعلان فرمایا: ”اللہ کی قسم! کل میں پرچم ایک ایسے جانباز کے سپرد کروں گا جو پسپائی سے واقف ہی نہیں ہے۔ وہ بہادر و نڈر مجاہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے اور اسے ان دونوں کی محبت حاصل ہے میرا یہی مجاہد محض طاقت کے بل بوتے پر قموص کا قلعہ فتح کرے گا۔“

دوسرے روز تمام صحابہؓ کرام ستاروں کے جھرمٹ کی مانند آنحضور ﷺ کے گرد جمع تھے اور یہ جاننے کے لئے ہر شخص بیقرار تھا کہ ان میں سے کون خوش قسمت ہے جس کی اس قدر عزت افزائی ہونے والی تھی۔ لیکن ان کی جانب دیکھے بغیر آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلا بھیجا جنہیں پیچھے رہنا تھا اس لئے کہ وہ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔

ایک ساتھی کی مدد سے وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' ان کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

محمد ﷺ نے فرمایا: "یہاں آؤ میرے قریب آجاؤ یہ علم اٹھاؤ اور اسے اس وقت تک تھامے رکھو جب تک اللہ قلعہ کی ان دیواروں میں تمہارے لئے شگاف نہیں ڈال دیتا۔" علیؓ نے جواب دیا: "اے اللہ کے رسول ﷺ میں آشوب چشم میں مبتلا ہوں مجھے تو اس قدر بھی نظر نہیں آرہا کہ میں چل پھر سکوں۔"

محمد ﷺ نے علیؓ کا سر اپنی گود میں رکھا۔ اس نوجوان کی سوجن سے بند آنکھوں کو کھولا، سرخ آنکھوں کو رگڑنے کے بعد اپنا لعاب دہن ان پر لگایا۔

ساری سوجن دیکھتے ہی دیکھتے غائب ہو گئی اور درد کی کوئی علامت باقی نہ رہی تھی۔ اپنے ہاتھوں سے اپنی زرہ علیؓ کو پہنائی' اپنی تلوار عنایت کی اور اس تلوار کو "ذوالفقار" کا نام دیا۔ حضرت علیؓ قلعہ کی جانب بڑھے' حصار قلعہ کے قریب پہنچے' سفید جھنڈا جس پر کلمہ طیبہ کی کالے حروف میں سوزن کاری کی گئی تھی زمین پر اس طرح نصب کیا گیا تھا کہ ہوا میں لہراتا رہے۔ پھر آپ نے شگاف ڈالنے کے لئے زور لگایا۔ حارث نے چند یہودیوں کو ساتھ لے کر راستہ روکنے کی کوشش کی اور مسلمان مجاہد کو پیچھے ہٹا دیا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل کے سردار کو حضرت علیؓ نے موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ اور اس کے پیچھے آنے والے تمام سپاہی بھاگ گئے تھے۔

حارث کا بھائی مرحب جو اپنے دبدبے اور شجاعت و بہادری کے لئے بڑا مشہور تھا' خم ٹھوک کر سامنے آیا اور بھائی کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بے چین نظر آتا تھا۔ اس نے قوی ہیکل ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے خوف و ہراس پھیلانا چاہا اس کے جسم پر دوہری زرہ تھی وہ دو تلواریں لئے ہوئے تھا' اس کے ہاتھ میں سہ مونہی نیزہ تھا سر پر دو پگڑیاں باندھ رکھی تھیں اوپر خود تھا جس پر انڈے کے برابر ہیرا جگمگا رہا تھا۔

اس کی آنکھیں سرخ یاقوت کی لگتی تھیں' غرور و تکبر سے مست' وہ گھوڑے پر سوار قلعہ کی دیوار کے شگاف کی طرف بڑھا۔ وہ یہ رجز پڑھتا آرہا تھا" خیبر کی تمام سرزمین ایک کونے سے دوسرے کونے تک' میری شجاعت و بہادری سے واقف ہے۔ کبھی تو دوران جنگ میں اپنے نیزے

سے دشمن کے جسم چھید ڈالتا ہوں اور کبھی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کرتا ہوں! ہے کوئی ماں کا لال اس دنیا میں جو میرے مقابلے میں نکلے ؟" اس کی ان ڈینگوں اور الفاظ کی شعبدہ بازی سے متاثر ہوئے بغیر علیؓ سامنے آئے اور چیلنج قبول فرماتے ہوئے کہا: "میں ہوں وہ انسان! بیشک میری ماں مجھے "حیدر" کے نام سے پکارتی ہے جس کے معنی ہیں شیر کا بچہ یہ نام مجھے اپنے باپ کی یاد تازہ کرنے کے لئے دیا گیا' جو شیر کہلاتا تھا۔ میں تجھے اپنی تلوار سے کاٹ کر برابر کر دوں گا۔"

یہ جواب سن کر مرحب غصے سے سرخ ہو گیا۔ اپنی شمشیر لہراتے ہوئے وہ حضرت علیؓ پر حملہ آور ہوا۔ خوفناک تلوار کی جھنکار فضا میں بلند ہوئی۔ یوں لگا جیسے اسلام کے مجاہد کے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ مگر علیؓ کی ڈھال نے یہودی کا وار روک لیا تھا اور تلوار اس ڈھال میں اندر تک دھنس گئی تھی ۔ دشمن کو تلوار کھینچنے کا موقعہ دیئے بغیر حضرت علیؓ نے ڈھال پر گرفت ڈھیلی کر دی تھی کہ اب یہ بیکار ہو گئی تھی۔ پھر اپنی تلوار سے مرحب پر ایسا وار کیا جس سے اس کا خود دو ٹکڑے ہو گیا اور تلوار پگڑیوں میں سے گزرتی ہوئی اس کی کھوپڑی تک پہنچ گئی تھی۔

دشمن کا دماغ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا۔ تلوار کی دھار نے مرحب کے دانتوں کو جا لیا تھا۔ اور وہ یہاں آ کر رک گئی تھی۔ دیو قامت دشمن گوشت کے ڈھیر کی شکل میں سامنے پڑا تھا یوں نظر آتا تھا۔ جیسے کوئی گنبد زلزلے سے گر گیا ہو' گرد و غبار کا بادل اٹھ رہا ہو اور بجلی کی کڑک کا شور سنائی دے رہا ہو۔

یہودی سپاہی خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلے تھے اور علیؓ کے سپاہی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ قلعے کے بھاری دروازے کی چولیں توڑ کر اسے آپ نے ڈھال بنا لیا تھا۔ اور جنگ کے دوران اپنی ٹوٹ جانے والی ڈھال کی جگہ اسے استعمال کر رہے تھے۔ مزاحمت میں کمی آتی گئی اور ناقابل تسخیر قموص کا قلعہ مجاہدین اسلام نے فتح کر لیا تھا۔

جب یہ خبر عام ہوئی کہ مشہور قلعہ فتح ہو گیا ہے تو فدک اور وادی القریٰ دو مقامات جو شمال میں چند یوم کی مسافت پر تھے' یہاں کے یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ خیبر کے اپنے ہم مذہب لوگوں سے موافقت کرتے ہوئے انہوں نے بھی آنحضور ﷺ سے التجا کی کہ انہیں ان کی زمینوں پر رہ کر کھیتی باڑی کی اجازت دی جائے کیونکہ وہی بہتر سمجھتے ہیں کہ انہیں کس طرح زراعت کے لئے استعمال کرنا ہے۔ وہ اس بات پر بھی رضامند تھے کہ اپنی محنت کے عوض نصف فصل لیا کریں گے۔ محمد ﷺ نے اس شرط پر ان کی درخواست منظور فرمائی کہ مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل رہے گا کہ جب چاہیں حسب ضرورت یہ فیصلہ بدل دیں۔

خیبر کا علاقہ حجاز میں سب سے زیادہ زرخیز زمینوں پر مشتمل تھا۔ اس لئے مال غنیمت کافی تھا۔

اس میں سے نصف تو اس غرض کے لئے علیحدہ کر لیا گیا تھا کہ اسی سال حج کے موقعہ پر خرچ کیا جائے گا اور بقیہ نصف مسلمان مجاہدین میں بانٹ دیا گیا تھا۔ وہ زمین جو آنحضرت ﷺ اور یتیموں کے حصے میں آئی تھی اسے اس طرح تقسیم کیا گیا کہ ہر عام فرد کو ایک حصہ مل سکے جبکہ حملہ آور کے لئے دو حصے تھے اور ہر گھوڑ سوار کو تین حصے ملے۔ ایسا گھوڑوں کی نسل کی افزائش کی حوصلہ افزائی کیلئے کیا گیا تھا۔ ایک اضافی تحفہ کسی بھی ایسے مجاہد کو ملا جس کے پاس تیز رفتار گھوڑا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی نظر میں گھوڑے پالنے کی اہمیت

ان اقدامات سے پتہ چلتا ہے کہ عربوں کی زندگی میں آنحضور ﷺ نے گھوڑوں کی نسل کی افزائش کو کس قدر اہمیت دی۔ اس وقت تک عرب میں گھوڑے نایاب تھے۔ گھوڑے پالنا سامان تعیش کا حصہ تصور ہوتا تھا۔ جنگجو سپاہی خود اونٹوں پر سوار ہوتے تھے اور گھوڑا ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا تھا' لگام ہاتھ میں ہوتی تھی۔ یہ گھوڑے صرف اس وقت استعمال ہوتے تھے جب دشمن پر حملہ کرنا ہو یا اس کے تعاقب میں جانا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اعلیٰ نسل کے گھوڑوں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے انتظامات فرمائے تھے جس سے گھوڑے پالنے والوں اور گھوڑ سواروں میں جذبہ رشک ابھرتا تھا۔

قرآن حکیم میں مومنین کے دلوں میں روز قیامت کا ڈر پیدا کرنے کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: "قسم ہے دوڑنے والے ہانپتے ہوئے گھوڑوں کی (سموں) کو جھاڑ کر چنگاریاں اڑانے والوں کی گرد اڑاتے ہوئے پھر اس وقت فوج میں گھس جانے والے' بیشک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔ اور بیشک وہ اس پر گواہ ہے اور بیشک وہ مال کی محبت میں سخت ہے۔ کیا وہ نہیں جانتا جب اٹھائے جائیں گے مردے جو قبروں میں ہیں؟ اور سامنے آجائے گا جو سینوں میں ہے۔ بیشک ان کا رب اس دن ان سے خوب باخبر ہے (۱۰۰: ۱۔۱۱)

بدقسمتی سے ترجمہ کے ذریعے وہ اثر پیدا نہیں کیا جا سکتا جو تیز و تند حرکت اور گھوڑوں کے سرپٹ دوڑنے اور ہنہنانے کا ذکر کرتے وقت پیدا کیا جانا چاہیے۔ درج بالا آیات کا آہنگ کسی بھی دوسری زبان میں پیش کرنا کسی قلمکار اور مترجم کے بس کا کام نہیں اس لئے قاری یہاں یہ تشنگی بجا طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ اس دور کے مشہور و معروف گھوڑ سواروں میں سے ایک حضرت عبداللہ ابن ابی سراح تھے جو بعد ازاں مصر کے گورنر بنے اور رومنوں کو بری اور بحری جنگوں میں بری طرح شکست دی۔ وہ تو اس سورۃ کا اس قدر مداح تھا کہ یہ ہمہ وقت اس کے لبوں پر رہتی تھی۔ یہاں تک کہ بستر مرگ پر لیٹے ہوئے بھی وہ اس کی تلاوت کر رہا تھا۔ آنحضور ﷺ نے طاقتور گھوڑوں کی نسل بڑھانے پر توجہ دی یہاں تک کہ بربروں کی اعلیٰ نسل کا دنیا بھر میں مقابلہ نہ تھا۔ جسے بعد میں

طویل عرصے تک پالا جاتا رہا۔

دنبہ کا زہر آلود گوشت

غروب آفتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مغرب کی نماز ادا کی اور پھر اپنے خیمے میں چلے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ خیمے کے نزدیک ایک یہودی عورت زینب بنت حارثؓ بیٹھی ہوئی ہے جو اسلام ابن مشکم کی بیوی تھی۔ وہ عورت آنحضور ﷺ کی آمد کی منتظر تھی تاکہ جو تحفہ لائی تھی وہ دے سکے۔ یہ نیزے پر لگا ہوا ایک دنبہ تھا جسے صحرا کی مہکتی لکڑی پر بھونا گیا تھا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کا شکریہ ادا کیا۔ وہ چلی گئی تو پیغمبر خدا ﷺ نے ساتھیوں کو بلا کر اس بھنے ہوئے دنبے کا گوشت کھانے کی دعوت دی۔ اس کی باہر کی خستہ سنہری کھال بے حد اشتہا انگیز تھی۔

سب سے پہلے حضور ﷺ نے ایک لقمہ لیا اور چبانے لگے۔ اس کے بعد بشر ابن براء نے گوشت کا ایک بڑا ٹکڑا منہ میں ڈالا۔ وہ اسے چبا چبا کر نگلنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دوسرے ساتھیوں نے بھی ہاتھ بڑھا کر گوشت کھانا شروع کر دیا تھا کہ اچانک پیغمبر خدا ﷺ نے وہ لقمہ جو آپ کے منہ میں تھا زمین پر تھوک دیا اور سب کو منع کرتے ہوئے کہ اپنے اپنے ہاتھ روک لیں' چلا کر کہا: کھانا بند کر دو' اس لقمے نے مجھے بتادیا ہے کہ دنبے کا گوشت زہر آلود ہے۔" بشرؓ نے کہا: "مجھے اس ذات کی قسم جو مجسم سخاوت و فیاضی ہے: مجھے بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ گوشت کا ذائقہ عجیب سا ہے اور میں سمجھ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہے مگر چونکہ حضور ﷺ اپنا نوالہ چبا رہے تھے اس لئے آپ ﷺ کا احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے میں اپنا لقمہ تھوک بھی نہ سکتا تھا۔ اگر یہ زہر آپکی جان لے لیتا ہے تو اپنی زندگی سے مجھے کیا دلچسپی رہ جاتی ہے؟"

بشرؓ نے ابھی بمشکل یہ الفاظ کہے تھے کہ چہرے پر سیاہ رنگ پھیل گیا' پھر چہرہ خراب ہونا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ زمین پر گر گئے۔ زہر اپنا اثر دکھا چکا تھا۔

آنحضور ﷺ نے اس یہودی عورت کو بلا بھیجا اور اس سے یوں مخاطب ہوئے: "تم نے اس دنبے کے گوشت کو زہر آلود کیا ہوا تھا؟ ایسا کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا؟ پھر پیغمبر خدا ﷺ نے اسے وہ گوشت کا ٹکڑا دکھایا جو آپ کے ہاتھ میں تھا۔ اس عورت نے اعتراف کرتے ہوئے کہا: "یہ سچ ہے" "مگر تم نے ایسا کیوں کیا؟"

"آپ کی وجہ سے میرے باپ' چچا' شوہر اور کئی دوسرے افراد نے جن کا تعلق میرے خاندان سے تھا بڑا نقصان اٹھایا۔ اور میرے خیال میں اگر محمد ﷺ حکمران کے علاوہ کچھ اور نہیں تو میں اسے ختم کر کے اپنے سارے پیاروں کا اور اپنا انتقام لے لوں گی۔ اور اگر محمد ﷺ بادشاہ نہیں بلکہ واقعی اللہ کا پیغمبر ﷺ ہے تو اسے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اسے اس کا خدا میرے ارادے سے آگاہ کر

دے گا۔"

اس عیارانہ جواب نے آنحضور ﷺ کو خاموش کرا دیا تھا۔ اور اتفاق سے آپ ﷺ اس عورت کو اسکے گھناؤنے جرم پر معاف فرمانے والے تھے کہ بشرؓ اس لمحے انتقال کر گئے محمد ﷺ نے اس یہودی عورت کو متوفی کے رشتہ داروں کے حوالے کر دیا جو قصاص کا مطالبہ کر رہے تھے۔ زینب کو پھانسی دے دی گئی اور دنبے کا بچا ہوا زہر آلود گوشت جلا دیا گیا تھا۔

اگرچہ آنحضور ﷺ نے گوشت کا ٹکڑا زمین پر تھوک دیا تھا لیکن زہر حلق سے رِس کر آپ کی انتڑیوں تک سرایت کر گیا تھا۔ اور اس کے مہلک اثرات سے آپ کبھی مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو سکے تھے۔ تین برس بعد بشرؓ کی بہن حضور ﷺ کی صحت کے بارے میں دریافت کرنے آپ ﷺ کے گھر آئی۔ آپ نے اس سے فرمایا: "خیبر کے مقام پر تمہارے بھائی کے ساتھ بیٹھ کر میں نے جو گوشت کھایا تھا اس نے میرا دل چیر دیا تھا۔"

عمرۃ القضاء کی ادائیگی (۶۲۹ء بمطابق ۷ھ)

جس وقت مہم پر گئی ہوئی فوجیں اموال غنیمت کے ساتھ خیبر سے واپس آئیں اس وقت سب سے آخر میں حبشہ سے ترک وطن کر کے آنے والے پہنچے تھے۔ ان میں ابو طالب کے بیٹے جعفرؓ بھی تھے جو علیؓ کے بھائی تھے۔ ان کی واپسی پر محمد ﷺ بے حد خوش تھے۔ وفورِ جذبات میں آپ ﷺ نے جعفرؓ کی پیشانی چومتے ہوئے فرمایا:

"میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ مجھے کس بات سے زیادہ خوشی ہو رہی ہے: خیبر کی فتح سے یا جعفرؓ کی واپسی سے۔"

واپس آنے والوں میں آنحضرت ﷺ کی جان کے دشمن ابو سفیان کی بیٹی امّ حبیبہ بھی تھی۔ اس نے اپنے شوہر عبداللہ ابن جحش کے ساتھ ہجرت کی تھی جو عیسائی ہو گیا تھا۔ اور حبشہ میں انتقال کر گیا تھا۔ مگر وہ اسلام پر قائم رہی تھیں۔ اپنے دین سے اس وفاداری کے صلے میں اور اس خیال سے کہ اس طرح حضور ﷺ اپنے مخالفین میں سے ایک کے ساتھ الحاق سے اس کے ہتھیار ڈلوا دیں گے۔ رسول خدا ﷺ نے عامر ابن امیہ کو نجاشی کے پاس بھیجا تھا کہ وہ امّ حبیبہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ نجاشی سے وکالت کے لئے کہا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھیجا کہ وہ اس خاتون کو دوسرے تارکین وطن کے ہمراہ واپس بھیج دے۔ چنانچہ وہ مدینہ پہنچیں۔ تو رسول اللہ ﷺ کا گھر اب ان کے شوہر کا گھر تھا' وہاں ان کا استقبال کیا گیا۔ ترک وطن کر کے آنے والوں کے لئے محمد ﷺ نے تجویز کیا کہ خیبر کے مال غنیمت میں سے انہیں حصہ لینے کی اجازت دی جائے۔ اس انتظام کو سب نے متفقہ طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ یوں دین کی خاطر ترک وطن پر اپنی جائیدادیں اور ملک

چھوڑنے کی قربانی دینے پر ان کے نقصان کی تلافی کر دی گئی تھی۔
صلح حُدیبیہ کے مطابق وہ تاریخ جس پر آنحضور ﷺ کو اپنے ساتھیوں سمیت مقامات مقدسہ کی زیارت کے لئے مکہ آنے کا حق دے دیا گیا تھا وہ تاریخ قریب آ گئی تھی۔ جلد ہی آنحضرت ﷺ کی ایک دلی آرزو پوری ہونے والی تھی اور آپ ﷺ کو اپنے وطن کی سرزمین کو دوبارہ دیکھنے کا موقعہ ملنے والا تھا۔
حدیبیہ کی مہم کے دوران جتنے زائرین آپ ﷺ کے ہمراہ تھے اتنے ہی اونٹ قربانی کے لئے ساتھ تھے۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو ہتھیار رکھ دینے کے لئے کہا اور حکم یہ صادر فرمایا کہ ہتھیار وادی بطن یا جوج میں چھوڑ دیئے جائیں اور ایک محافظ کو احتیاطاً وہاں تعینات کر دیا جائے۔ آپ ﷺ کے ہمراہ دو سو مجاہدین تھے جن کا سپہ سالار اوس ابن خولی تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اعلان فرمایا: "ہم مقدس سرزمین میں یوں داخل ہوں گے کہ ہمارے ساتھ صرف ایک مسافر کے ہتھیار ہوں: تلواریں نیاموں میں ہوں گی اور معاہدہ کی شرائط پر پورا پورا عمل ہو گا لیکن اگر ہم نے قریش بت پرستوں کی نظروں میں غداری کا شائبہ تک بھی دیکھ لیا تو ہمارے دوسرے ہتھیار ہمارے قریب ہی ہوں گے۔"
پھر آنحضور ﷺ آگے بڑھے۔ اللہ سے مخاطب کچھ پڑھتے ہوئے آپ ﷺ قضا پہاڑی پر چڑھے تاکہ جون قبرستان کے قریب وادی میں اتر جائیں۔ جہاں آپ ﷺ کی محبوب بیوی حضرت خدیجہؓ محو استراحت تھیں۔ مکہ کے مکانات پر نظر پڑی تو یادوں کا ہجوم امڈ آیا اور آنحضور ﷺ کے دل میں ناقابل بیان جذبات و احساسات ابھرے' ان سے نئی نئی توقعات نے جنم لیا۔ کفار کی طرف سے غداری کی صورت میں آپ ﷺ انتقام کا حکم دے سکتے تھے جس سے حضور ﷺ کے اپنے ہموطنوں کے خون سے اس شہر کی سڑکیں سرخ ہو جاتیں جہاں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تھی۔ یہ خیال آتے ہی رسول اللہ ﷺ چلا اٹھے۔ دعا فرمائی: "اے اللہ! جب تک ہم اس شہر میں ہیں ہمیں ہر طرح کے حادثات سے محفوظ و مامون رکھنا" مکہ شہر چھوڑنے تک آپ ﷺ اس دعا کو دہراتے رہے۔
مسلمانوں کو دیکھ کر شہر کے سرکردہ لوگ بے حد برہم تھے کہ جن لوگوں کو انہوں نے شہر بدر کر دیا تھا وہ آج کس قدر کامیاب و کامران اس شہر میں داخل ہوئے تھے۔ یہ لوگ شہر چھوڑ کر قرب وجوار کی وادیوں میں خیمہ زن ہو گئے تھے تاکہ اپنے اشتعال پر قابو پا سکیں۔ جہاں تک عام لوگوں کا تعلق تھا ان میں تجسس پایا جاتا تھا وہ یا تو دارالندوہ کی چھت پر چڑھ گئے تھے یا وہ جبل قینقاع کی چوٹی پر جمع ہو گئے تھے۔ "دارالندوہ" یا تو نصل خانہ ایک ایسی جگہ تھی جس کی چھت سے وہ بیت

اللہ کے اندرونی حصے کو بھی دیکھ سکتے تھے۔ دشمنوں میں یہ بات مشہور ہو گئی تھی کہ پیغمبر خدا ﷺ اور ان کے ساتھی تھک ہار کر یہاں پہنچیں گے۔ موسم گرما کی شدید گرمی سے ان کے جسم جھلس چکے ہوں گے اور مدینے کی مضر صحت آب و ہوا نے ان کا حلیہ بدل کر رکھ دیا ہو گا۔

آنحضرت ﷺ نے الہامی مدد سے اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیا تھا کہ "اللہ ان پر رحم و کرم فرمائے گا جو آج کے روز جسمانی قوت کا مظاہرہ کریں گے۔"

ان عام لوگوں کو چھوڑ کر جو "دار الندوہ" کی چھت پر اکٹھے ہو گئے تھے' شہر بالکل خالی ہو گیا تھا۔ آنحضور ﷺ چاہتے تو بغیر کسی مقابلے کے ایک شخص کو زخمی کئے بغیر شہر پر قبضہ کر سکتے تھے مگر آپ ﷺ اس طرح کے اقدام سے پاک تھے اور آپ ﷺ کے ذہن میں پاکیزہ خیالات ہی آ سکتے تھے۔ حضور ﷺ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے جس کی مہار عبد اللہ ابن رواحہ نے تھام رکھی تھی۔ آس پاس اور پیچھے پیچھے آپ ﷺ کے ساتھی تھے۔ وہ دشمن کی نظروں کے سامنے مکہ کے مختلف حصوں سے گزر رہے تھے اور ان پر اچٹتی ہوئی ایک نگاہ ڈالے بغیر گزرتے جا رہے تھے۔ خانہ کعبہ کے دالان میں پہنچ کر آپ نے احرام کی چادریں اوڑھ لی تھیں۔ ایک چادر کا پلو بائیں کندھے پر ڈال لیا تھا۔ اور دایاں بازو اور کندھا چادر کے پلو سے آزاد تھا۔ تمام مسلمانوں نے رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں اپنی اپنی احرام کی چادریں اسی طرح اوڑھ رکھی تھیں۔ آپ ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور خانہ کعبہ کے گرد طواف کے سات چکر مکمل کئے۔ پہلے تین چکر تیز تیز چل کر ان تیز تیز قدموں (جنہیں "رمل" کہتے ہیں) سے طواف کرنے کا مقصد یہ تھا کہ کفار پر یہ ظاہر کیا جا سکے کہ مسلمان قابل رشک صحت کے حامل تھے۔ دشمن یہ دیکھ کر افسردہ ہو گئے وہ سر ہلا دیتے اور ایک دوسرے سے کہتے : تو یہ ہیں وہ لوگ جن کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ مدینے کی گرمی اور ناخوشگوار آب و ہوا نے انہیں کمزور اور بیمار بنا دیا ہے۔ کفار اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور تھے کہ یہ مسلمان جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ذہنی صحت میں بھی ان سے کہیں بہتر ہیں اور ناقابل تسخیر ہیں۔ بقیہ چار چکر خانہء کعبہ کے گرد آہستہ آہستہ سست قدموں کے ساتھ 'پروقار طور پر لگائے گئے اس لئے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے اسی کا تقاضا کیا تھا۔ چنانچہ آج بھی زائرین طواف کعبہ اسی طرح کرتے ہیں اور اس میں نہ کوئی تبدیلی آئی ہے نہ کبھی آئے گی۔

پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت بلالؓ کو حکم فرمایا کہ مومنین کو نماز کے لئے بلائیں۔ جب بت پرستوں نے سیاہ فام آزاد کردہ غلام کی گونجتی ہوئی آواز سنی جو اذان کے ذریعے مسلمانوں کو نماز کے لئے بلا رہے تھے۔ اور جس آواز سے پوری وادی گونج اٹھی تھی تو وہ بے حد ناراض ہوئے۔ انہیں اپنے سردار ابو جہل اور ابو لہب کی قسمت پر رشک آیا جو ڈھیروں مٹی تلے دفن ہو کر آج یہ آواز سننے

سے بچ گئے تھے۔ نماز ادا ہو چکی تو آنحضور ﷺ دوبارہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے تاکہ "سعی" کر سکیں جس میں زائرین صفاء اور مروی دو پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہیں۔ اللہ کے نبی ﷺ کی مثال دیکھ کر مسلمانوں کی ساری ہچکچاہٹ دور ہو گئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک انہیں یہ رسم ادا کرنے میں تامل تھا جس کا سبب یہ تھا کہ غراب اور نائلہ بتوں کی موجودگی میں جو وہاں رکھے تھے وہ پریشان ہو گئے تھے۔

ان مذہبی رسوم کی ادائیگی سے' جن کا آغاز حضرت ابراہیمؑ نے کیا تھا اور جنہیں عربوں نے اب تک قائم رکھا تھا آنحضور ﷺ کے پیش نظر قومی اور سیاسی ہدف کا حصول تھا جسے آپ ﷺ اپنے دینی مقاصد کے ساتھ وابستہ کر لینے کی خواہش رکھتے تھے۔

اگر پیغمبر خدا ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا تھا تو یہ کسی اوہام پرستانہ رسم کی ادائیگی نہ تھی جو قرآنی احکامات کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوتی۔ بلکہ آپ ﷺ نے تو ایسا اپنے آباؤاجداد میں سے ایک بزرگ کی نشانی کے احترام میں کیا تھا۔

ابن ابی شعبہ نے ابن طلحہ کی پیروی کرتے ہوئے بتایا کہ حجر اسود سے مخاطب ہو کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "بیشک میں جانتا ہوں کہ تیری حیثیت ایک پتھر سے زیادہ کچھ نہیں۔ نہ تو کسی کو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ ہی کوئی نفع۔" پھر آپ نے اسے بوسہ دیا۔ اسی دوران حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ یکے بعد دیگرے تشریف لائے اور اسے یہ کہہ کر بوسہ دیا۔

"اللہ کی قسم میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر کے سوا کچھ اور نہیں ہو۔ نہ کسی کو کوئی نقصان دے سکتے ہو نہ نفع۔ اور اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ وہ تجھے بوسہ دے رہے ہیں تو میں کبھی تجھے بوسہ نہ دیتا۔"

اسی طرح سعی کی مذہبی رسم اور چاہ زم زم پر وضو کرنے کی رسم کو محمد ﷺ نے عربوں کے جد امجد اسمعیلؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ کی یاد تازہ کرنے کے لئے جاری رکھا۔ بی بی ہاجرہ نے جب دیکھا کہ پیاس سے جاں بلب اپنے بیٹے اسمعیلؑ کو مزید اٹھا کر پانی کی تلاش میں نہیں جا سکتیں تو بچے کو ایک جھاڑی کے سایہ میں لٹا دیا۔ وہ خود ایک پہاڑی پر چڑھ گئیں جہاں وہ دور تک کوئی کنواں یا چشمہ دیکھنے میں کامیاب ہو سکتی تھیں مگر بے سود۔ پھر اس ڈر سے کہ اسمعیل پیاس سے کہیں جان ہی سے نہ چلے جائیں آپ واپس آ گئیں۔ سانس پھولا ہوا تھا' بیٹے کو دیکھا اور دوبارہ اسی مقصد کے لئے ایک اور پہاڑی پر چڑھ گئیں۔ اس بار بھی انہیں کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اسی بے چینی میں وہ پہاڑی سے نیچے اتر کر بیٹے کے پاس پہنچیں۔

دو پہاڑیوں کے درمیان بی بی ہاجرہ سات مرتبہ دوڑیں اور ڈرتی تھیں کہ بیٹا پیاس سے جان

تجق نہ ہو جائے۔ اچانک کیا دیکھتی ہیں کہ ان کا پیارا بیٹا ایک چشمے سے اپنی پیاس بجھا رہا ہے۔ رحیم و کریم پروردگار کے حکم سے بچے کی ایڑیاں رگڑنے سے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا تھا۔ اس معجزانہ طور پر وجود میں آنے والے چشمے کو زم زم کا نام دیا گیا تھا۔

صفاء اور مروئی کی دو پہاڑیوں کے درمیان جہاں بی بی ہاجرہ پریشانی کی حالت میں سات مرتبہ دوڑی تھیں' ان پر آج بھی زائرین ان کی تقلید میں سات بار دوڑتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ان پر یہ بھی لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ چشمہ زم زم سے پانی پیئں اور اسی پانی سے وضو بھی کریں۔

دوسرے روز حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد میں وادی منیٰ میں قربانی کے جانور ذبح کئے گئے تھے۔ ان کا گوشت حاجیوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ جنہوں نے اپنے سر منڈوائے تھے اور اب ایک بار پھر "حلال" کی حالت میں تھے۔ جس میں اس عام زندگی کے شب و روز شامل تھے جنہیں وہ ذوالحلیفہ سے ترک کر چکے تھے۔

حالت احرام میں محمد ﷺ کو اللہ کے رسول کی جو خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ ﷺ نے مکہ کی ایک خاتون میمونہ سے شادی کی۔ پچاس سالہ یہ خاتون بہت غریب تھیں۔ اس شادی سے کئی معروف لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہونے والے تھے۔ سب سے پہلے تو اس خاتون کے بہنوئی حضرت عباس تھے جو آنحضور ﷺ کے چچا تھے۔ وہ اس خاتون کے "وکیل" یا ولی بھی تھے اور حضور ﷺ سے ان کی شادی کی اجازت انہوں نے ہی دی تھی۔ لیکن یہ شادی مدینہ سے صرف ایک پڑاؤ پہلے تکمیل خلوت صحیحہ سے ہوئی تھی۔

قریش بت پرستوں کے اشتعال کے باوجود جو آنحضور ﷺ کے حج کا منظر نہیں دیکھ سکتے تھے آج اپنی نظروں کے سامنے حج کی مذہبی رسومات ادا ہوتے دیکھ رہے تھے۔ پورے جزیرہ نما عرب کے لوگوں کو مطلع کرنے کے لئے کہ آنحضرت ﷺ ان کی لادینی روایات کو منسوخ کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے' بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کا ارادہ تو یہ تھا کہ وہ پوری کوشش سے انہیں یکجا کر دیں اور ایسا کرتے وقت آپ ان کی قدیم پاکیزگی بحال کر دینے کے آرزومند تھے۔

سب سے زیادہ رّدِ عمل "عمرۃ القضاء" پر ہوا کہ اس کے فوراً بعد لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تھے خاص طور پر معروف اور قابل ذکر شخصیات دائرہ اسلام میں آ گئی تھیں۔ جن میں عثمان ابن طلحہؓ عامر ابن العاصؓ اور خالد بن ولیدؓ شامل تھے۔ اور عربوں کی ایک کثیر تعداد ان کی تقلید میں اسلام قبول کر لینے پر رضامند نظر آتی تھی۔ یہودیوں کی شکست فاش کے بعد عرب کے ایک بڑے حصے کے لوگ آنحضرت ﷺ کے گرد جمع ہو گئے تھے اور جزیرہ نما عرب کا بقیہ علاقہ عنقریب

اسلامی سلطنت میں شامل ہونے والا تھا۔

دنیا بھر کے بڑے بڑے بادشاہوں کی طرف آنحضور ﷺ کے سفراء کی روانگی

اب وقت آ گیا تھا کہ محمد ﷺ پڑوسی سلطنتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ کائنات میں اللہ کے نام کا چرچا شروع ہو گیا تھا اور اسلام جس کے دائرہ میں مختلف رنگوں' نسلوں کے لوگ داخل ہو رہے تھے اب صرف سرزمین عرب تک ہی محدود نہ تھا۔ یہ تو دنیا بھر میں پھیل چکا تھا۔ جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے: "اور ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے تمام نوع انسانی کے لئے (۲۸:۳۴)

محمد ﷺ نے یورپ کے طاقتور بادشاہوں کو اپنے سفراء کے ہاتھ خطوط بھیجے تاکہ وہ حکمران اللہ کا دین اختیار کر لیں اس اللہ کا دین جو وحدہ لاشریک ہے۔ ان مکاتیب پر پیغمبر خدا ﷺ کی مہر لگی ہوئی تھی جس میں تین سطور میں یہ الفاظ کندہ تھے۔ "منجانب اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ"

پیغام وصول ہونے پر رئیس بحرین منذر بن ساوی' بازان، عامل یمن نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مقوقس' شہنشاہ مصر نے قیمتی تحائف ارسال کئے جن میں ایک سفید خچر ولدل، یعفور نامی گدھا اور ایک نوجوان لونڈی ماریہ قبطیہ شامل تھے ہرقل (ھرکولیس) روم کا شہنشاہ تھا اور نجاشی حبشہ کا ان دونوں نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے مکاتیب کے جوابات دیئے۔

کسریٰ نے (خسرو) جو ایران کا بادشاہ تھا قسم کھائی کہ وہ آنحضور ﷺ کو اس بے باکی کی سزا دے گا مگر اللہ نے جلد ہی اسے اس کے اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھ سے قتل کروا دیا تھا۔ جو باپ کو قتل کرنے کے بعد خود تخت نشین ہوا۔ حارث بن ابی شمر نے اپنی نظروں سے اپنی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے دیکھے بالکل اسی طرح جیسے اس نے آنحضور ﷺ کے اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کئے تھے جو اسے پیغمبر خدا ﷺ کے سفیر نے پہنچایا تھا۔ ان سفراء میں سے صرف ایک حارث ابن عمر نفرت و حقارت کے ساتھ بعد میں کرک کے مقام پر قتل کر دیئے گئے تھے۔ ان کے قتل کا حکم سلطنت روم کے زیر نگین اس علاقے کے گورنر شرابل غسانی نے دیا تھا۔

غزوۂ موتہ (۶۲۹ء بمطابق ۷ھ)

جب اپنے سفیر کے ساتھ اس ظالمانہ سلوک کی خبر آنحضور ﷺ کے کانوں تک پہنچی تو آپؐ نے فیصلہ کیا کہ اس کا بدلہ ضرور لیں گے حالانکہ اس کام میں مضمر خطرات بھی حضور ﷺ کی نظروں سے اوجھل نہ تھے۔

اس مرتبہ مسلمانوں کا مقابلہ صرف شامی عربوں کے ساتھ نہیں تھا جن کی تعداد حجاز کے

عربوں سے کہیں زیادہ تھی بلکہ رومی فوجیں بھی مقابلے میں تھیں جو بلقاء کے علاقے پر قابض تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تین ہزار مجاہدین کا سپہ سالار زید ابن حارث کو مقرر کیا مگر یہ دیکھتے ہوئے کہ دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ ہے کہیں مجاہدین اپنے سپہ سالار سے محروم ہی نہ ہو جائیں آپ نے حضرت جعفرؓ ابن ابو طالبؓ کو ان کا جانشین نامزد کر دیا اور کہیں بدقسمتی سے مسلمان فوج جعفرؓ سے بھی محروم ہو جاتی ہے تو اس صورت میں عبداللہ ابن رواحہؓ جانشین ہوں گے۔ اور اگر مجاہدین اپنے اس سپہ سالار سے بھی محروم ہو گئے تو پھر انہیں اختیار حاصل ہو گا کہ جسے چاہیں سپہ سالار بنا لیں۔

جنگی حکمت عملی طے کرنے والی کونسل میں ایک یہودی بھی موجود تھا۔ اس نے کہا: "اے ابوالقاسم: (یہ آنحضور ﷺ کی کنیت تھی) اگر آپ واقعی پیغمبر ہیں تو پھر تو جتنے سپہ سالار آپ نے نامزد کئے ہیں سب کے سب اس جنگ میں جان بحق ہوں گے جب نبی اسرائیل میں کوئی پیغمبر اپنی فوجوں کا سپہ سالار مقرر کرنے کے بعد اس طرح کے الفاظ کا اضافہ کرتا: "اور اگر وہ جنگ میں مارا جاتا ہے تو اس کی جگہ فلاں لے گا تو اس سے صاف صاف مراد یہ ہوتی تھی کہ وہ سپہ سالار اس جنگ میں مارا جائے گا پھر زید کی طرف مڑ کر اس یہودی نے اپنی بات اس طرح مکمل کی: "میں تجھ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر محمد سچے نبی ہیں تو اس مہم سے تم کبھی زندہ واپس نہیں لوٹ سکتے۔" زید نے بڑی سادگی سے جواب دیا: "میں تجھ سے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے نبی ﷺ ہیں۔"

پھر آنحضور ﷺ نے سفید علم ایک نیزے کے سرے کے ساتھ باندھا اور اسے زیدؓ کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ ماتمی جذبات سے لبریز محمد ﷺ اپنے دستوں کے ساتھ ثنیۃ الوداع کی طرف جا رہے تھے۔ یہاں پہنچ کر پیغمبر ﷺ خدا رک گئے اور آخری ہدایات جاری فرمائیں: اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ اسی کے نام پر جنگ کرنا اور اس کے دشمنوں کو قتل کرنا جو تمہارے دشمن ہیں۔ مگر ان پر امن لوگوں کو کچھ مت کہنا جو مسیحی خانقاہوں میں خلوت نشین ہوں۔ عورتوں' بچوں اور بینائی سے محروم افراد پر ہاتھ نہ اٹھانا۔ یادگاریں تباہ نہ کرنا' درخت نہ کاٹنا اور جب تم حارث ابن عامر کی موت کا بدلہ لے چکو تو شام کے عرب قبائل کو اسلام کی طرف بلانا۔"

شرابیل نے جو ظلم کیا تھا اس کے نتائج سے خائف ہو کر وہ ملک کے قرب وجوار کے عربوں کے پاس پہنچا جن میں بنو بجیرا' بنو لخم' بنو بیلی وغیرہ شامل تھے۔ اس نے ہر کولیس کے دست راست تھیوڈرس سے اپنے خدشات کا اظہار کیا جس نے اس وقت موجود تمام رومی دستے اس کی مدد کے لئے بھیج دیئے تھے۔

مسلمان فوجوں کے معان پہنچنے سے پہلے شرابیل نے ایک لاکھ فوج تیار کر لی تھی۔ جب

مسلمانوں نے دیکھا کہ ان کے مقابلے میں خوفناک فوجی دستے جنگ کیلئے تیار ہیں تو وہ دو دن اور دو راتیں آپس میں مشورے کرتے رہے۔ ان میں بہت سے مومنین کی تجویز یہ تھی کہ ایک قاصد کو آنحضور ﷺ کے پاس روانہ کیا جائے اور رسول اللہ ﷺ فیصلہ کریں کہ مسلمانوں کو جنگ لڑنی ہے یا لڑے بغیر واپس چلا جانا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان کے لئے کمک روانہ کر دیں۔ لیکن عبداللہ ابن رواحہؓ کی باتوں سے مومنین کے حوصلے بحال ہو گئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے یوں مخاطب تھے: ”اے ساتھیو! یہ کیا بات ہوئی کہ جو شے تم لوگ حاصل کرنے آئے ہو اس سے تم نے ڈرنا شروع کر دیا ہے اور وہ ہے جہاد کے دوران شہادت۔ فتح و نصرت کے لئے ہم نے کبھی سپاہیوں کی تعداد پر انحصار نہیں کیا۔ ہم تو اللہ پر ایمان رکھ کر جذبہ ایمانی سے لڑتے ہیں۔“ مسلمانوں نے چلا کر جواب دیا۔ ”آپ سچ کہتے ہیں“ اور پھر بلا تامل دشمن کی طرف بڑھے۔ دونوں فوجیں موتہ کے مقام پر ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوئیں جو قلعہ کرب کے جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔

دشمن کی بہت بڑی فوج سے شیروں کی طرح لڑتے ہوئے مسلمان مجاہدین ان کے قلب میں پہنچ گئے تھے۔ ان کا سپہ سالار مالک ابن رافع تھا جسے نیزا مار کر قتل کر دیا گیا تھا۔ فوج کی تعداد زیادہ ہونے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کفار نے جلد ہی مسلمانوں کا مکمل گھیراؤ کر لیا تھا۔ لا تعداد فوج سے لڑتے ہوئے زید بن حارثؓ نے ایک شہید کی موت کو گلے لگایا۔ آنحضور ﷺ کے فرمان کے مطابق حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر زید کے ہاتھ سے پرچم لے لیا تھا جسے وہ مڑی ہوئی انگلیوں سے تھامے ہوئے تھے چنانچہ اب فوج کی کمان جعفرؓ کے پاس تھی۔

حضرت جعفرؓ خاکی رنگ کے ایک جنگی گھوڑے پر سوار تھے لیکن فوری خطرے کو بھانپتے ہوئے وہ گھوڑے سے اتر گئے اور اس کی نس کاٹ دی تاکہ گھوڑ سوار شہید ہو جائے تو دشمن اس گھوڑے کو اسلام کیخلاف جنگ میں استعمال نہ کر سکے۔ اس مثال کے ذریعے آپ نے مومنین کو اپنے گرد جمع کر کے پورے جوش و جذبے کے ساتھ حملہ کیا اور اسلامی پرچم ناز سے اپنے پر پھیلائے دشمنوں کے سروں پر لہرا رہا تھا۔ لیکن جلد ہی ایک عقاب کی مانند وہ اپنی پرواز کے دوران زخمی ہو چکے تھے پرچم ان کے ہاتھ سے گر گیا تھا کیونکہ جو ہاتھ اسے اٹھائے ہوئے تھا وہ دشمن کی تلوار سے کٹ گیا تھا۔ حضرت جعفرؓ نے پرچم اٹھا کر بائیں ہاتھ میں تھام لیا تھا کہ اتنے میں ایک اور تلوار نے ان کی پوری کلائی کے ٹکڑے بنا دیئے تھے۔ حضرت جعفرؓ نے جھک کر پرچم دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کے ٹھنٹھ میں پکڑ لیا تھا' جن سے خون بہہ رہا تھا۔ آپ نے پرچم کے ڈنڈے کو مضبوطی سے چھاتی کے ساتھ چمٹا کر اسے بلند کیا اور انتہائی شجاعت و بہادری کے ساتھ نوے زخم کھا کر اس وقت تک دشمن

پر حملہ جاری رکھا جب تک گر نہ گئے۔

ان کی جگہ عبداللہ ابن رواحہؓ نے سنبھال لی تھی' وہ بھی جلد ہی جام شہادت نوش فرما کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے تھے۔ مسلمانوں پر دشمن کی فوج نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ان کے سپہ سالار ایک ایک کر کے ختم ہوتے جا رہے ہیں تو ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور انہوں نے ایک بد نظمی و انتشار کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا تھا۔ ارقم ابن عامرؓ نے انہیں روکتے ہوئے کہا: "میرے ساتھیو! سینے پر وار کھانا زیادہ بہتر ہے بجائے اس کے کہ پیٹھ پر لگے۔" پرچم اٹھا کر انہوں نے خالد ابن ولیدؓ کو دے دیا تھا جنہوں نے ابتداء میں انکار کرتے ہوئے فرمایا: "اس اعزاز کے آپ میری نسبت زیادہ مستحق ہیں کیونکہ آپ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔"

لیکن جب ارقم نے اصرار کیا تو خالدؓ نے پرچم سنبھال لیا تھا۔ جن کے جوش و جذبے نے مسلمانوں میں نئی قوت اور تازہ حوصلہ پھونک دیا تھا۔ خالدؓ جو مسلمانوں کی وقتی کمزوری سے شرمندہ تھے اور عسکری حکمت عملی سے اچھی طرح واقف، اللہ کی مدد اور اپنی سپاہیانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر مسلمان دستوں کو آزاد کرانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ اپنی فوج کی ترتیب نو سے مسلمان کا ہراول دستہ اس قدر شجاعت اور حربی چالوں کے ساتھ لڑ رہا تھا کہ کفار کے لشکر جرار کو فتح حاصل نہ ہو سکی۔

اگلے روز طلوع آفتاب کے ساتھ حضرت خالد بن ولیدؓ نے حملے میں پہل کرنا تھی تاکہ دشمن کو جزوی شکست سے سنبھلنے کا موقعہ ہی نہ مل سکے۔ دشمن کو مسلح فوج کی تعداد کی کمی کے بارے میں غلط تاثر دینے کے لئے آپ نے درج ذیل حکمت عملی اختیار کی۔ اپنی فوج کے مختلف شعبوں کی تنظیم نو کرتے ہوئے پچھلی صفوں سے مجاہدین کو ہراول دستوں میں بھیجا اور ہراول دستے پیچھے بھیج دیئے گئے تاکہ دشمن کو یہ تاثر ملے کہ مسلمان فوج کے تازہ دم نئے دستے ان سے برسر پیکار ہیں اور شب بھر میں نئی کمک کے پہنچ جانے سے ایسا ہوا ہے۔ دشمن جو فتح و نصرت کے خواب دیکھ رہا تھا اور جسے اپنی تعداد پر بڑا غرور تھا ہمت ہار گیا۔ وہ خوف و ہراس میں بھاگا تو مسلمانوں نے تعاقب کر کے لاشوں کے انبار لگا دیئے۔ اس یادگار معرکے میں حضرت خالد کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹی تھیں۔

پروردگار نے رسول اللہ ﷺ کو مسلمان فوج کی مشکلات کے بارے میں بتا دیا تھا نماز ادا کر چکے تو آپ ﷺ منبر پر تشریف لے گئے' آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے' تین بار بلند آواز سے کہا: "رحمتوں کا دروازہ کھل گیا! تم سب کو معلوم ہونا چاہیے کہ زیدؓ شہید ہو گئے اللہ سے دعا کرو کہ وہ اس پر اپنا فضل فرمائے اور جعفرؓ اور عبداللہ نے بھی جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ ان کے لئے بھی اللہ

کا فضل و کرم مانگو اور جانتے ہو پھر پرچم کس نے سنبھالا؟ خالد بن ولیدؓ نے جو اللہ کی تلوار ہے اور اللہ نے اسے فتح یاب فرمادیا ہے۔"

اس کے بعد آنحضور ﷺ جعفرؓ طیار کی اہلیہ اسماء بنت عمیس کے پاس تشریف لے گئے ان کے بچوں پر جھک کر انہیں سونگھا آپ ﷺ کی آنکھوں سے اشک رواں تھے جو موتیوں کی شکل میں گالوں سے ڈھلک کر ریش مبارک میں جذب ہو رہے تھے۔ اسماء نے پوچھا: "اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ رو کیوں رہے ہیں؟ کیا آپ کے پاس جعفرؓ اور اس کے ساتھی مجاہدین کے بارے میں کوئی بری خبر ہے؟ اور اگر ہے تو کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ اب اس دنیا میں موجود نہیں رہے!"

غم کی ماری یہ خاتون گر گئیں' وہ اپنے گالوں کو ناخنوں سے نوچ رہی تھیں اور بین کرتی جاتی تھیں۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر باقی شہداء کی بیویوں نے بھی گریہ و آہ زاری شروع کر دی تھی۔ گھر میں ایک کہرام مچ گیا تھا۔ اور نالہ و شیون در و دیوار سے سر ٹکرا رہے تھے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے ایک ساتھی کو حکم فرمایا کہ عورتوں سے کہو خاموش ہو جائیں۔ "یہ مناسب نہیں کہ جعفرؓ کے لئے اس طرح بین کئے جائیں۔ کیا اسے اس کے اللہ نے ایک بڑے انعام سے نہیں نواز دیا؟ میں اپنے پروردگار سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کی اولاد میں سے سب سے زیادہ جوہر قابل کو باپ کی جگہ لینے کی سعادت بخش دے" پھر اچانک ہی آنحضرت ﷺ نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں اور دبی زبان میں فرمایا "تم پر اللہ کا فضل و کرم ہو:" ایک ساتھی نے پوچھا: "یارسول اللہ آپ ﷺ کس سے باتیں کر رہے تھے؟" "میں نے ابھی ابھی دیکھا کہ جعفرؓ فرشتوں کے جلو میں جا رہے ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں کی جگہ ہیرے جڑے ہوئے پروں نے لے رکھی ہے جن کی مدد سے اڑتے ہوئے وہ بہشت کی طرف رواں ہیں۔ جعفرؓ نے مجھے سلام کیا اور میں نے اسے مبارکباد کہا۔"

سہیل نے یہ روایت قلمبند کرتے ہوئے اس میں بڑی احتیاط کے ساتھ اس بات کا اضافہ کیا ہے: "جو کچھ حضور ﷺ نے بیان فرمایا اس میں اشارات و کنایے سے کام لیا گیا ہے: پروں سے مراد حضرت جعفرؓ کی مافوق الفطرت روحانی طاقت ہے اور ہیرے علامت ہیں آپ کے (ایک شہید) خون کے قطرات کی۔"

مدینہ طیبہ کے اس مشترکہ غم واندوہ کے موقعہ پر آنحضور ﷺ نے سوگوار خاندانوں کے لئے کھانے کی تیاری کا حکم دیا جسے آپ ﷺ نے "التعظیم" کا نام دیا۔ ایسا اس لئے کیا گیا کہ سوگوار خاندانوں کو تو اپنے رنج والم کے لمحات میں جسم کی ضرورت کے طور پر کھانا پکانے کا خیال ہی نہیں رہتا۔ جب مسلمان فوج کے واپس آنے کا اعلان ہوا تو پورا شہر امیر غریب سبھی استقبال کے لئے جمع ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار افراد بچوں کو اپنے ساتھ گھوڑوں پر سوار کر

لیں۔ آپ ﷺ نے جعفرؓ کے فرزند کو اپنی بانہوں میں لیا ہوا تھا اور یہ بچہ آنحضرت ﷺ کے گھوڑے پر آگے بیٹھا ہوا تھا۔ سپاہیوں نے اپنی آمد پر اپنے سپہ سالاروں کی شہادت کی خبر کی تصدیق کر دی تھی۔ اہل مدینہ کو خیال گزرا کہ ان سپاہیوں نے اپنے سپہ سالاروں کی موت کا بدلہ لینے میں تساہل سے کام لیا ہے اور اس خیال کے آتے ہی انہوں نے مٹی مٹھی میں لے کر ان سپاہیوں کے چہروں پر پھینکی۔ مذمت کی اور اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: او بزدلو: تم بھاگ نکلے اس وقت جب کہ تم اللہ کی راہ میں لڑ رہے تھے:"

پیغمبر خدا ﷺ نے مجمع کو خاموش رہنے کا حکم دیتے ہوئے اعلان فرمایا: نہیں ایسا نہیں ایسا ہر گز نہیں جیسا ا تم سمجھ رہے ہو معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہ مجاہدین تو تم لوگوں کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں اس لئے کہ یہ لوگ جرات و بہادری سے لڑے اور واپس پہنچے ہیں" ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ مکہ کے بت پرستوں نے حدیبیہ کے مقام پر دستخط ہونے والے دس سالہ معاہدہ کو توڑ ڈالا۔

فتح مکہ (۶۳۰ء بمطابق ۲۱ رمضان المبارک ۸ھ)

اہل مکہ نے ایک رات اچانک بیس کے قریب مسلمانوں کو مار ڈالا تھا۔ ان مقتولین کا تعلق بنو خزاعہ سے تھا جو چاہ وتیر پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس خوفناک غداری کے موقعہ پر ہر طرح کے پس و پیش کو پس پشت ڈال کر فیصلہ کیا گیا کہ حملہ کیا جائے۔ آپ ﷺ نے تجویز فرمایا کہ اس مہم کی تیاری مکمل کی جائے اہل مکہ خوب جانتے تھے کہ انہیں جرم کی سزا ضرور ملے گی۔ انہوں نے ابو سفیان کو مدینہ اس پیشکش کے ساتھ بھیجا کہ وہ ہر جانہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں اور معاہدہ قائم رکھنے کی درخواست کرتے ہیں مدینہ پہنچ کر ابو سفیان سیدھا اپنی بیٹی امّ حبیبہ کے گھر پہنچا جو آنحضور ﷺ کے حرم میں شامل تھیں۔ اس نے کمرے میں بچھے ہوئے قالین پر بیٹھنے کی کوشش کی تو بیٹی نے جلدی سے قالین تہ کر کے ہٹا دیا۔ ابو سفیان نے سخت ناراض ہو کر کہا: "اے میری بیٹی! کیا تو اپنے باپ کو اس قابل نہیں سمجھتی کہ وہ اس قالین پر بیٹھ جائے یا یہ قالین تیرے باپ کے بیٹھنے کے قابل نہیں؟ بیٹی نے جواب دیا" یہ قالین پیغمبر خدا ﷺ کا ہے وہ اس پر استراحت فرماتے ہیں۔ آپ چونکہ بت پرست ہیں اس لئے آپ حالت ناپاکی میں ہیں میں نہیں چاہتی کہ آپ اپنی مشرکانہ نجاستِ سے اسے داغدار کر دیں۔" "یقین کرو میری بیٹی۔ بدقسمتی سے تم پاگل ہو گئی ہو اور اس پاگل پن کی ابتداء اس دن سے شروع ہوئی جس دن تم باپ کا گھر چھوڑ کر اس گھر میں آئی ہو:"

اس قسم کے استقبال سے ابو سفیان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہاں سے اسے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ چنانچہ اب وہ آنحضور ﷺ کی تلاش میں نکلا مگر وہاں بھی اسے مایوسی ہوئی۔ اب اس نے حضرت

ابو بکر صدیقؓ کو زیر دام لانا چاہا مگر ناکام لوٹا۔ پھر اس نے عمرؓ اور علیؓ کا رخ کیا اور ان سے استدعا کی کہ اس کے اہل شہر کے لئے آنحضرت ﷺ سے اس کی درخواست منظور کرا دیں اسے یہاں بھی زیادہ کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ کافی سوچ بچار کے بعد وہ اپنے اونٹ پر سوار ہوا اور مکہ کو جانے والی سڑک پر واپس چل دیا۔

ابو سفیان نے جو اقدام اٹھائے تھے ان سے رسول اللہ ﷺ بہت جلد اس کے اصل عزائم سے واقف ہو گئے تھے۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ اہل مکہ اپنا دفاع کر لیں حضور ﷺ نے کوشش کی کہ جلد از جلد تیاری مکمل کر کے مکہ پر حملہ کر دیا جائے۔ اچانک حملے کی صورت میں دشمن کا بوکھلا جانا فطری عمل ہو گا۔ دس رمضان المبارک کو ابو رحم کلثوم الشفاری کو مدینے میں چھوڑ کر آنحضور ﷺ مختصر سی فوج کے ساتھ مکہ پر حملہ کے لئے روانہ ہوئے۔ راستے میں مختلف قبائل ساتھ شامل ہوتے گئے۔ اور آخر میں مسلمان فوج کی کل تعداد دس ہزار مجاہدین تک پہنچ گئی تھی۔

تمام مومنین رمضان المبارک کے روزوں کی سختی سے پابندی کر رہے تھے۔ مگر جب وہ قدید کے کنویں پر پہنچے تو دوپہر کے وقت آنحضور ﷺ نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کی قوت برداشت کا کافی امتحان ہو چکا ہے اب اس خدشے کے پیش نظر مہ روزہ کی وجہ سے پانی نہ پینے کے ساتھ ساتھ سخت تھکن سے مسلمان سپاہیوں کی صحت پر برا اثر بھی پڑ سکتا ہے، آپ نے حکم دیا کے پانی کا ایک بڑا جگ پیش کیا جائے۔ آنحضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے جہاں سے تمام لوگ نظر آ رہے تھے آپ ﷺ نے پانی پیا تا کہ ان کی پیروی میں سفر کے دوران ہمت جواب دے جانے پر روزہ توڑ لینے کی اجازت مل جانے کی مثال سامنے ہو۔ چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے :

"پس تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو گنتی پوری کرے بعد کے دنوں میں" (۲:۱۸۴)

اس پڑاؤ کے بعد آنحضور ﷺ سے مسلمان فوج کی رفتار اس قدر تیز کر دی تھی کہ وہ بہت جلد شہر کے دروازوں کے قریب مر الظہران کے مقام پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ اس کی خبر قریش کو ابھی تک نہیں ہوئی تھی کہ مسلمان فوج کی تعداد کتنی ہے اور وہ کہاں تک آن پہنچی ہے۔ انہیں یہ تک بھی معلوم نہ ہوا کہ مسلمانوں نے مکہ پر حملے کے لئے راستہ کون سا چنا تھا۔

آنحضور ﷺ کے چچا سیدنا عباس جو اپنے کاروباری سلسلے میں اس وقت تک مکہ میں مقیم تھے اور محکمہ آب رسانی (سقایت) کے مہتمم تھے وہ بھی جحفہ کے مقام پر اپنے پورے خاندان سمیت مسلمانوں سے آ ملے تھے۔ اسلام لانے کے بعد بھی اپنے شہر کے لوگوں کے لئے ان کی محبت میں فرق نہ آیا تھا، جسے وہ بھلا بھی نہ سکے تھے۔ انہیں اہل مکہ کے بارے میں بڑی فکر لاحق تھی۔ وہ

سوچتے اگر مکہ والوں نے کوئی غلط قدم اٹھالیا تو رسول اللہ ﷺ تو انہیں تہس نہس کر دیں گے اور یوں مکہ پر قبضہ کرلیں گے۔

سیدنا عباسؓ فرماتے ہیں: "جس وقت خیمے نصب کئے جارہے تھے میں آنحضور ﷺ کے سفید خچر پر سوار عرفات جانے والی سڑک پر واقع مقام عرک پہنچا میرا خیال تھا کہ مجھے کوئی لکڑہارا، اینٹیں بنانے والا یا کوئی زائر مل جائے گا جس کی زبانی میں قریش کو خوفزدہ کرادوں گا اور یہ مشورہ دوں گا کہ وہ جائیں اور اللہ کے رسول ﷺ سے رحم کی درخواست کریں۔

میں بڑی احتیاط کے ساتھ رات کی تاریکی میں آگے بڑھ رہا تھا کہ دو آدمی میرے قریب سے گزرے۔ وہ بڑے بڑے پتھروں کی اوٹ میں ہونے کیوجہ سے مجھے نظر نہیں آرہے تھے اور دونوں سرگوشیاں کرتے جارہے تھے۔ ان میں سے ایک نے، جس کی نظر میں ان گنت مسلمانوں کے خیمے تھے اور ان کے پڑاؤ میں روشن آگ پہاڑیوں پر اس طرح چمک رہی تھی جس طرح گنبد افلاک پر ستارے، کہا: "ان پہاڑوں پر جس قدر روشنی میں آج کی رات دیکھ رہا ہوں ایسی اس سے پہلے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ غالباً خزاعہ کے پڑاؤ میں جلنے والی آگ ہے جو یہ فیصلہ کرچکے ہیں کہ اپنے مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے ضرور جنگ کریں گے۔" مگر خزاعہ کی تعداد اتنی تو نہیں ہو سکتی۔" نہیں۔ یہ یقیناً ان کے پڑاؤ میں روشن آگ نہیں ہے۔ پہلے آدمی نے جواب دیا' جس کی آواز میں پہچانتا تھا۔ یہ تو ابوسفیان کی آواز تھی۔ "ابوحنظلہ!" میں نے اسے آواز دے کر بلایا۔ "ابوالفضل" کیا تم ہو؟ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟" وہ مڑا اور اس نے بھی میری آواز پہچان لی تھی۔ "ابوسفیان پیغمبر خدا ﷺ بہت بڑی فوج لے کر یہاں خیمہ زن ہیں اور کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی جاسکتی۔ کل اہل قریش کے پرزے اڑ جائیں گے!"

"ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ کوئی مشورہ دو!" ابوسفیان نے پوچھا۔ "تم اس جنگ میں اسیر ہو گئے تو تمہارا سر قلم کردیا جائے گا۔ اس میں شک وشبے کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔ مگر تم خچر پر میرے ساتھ سوار ہو جاؤ، میں تمہیں محمد ﷺ کے پاس لے جاتا ہوں اور اس سے تیرے لئے منت سماجت کرتا ہوں۔"

"ابوسفیان نے یہ سمجھتے ہوئے کہ زندہ بچ رہنے کی یہ آخری امید ہے، رضامندی کا اظہار کیا۔ وہ میرے پیچھے خچر پر سوار ہو گیا۔ ہم اس کے ساتھی بدیل کے پاس گئے جس نے ہمارے پیچھے پیچھے آنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ مسلمانوں کے پڑاؤ میں روشن آگ ٹمٹماتی تو ہم چار آدمیوں کا مختصر گروہ اندھیرے میں نظر آجاتا۔

سنتریوں نے ہمیں روک کر پوچھا: 'کون ہو تم؟' جب میں نے انہیں بتایا کہ میں عباس ہوں'

آنحضرت ﷺ کا چچا اور پھر ان کی نظر حضور ﷺ کے خچر پر بھی پڑی تو انہوں نے ہمیں آگے جانے کی اجازت دے دی۔ سب کچھ ٹھیک تھا جب تک کہ ہم عمرؓ کے خیموں کی روشنیوں کے قریب نہیں پہنچے تھے۔ کہ اچانک وہ سامنے آیا اور رعب دار آواز میں پوچھا: "کون ہو تم؟" عین اسی وقت انگیٹھی میں جلنے والی آگ کے شعلے نے میرے ساتھی کا چہرہ سامنے کر دیا' جو مجھے مضبوطی سے تھامے ہوا تھا۔ عمرؓ نے اسے پہچان کر فوری خوشی سے چلا کر کہا: 'آہا! تو تم ہو۔ ابوسفیان۔ ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں نہ تحفظ کی کوئی ضمانت، اے اللہ کے دشمن! میں شکر گزار ہوں خدائے ذوالجلال کا جس نے تجھے ہمارے ہاتھوں میں پہنچا دیا!'

وہ دوڑ کر آنحضور ﷺ کے خیمے کی طرف گیا۔ میں خچر پر سوار تیزی سے آگے بڑھا اور اس سے پہلے خچر سے اتر کر محمد ﷺ کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ عمرؓ بھی تقریباً میرے ساتھ ساتھ خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے چلا کر کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ رہا ابوسفیان، اللہ کا دشمن۔ نہ کوئی معاہدہ ہے نہ تحفظ کی ضمانت، اسے اللہ نے ہمیں دے دیا ہے مجھے حکم فرمائیے کہ میں اس کا سر اڑا کر رکھ دوں!"

'میں نے اپنا موقف بیان کرنے کے لئے محمد ﷺ سے کہا: 'اے اللہ کے نبی ﷺ! یہ میری حفاظت میں ہے۔ آج رات میرے سوا کوئی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ عمرؓ چونکہ ابھی تک سخت نفرت کا اظہار کر رہا تھا اس لئے میں نے اس سے کہا: 'آرام سے، عمرؓ، صبر سے! اگر ابوسفیان کا تعلق بنو عدی ابن کعب سے ہوتا، جو تیرے عزیز ہیں تو یقیناً تم یہ سلوک نہ کرتے، مگر یہ بنو عبد مناف کا فرد ہے جو آنحضور ﷺ کے رشتہ دار ہیں اور جنہیں تم بھول نہیں سکتے!'

؟ عمرؓ نے جواب دیا: اے عباس! تم مجھ سے نرمی کا تقاضا کر رہے ہو۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے اسلام لانے پر مجھے جس قدر خوشی ہوئی اتنی مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام قبول کر لینے پر بھی نہ ہوتی جو بت پرستی ہی میں اس دنیا سے چلا گیا تھا۔ جہاں تک مجھے علم ہے پیغمبر خدا ﷺ نے تمہارے اسلام لانے کو میرے باپ کے اسلام لانے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت دی۔ رسول اللہ ﷺ نے ہم دونوں کی گفتگو منقطع کرتے ہوئے فرمایا: "اے عباس! ابوسفیان کو لے جایئے اور کل صبح پو پھٹتے ہی اسے میرے پاس لے آیئے۔"

میں نے آنحضور ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ ابوسفیان نے میرے خیمے میں رات بحفاظت بسر کی مگر یہ دیکھ کر کہ صبح کی روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی سب مسلمان بیدار ہو گئے ہیں، ابوسفیان کو فکر لاحق ہوئی۔ اے ابوالفضل! ان لوگوں کے کیا ارادے ہیں؟ کیا یہ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں؟" اس نے مجھ سے پوچھا۔ میں نے اسے جواب دیا: "ڈرو مت۔ یہ لوگ نماز فجر ادا کریں

گے۔"

دس ہزار مسلمان سامنے تھے۔ صبح کی گلابی روشنی ان کے چہروں کو عجب پر اسرار بنا رہی تھی سب کے سب اپنے پیغمبر ﷺ کے پیچھے نماز کی ادائیگی کے دوران کبھی قیام میں تھے تو کبھی سجود میں۔ ابوسفیان نے یہ منظر دیکھا تو پکار اٹھا: 'اللہ کی قسم ! میں نے بڑے بڑے شہنشاہوں کی بھی ایسی فرمانبرداری نہیں دیکھی جیسی اس شخص کی دیکھ رہا ہوں، قیصر و کسریٰ کی بھی نہیں...... نہ اس دنیا کے کسی بڑے سے بڑے حکمران کی!'

نماز فجر ادا ہو چکی تو میں نے ابوسفیان سے کہا: 'آؤ چلیں، میں اللہ کے نبی سے تمہاری سفارش کروں گا اور تم خود اپنی قوم کی سفارش کرنا۔ جب اس بت پرست کو آنحضور ﷺ کے سامنے لایا گیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: 'ہاں اب بتاؤ۔ اے ابوسفیان کیا تم نہیں مانتے کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے؟' 'مجھے اپنے ماں باپ کی قسم! تم کس قدر صابر، فیاض اور صلح جو ہو۔ ہاں مجھے اس کا اعتراف ہے۔ اگر خدائے واحد کے ساتھ اور بھی چھوٹے چھوٹے خدا ہوتے تو تھوڑی سی میری مدد ضرور کرتے'۔ کیا تم یہ بھی تسلیم کرتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں؟'

'مجھے اپنے ماں باپ کی قسم! جہاں تک تمہاری نبوت کا سوال ہے، میرے ذہن میں ابھی تک اس بارے میں کچھ شکوک و شبہات موجود ہیں۔ تاہم میں اس بارے میں بعد میں سوچوں گا۔'۔ یہ تمہاری بدقسمتی ہے۔

"اے ابوسفیان! میں نے اس کے جواب پر برہم ہو کر کہا: "مکمل سچ کی جلدی سے شہادت دے دو ورنہ میں تمہیں تحفظ نہ دے سکوں گا اور تمہارا سر تمہارے کندھوں سے یوں جھڑ کر زمین پر آرہے گا جس طرح کوئی پکا ہوا پھل ٹہنی سے جدا ہوتا ہے۔"

ابوسفیان کو ابھی تک کچھ خدشات درپیش تھے۔ اس نے پوچھا: "تم اس عزیٰ کے بت کے ساتھ کیا سلوک کرو گے جو میری خواب گاہ میں رکھا ہوا ہے؟"۔ "تم اسے کسی خفیہ جگہ پھینک دینا" ایک مشتعل آواز نے جواب دیا۔ یہ آواز عمر بن خطابؓ کی تھی۔ وہ خیمے کے پیچھے سے سن رہے تھے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ کب یہ حکم ملتا ہے کہ اللہ کے دشمن کی گردن اڑا دو۔ "تم چپ رہو عمرؓ! تم بہت سخت مزاج ہو۔ مجھے اپنے چچا سے کسی فیصلے پر پہنچنے کا موقعہ تو دو" آنحضور ﷺ نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا۔

ابوسفیان نے اب تک اپنا ذہن تیار کر لیا تھا اس نے کلمہ پڑھ کر کلی طور پر دین اسلام قبول کر لینے کا اعلان کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کا ساتھی بدیل بھی ایمان لے آیا تھا، جو ابھی ابھی آکر ہمارے درمیان بیٹھا تھا۔

میں نے پیغمبر خدا ﷺ سے کہا: "آپ جانتے ہیں ابوسفیان کس قدر خودسر اور متکبر ہے۔ اسے کوئی حاکمانہ حیثیت تفویض فرما دیں خواہ وہ کسی قسم کی بھی ہو اور پھر دیکھئے یہ کس طرح ہمیشہ کے لئے ہمارا ہو جاتا ہے۔"

میری بات کو آنحضور ﷺ نے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا اور درج ذیل اعلان فرمایا:

"جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا محفوظ ہو جائے گا، جو بیت اللہ میں داخل ہو گیا اسے پناہ مل جائے گی، جو کوئی ہتھیار ڈال دے گا اور اپنے گھر میں بند ہو جائے گا وہ محفوظ ہو گا۔"

پھر آنحضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: "اے عباسؓ! ابوسفیان کو تنگ گھاٹی کے اس مقام پر لے آؤ جہاں سے وہ تمام مسلمان سپاہیوں کو اپنی نظروں کے سامنے سے گزرتا دیکھ سکے۔" میں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وادی سے خروج کے ایک تنگ راستے پر ابوسفیان کو لا کر کھڑا کر دیا تھا۔ بنو سلیم، بنو مزینہ، بنو غطفان، بنو کعب، بنو کنانہ، اور بنو جہینہ کے سپاہی باری باری ابوسفیان کے سامنے سے گزرے۔ میرا ساتھی مسلمانوں کی فوج کی تعداد سے مرعوب ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ اس نے جب قبیلہ اشجع کو دیکھا تو چلا اٹھا "اس قبیلے کے لوگ تو پیغمبر خدا ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے! یہ بھی اب اس کے ساتھ ہیں؟" میں نے جواب دیا: "بیشک اس لئے کہ اللہ نے اپنے خاص فضل و کرم اور انتہائی مہربانی سے ان کے دلوں میں اسلام کی قندیل روشن فرما دی!"۔

سب سے آخر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے، انصار و مہاجرین دونوں میں سے منتخب، آزمودہ کار محافظوں کی نگرانی میں۔ انہیں "الخضراء" یعنی سبز محافظین کہتے تھے۔ جب ابوسفیان نے دیکھا کہ یہ محافظ نہایت مضبوط زرہ بکتر پہنے ہوئے ہیں اور یہ اس قدر چمک رہے ہیں کہ سورج بھی دیکھ لے تو آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چنگاریاں برسانے لگے، وہ خوف کے مارے چلا اٹھا:

"اے عباس! اللہ کی قسم میری عقل کام نہیں کر رہی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ پیغمبر خدا ﷺ اور آپ کے ساتھیوں، انصار و مہاجرین کے دستوں کے سامنے دنیا کی کوئی طاقت نہیں ٹھہر سکتی!۔ بیشک اے عباس آج کی اس صبح تو تیرے بھائی کے بیٹے کی شان و شوکت کسی بہت بڑے شہنشاہ سے کم نہیں" "یہ شان و شوکت کسی بادشاہ کی نہیں ایک پیغمبر خدا ﷺ کی ہے، اے ابوسفیان" میں نے جواب دیا۔ "اور اب جبکہ اپنی نظروں سے دیکھ چکے ہو کہ اس فوج کا مقابلہ کرنا حماقت کے سوا کچھ نہ ہو گا۔ بہتر ہو گا کہ تم فوراً اپنے لوگوں میں واپس جاؤ اور انہیں اپنے دانشمندانہ مشورے کے ذریعے اس بدقسمتی سے بچالو جو سامنے نظر آ رہی ہے۔" ایک منٹ ضائع کئے بغیر ابوسفیانؓ شہر کی طرف روانہ ہو گیا اس کے پہنچتے ہی لوگوں کے بہت بڑے ہجوم نے اسے گھیر لیا اور سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ اس نے اس مجمع سے مخاطب ہو کر کہا: "اے اہل قریش! محمد ﷺ ہم پر ایک ایسی فوج کے

ساتھ حملہ کرنے آن پہنچا ہے کہ تم اس کے مقابلے میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ٹھہر سکو گے!"

اس خبر پر ابوسفیان کی بیوی ہندہ سب سے زیادہ مشتعل ہوئی، اس نے خاوند کو مونچھوں سے پکڑ لیا اور اسے زبان بند رکھنے کے لئے کہا۔ پھر وہ یوں چلائی: "اس بوڑھے احمق کی بات مت سننا یہ غدار ہے! اسے مار ڈالو!"

ابوسفیانؓ نے بمشکل اپنے آپ کو غراتی ہوئی اس عورت کے پنجے سے چھڑایا۔ ابوسفیانؓ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اہل قریش کو دوبارہ متوجہ کرنا چاہا: "بدبخت لوگو! اس عورت کی باتوں میں نہ آنا یہ تمہیں گمراہ کر دے گی! میں تم لوگوں سے دوبارہ یہی کہتا ہوں کہ تم نے اگر مزاحمت کے بارے میں سوچا بھی تو صفحہ ہستی سے مٹ جاؤ گے۔" پھر اس نے فخریہ انداز میں اعلان کیا: "البتہ وہ تمام لوگ جنہوں نے ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لی محفوظ ہو جائیں گے۔" ہر طرف سے ایک ہی آواز جواب میں اسے سنائی دی: "اللہ تجھے تباہ کرے صرف تیرا ایک گھر ہم سب کو تحفظ کیوں کر دے سکتا ہے؟"

اب ابوسفیانؓ نے وہ کچھ بتایا جو اس نے اب تک قصداً چھپا رکھا تھا اور جس میں صرف اس کی اپنی نخوت پوشیدہ تھی۔ "اسی طرح وہ بھی محفوظ ہو جائیں گے جو بیت اللہ میں پناہ لے لیں گے اور مزید وہ بھی جو ہتھیار ڈال دیں گے اور اپنے گھروں میں رہتے ہوئے دروازے بند رکھیں گے۔"

پیغمبر خدا ﷺ مکہ میں داخل ہوتے ہیں۔

آنحضور ﷺ نے اپنی اونٹنی ذوالتواد کے مقام پر آ کر روک لی۔ یہاں سے مکہ نظر آ رہا تھا، وہ شہر جس میں انہیں امید تھی کہ اپنے ہم وطنوں میں سے کسی ایک شخص کا بھی خون بہائے بغیر آپ ﷺ فاتحانہ طور پر داخل ہوں گے۔ حضور ﷺ نے خدائے رحیم و کریم کا شکر ادا کیا اور اس قدر جھک گئے کہ ریش مبارک زمین سے جا لگی۔ آپ ﷺ نے پھر فوجی دستوں کو شہر پر قبضہ کرنے کے لئے اس طرح تقسیم فرمایا:

حضرت زبیرؓ کو قضاء کو جانے والی سڑک کی طرف جانا تھا اور خالد بن ولیدؓ کو شہر کے مغربی اضلاع کے مضافاتی حصوں کی طرف سے داخل ہونا تھا، سعد ابن عبیدہؓ کو درہ قضاء سے داخل ہونے کا حکم ملا تھا۔ لیکن چونکہ سعد نے اپنی دھن میں یہ الفاظ کہہ ڈالے تھے: "آج کا دن قتل و خونریزی کا دن ہے اور مقدس و پاک مقامات پر بھی اس کی اجازت ہو گی" اس لئے محمد ﷺ نے علیؓ کو حکم دیا کہ اس سپہ سالار سے جو بہت جوشیلا نظر آتا ہے اور یوں جذبات میں نہ جانے کیا کچھ کہہ رہا ہے، پرچم خود لے لو اور اس دستے کی کمان سنبھال لو۔

زبیرؓ، علیؓ اور عبیدہؓ کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا اور شہر کے جن علاقوں پر انہیں قبضہ

کرنے کا حکم ملا تھا بغیر کسی ہتھیار کے استعمال کے قبضہ ہو گیا تھا۔ البتہ خالد جب مضافاتی آبادیوں میں سے گزر رہے تھے تو ان کے سپاہیوں پر تیر برسائے گئے جس سے ان کے کئی مجاہد جاں بحق ہو گئے تھے۔ گھاٹ میں بیٹھے ان تیر اندازوں نے یہ حرکت کی تھی جنہیں صفوان ابن امیہ اور عکرمہ نے وہاں بٹھایا تھا۔ یہ تیر انداز جبل الخندامال کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ بلا کسی پس و پیش کے خالد بن ولید نے سپاہیوں کو جوابی حملے کا حکم دے دیا تھا۔ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے، کئی مارے گئے اور جو بھاگے ان کا تعاقب کر کے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ چند ایک بیت اللہ شریف کی طرف بھاگ گئے کچھ نے سمندر کی راہ لی۔

آنحضور ﷺ جو اس وقت کوہ حجون کی چوٹی پر پہنچے تھے دیکھا کہ تلواریں اور نیزے چمک رہے ہیں۔ آپ ﷺ چلا اٹھے: "یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں؟ کیا میں نے ہر طرح کی لڑائی سے منع نہیں کر دیا تھا؟" آپ ﷺ نے ایک انصار کو خالدؓ کی طرف بھیجا۔ جب وہ محمد ﷺ کے سامنے آئے تو پیغمبر خدا ﷺ نے سخت سرزنش فرمائی اور پوچھا کہ ان کے سخت احکامات کے باوجود لڑائی کی نوبت کیوں آئی؟

"دشمن نے حملہ کرنے میں پہل کرتے ہوئے ہم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی تھی۔" خالدؓ نے عرض کیا۔ "میں نے ہر ممکنہ کوشش کی کہ جوابی حملہ کی نوبت نہ آئے مگر مجھے مجبور کر دیا گیا تھا کہ میں میان سے تلوار نکال لوں اور اپنے دستے کا دفاع کروں..... اور اللہ نے ہمیں فتح دی!"

"اللہ جو کرے گا بہتر کرے گا" آنحضرت نے بات ختم کرتے ہوئے فرمایا۔ اب رسول اللہ ﷺ خود شہر میں داخل ہونے کی تیاری کر رہے تھے۔

آپ اپنی پسندیدہ اونٹنی قصواء پر سوار ہوئے۔ اسی اونٹنی پر خباب اور رسالت مآب کے پیچھے اسامہؓ بن زیدؓ بن حارثؓ سوار تھے۔ محمد ﷺ نے اپنے آپ کو اونٹنی کے ہودج پر جھکا کر سورۃ فتح تلاوت فرمائی:

> "بیشک ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ آپ کے لئے بخش دے جو پہلے آپ ﷺ پر ذنب گزرے (الزام لگے) اور جو پیچھے ہوئے اور وہ آپ پر اپنی نعمت مکمل کر دے اور آپ کو سیدھے راستے کی رہنمائی کرے اور اللہ آپ کو نصرت دے، ایک نصرت (مدد) زبردست۔" (۴۸: ۱۔۳)

آنحضور ﷺ نے سرخ دھاریدار رومال سے سر ڈھانپ رکھا تھا جس کے گرد کالی پگڑی تھی جس کا ایک سرا کندھوں تک لٹک رہا تھا۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار کعبہ کی جانب بڑھے تاکہ طواف کر سکیں۔ اونٹنی پر بدستور سوار رہے اور اپنی خمدار مٹھ والی چھڑی کی نوک رکن یمانی سے لگا کر

چھڑی ہی کے ذریعے "استلام" (حجر اسود کا بوسہ) پر اکتفا فرمایا۔ پھر آنحضور ﷺ اونٹنی سے اتر گئے تاکہ حرمت و تقدس والے حصے میں داخل ہو سکیں لیکن اچانک آپ کی نظر ان بتوں پر پڑی جو اللہ کے گھر کے تقدس کو پامال کر رہے تھے آپ پیچھے ہٹ گئے۔ ابراہیمؑ کی ایک مورتی کے ہاتھ میں فال نکالنے والے تیر تھے۔ آنحضور ﷺ پکار اٹھے: "اللہ ان سب کو غارت کرے جو ہمارے جدِ امجد ابراہیم کو اس طرح پیش کرتے ہیں کہ وہ بھی فال نکالنے کے لیے تیر استعمال کر رہے ہوں۔ محمد ﷺ نے حکم دیا کہ اس بت کو فوراً توڑ دیا جائے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے لکڑی میں کندہ ایک فاختہ کو توڑا اور ساتھ ساتھ یہ اعلان بھی کرتے گئے "اللہ اکبر اللہ عظیم و برتر ہے۔" اب پیغمبر خدا اُن ۳۶۰ بتوں کی طرف گئے جنہیں خانہ کعبہ میں سجا کر رکھا گیا تھا۔ سب سے بڑے بت ھبل سے آغاز کیا، اپنی خمدار چھڑی سے اس کی آنکھیں نکال دیں اور زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوئے: "حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل ہی کو فناہ ہے!" بت منہ کے بل زمین پر گر گیا، اس کے کئی ٹکڑے ہو چکے تھے۔

آنحضور ﷺ جوں جوں آگے بڑھتے گئے باری باری سب بتوں کا یہی حشر ہوا۔ صرف ایک مورتی ابھی تک کھڑی تھی۔ خزعہ کی مورتی۔ یہ تانبے کی بنی ہوئی تھی۔ اسے بڑی شان و شوکت سے سیدھی حالت میں ثقف کعبہ پر کھڑا کیا گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے علیؓ سے کہا "جھک جاؤ" اور پھر آپ ان کے کندھوں پر کھڑے ہو گئے اور دوبارہ فرمایا "علیؓ اب سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔" اپنی پوری قوت و توانائی کے باوجود وہ ایسا نہ کر سکے۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے کسی مافوق الفطرت شے کے ناقابل برداشت بوجھ نے انہیں اٹھنے کی سکت سے محروم کر دیا ہو۔ یہ بوجھ "نبوت" کا بوجھ تھا۔ یہ دیکھ کر آنحضرت ﷺ جھکے اور علیؓ سے فرمایا: "میری پیٹھ پر سوار ہو کر اس بت کو توڑ دو!" علیؓ گھبرا گئے اور انکار فرمایا لیکن حضور ﷺ کے اصرار پر آخر مان گئے۔

علیؓ فرماتے ہیں: "میں رسول اللہ ﷺ کے کندھوں پر کھڑا ہو گیا تو آپ سیدھے ہو گئے اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کسی غیر مرئی قوت نے مجھے اس قدر بلند کر دیا ہے کہ میں اگر کوشش کرتا تو عرش کو چھو لیتا۔"

بت لوہے کے شکنجوں میں نصب تھا مگر جس وقت آنحضور ﷺ نے یہ الفاظ ارشاد فرمائے: "حق آیا اور باطل گیا" بت میری ذرا سی کوشش کے بغیر ہی لڑکھڑایا اور ریزہ ریزہ ہو کر خاک میں مل گیا۔

لوگ خوف و ہراس سے باہر نکل چکے تھے، وہ دبے قدموں اپنے گھروں سے باہر نکل آئے تھے۔ وہ حیرت سے دیکھ رہے تھے کہ ان کے جھوٹے خدا جو کوئی نفع نقصان نہ پہنچا سکتے تھے تباہ و

برباد کئے جارہے ہیں۔ جب بت پرستی کا آخری نشان تک بھی باقی نہ رہا تو پیغمبر خدا ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر کے اعلان فرمایا: "کوئی معبود نہیں، سوائے ایک خدائے واحد کے! اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندے کی دستگیری کی اور اپنے دشمن کو منتشر کر دیا۔" پھر محمد ﷺ اہل مکہ سے یوں مخاطب ہوئے: "اے اہل قریش! بتاؤ آج تم سے میں کیا سلوک کروں؟" "فیاضی اور درگزر کا' اے ہمارے فیاض بھائی' اے ایک فیاض و مہربان باپ کے فرزند:" انہوں نے سخت فکرمندی کے ساتھ جواب دیا "جاؤ تم لوگ آزاد ہو" آپ نے ان سے فرمایا (حالانکہ عسکری قوانین کی رو سے ان کی حیثیت جنگی قیدیوں کی تھی)

اس عام معافی میں صرف ۱۱ مردوں اور ۶ عورتوں کو معافی نہ مل سکی کیونکہ ان کے جرائم قابل معافی نہ تھے۔ آپ ﷺ نے حکم دیا کہ وہ جہاں کہیں ملیں انہیں پکڑ کر ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ اس سزا پر فوری عمل درآمد شروع ہو گیا تھا۔ سزا پانے والوں میں سے چند ایک موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے۔ ان میں حارث بھی تھا جس نے آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی اور علیؓ کی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ سے اس وقت ظالمانہ سلوک کیا تھا جب وہ مکہ چھوڑ کر جا رہی تھیں۔

امور مملکت کو جلد ترقی کی راہ پر لگانے کے لئے محمد ﷺ نے مکہ کے دو کلیدی عہدوں کا فوری فیصلہ کر دیا تھا: کعبہ کی کلید برداری اور چاہ زم زم کا انتظام۔

آپ ﷺ نے خانہ کعبہ کی چابیاں عثمان ابن طلحہؓ سے منگوا بھیجی تھیں جو مشتعل ہو کر بیت اللہ کے دروازے مقفل کر کے چابیاں اپنے گھر لے گیا تھا۔ اس سے چابیاں زبردستی حاصل کی گئیں تاکہ اپنے چچا سیدنا عباسؓ کے حوالے کر دیں جنہیں آپ ﷺ چاہ زم زم کے مہتمم کے طور پر تعینات فرمانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ لیکن آنحضور ﷺ کو بذریعہ وحی اپنا ارادہ بدلنے کا حکم الٰہی موصول ہوا اور اس اسامی پر تقرر کے سلسلے میں حکم یہ ملا تھا کہ خانہ کعبہ کے سابق کلید بردار کو بحال کر دو۔ محمد ﷺ نے علیؓ کو حکم دیا کہ چابیاں واپس عثمان ابن طلحہؓ کو دے آئیں۔ اور اسے بتایا جائے کہ "اے ابن طلحہؓ: چابیاں ایک بار اور لے لو اس لئے کہ ان کے ساتھ ہی تمہیں کعبہ کا کلید بردار مقرر کیا جاتا ہے۔

یہ عہدیدار آپ ﷺ کی فیاضی سے بے حد متاثر ہوا' اس لئے کہ وہ اس کا حقدار اپنے آپ کو بہت کم سمجھتا تھا۔ اس نے آنحضور ﷺ سے فوراً اپنی مخلصانہ نیازمندی اور مکمل فرض شناسی کا وعدہ کیا۔

عین اس وقت ایک بے حد متاثر کرنے والا گروہ حاضر ہوا۔ ان میں ایک بوڑھا شخص ابو قحافہ بھی تھا جو بینائی سے محروم تھا وہ ۸۷ برس کی عمر کے بھاری بوجھ تلے' بمشکل چل سکتا تھا۔ اس نے

اپنے بیٹے ابو بکرؓ کے ہاتھ کا سہارا لے رکھا تھا۔ آنحضور ﷺ نے ابو بکر صدیقؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا اس معمر اور محترم بزرگ کو گھر پر رہنے دیا ہوتا کہ مجھے ان سے وہاں جا کر ملنے کا موقعہ مل جاتا۔
یہ زیادہ مناسب تھا کہ یہ چل کر آپ ﷺ کے پاس یہاں حاضر ہوتے بجائے اس کے کہ آپ انہیں دیکھنے آتے اور یوں آپ کو زحمت ہوتی' ابو بکرؓ نے جواب دیا۔

محمد ﷺ نے اس سن رسیدہ بزرگ کو اپنے قریب بٹھایا' پوری توجہ فرمائی سینے کو محبت و شفقت سے تھپتھپایا اور یہ سن کر بے حد خوش ہوئے کہ ابو قحافہ قبول اسلام کا اعلان کرنے آئے ہیں۔

اللہ کا نبی ﷺ صفا پر۔

دوسرے روز اہل مکہ صفا کی پہاڑی کی طرف جاتے نظر آئے جہاں اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں بلایا تھا تاکہ ان سے اطاعت گزاری کا وعدہ لیا جا سکے۔

اپنے فاتح کے کاموں سے اور آپ ﷺ کے ابتدائی کلمات سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔ آنحضور ﷺ کی فیاضی سے وہ پہلے ہی مرعوب ہو چکے تھے۔ کسی مغلوب قوم پر عموماً جس افسردگی' ندامت اور شکستہ دلی کا اثر زیادہ ہوتا ہے یہ لوگ اس سے آزاد تھے۔ انہوں نے سوچا کیا ان کا فاتح ان میں سے ہی ایک فرد نہیں' وہ ان کا اپنا نہیں؟ یوں اس کی سلطنت ان کی سلطنت ہے۔ درحقیقت اہل مکہ کی رسول اللہ ﷺ کے لئے دشمنی کے باوجود ان میں سے اکثر کے دلوں میں ایک خلش پلتی رہی تھی کہ وہ ایک ہمدرد، شفیق اور اچھے ہموطن سے جدا ہو گئے ہیں اور وہ ہموطن بھی ایک ایسا انسان جو عالم شباب میں بھی "امین کہلاتا تھا" جس پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ یادوں کے دریچوں نے اپنے پٹ کھولے تو یہ لوگ ماضی کے ان ایام میں پہنچ گئے جب یہ شخص ایک پراسرار مقناطیسی شخصیت لئے ان کے درمیان رہتا تھا' اس کے سارے سحر میں محبت اور کرم کا رنگ نمایاں تھا۔ اس کی گفتگو میں کیا شیرینی تھی جو ہر کسی کو اپنا بنا لینے میں اس کی مدد کیا کرتی تھی۔

کچھ وقت تک' اندر ہی اندر ان لوگوں کی انتہائی خواہش تھی کہ وہ محمد ﷺ کی اس جوش و خروش سے لبریز دینی تحریک میں شامل ہو جائیں جو اب پورے عرب میں پھیل چکی تھی۔ یہ اپنی باری آنے پر اسلام قبول کر لینے پر اندر سے آمادہ تھے۔ انہیں اپنے بت اب کس قدر تحقیر آمیز نظر آ رہے تھے۔ جو اب شہر کے کوڑے کے ڈھیر پر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھرے پڑے تھے۔ ان لکڑی پتھر کے جھوٹے خداؤں سے تو اہم وابستہ کرنے والے افراد صفا پر پہنچنے والوں میں سب سے آگے تھے۔ انہیں حق و سچ تک رسائی کی جلدی تھی اور وہ یہ بھول گئے تھے کہ وہ اب تک ایک جھوٹے عقیدے کے مبلغین رہ چکے تھے۔ محمد ﷺ کو اپنے پیروکاروں سے انتہائی عجز و انکسار کا تقاضا تھا اس

کے باوجود وہ لوگ جو بتوں کی تجارت کی آمدنی پر زیادہ موٹے ہو گئے تھے اپنے اس خاندانی رشتے پر بڑے نازاں تھے جسے وہ آنحضرت ﷺ سے منسلک کر رہے تھے' حالانکہ آپ ﷺ وہی شخص تھے جو ماضی میں ان لوگوں سے نہایت گھٹیا اور ذلت آمیز سلوک برداشت کرتے رہے تھے۔

جہاں تک محمد ﷺ کا تعلق ہے جو روحانی خوشی آپ ﷺ کو اس وقت حاصل ہو رہی تھی جب اہل مکہ جوق در جوق دوڑ دوڑ سے آکر دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے تھے اس کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آخر کار اہل مکہ کی آنکھوں نے روشنی دیکھ لی تھی اور ان کے لئے کفر والحاد کی تاریکیاں دور ہو گئی تھیں۔ یہ سب آپ کے وہ ہموطن تھے جو نہایت خود سری سے آپکے خلاف لڑتے رہے مگر جن کو آپ نے پھر بھی یاد رکھا اور ان کے ظلم و ناانصافی کو درگزر فرمادیا۔ آنحضور ﷺ سے نچلی طرف عمرؓ بیٹھے تھے اور بطور نائب کے اہل مکہ کی اطاعت گزاری منظور کرتے جا رہے تھے۔ یہ لوگ ایک ایک کر کے آتے عمرؓ کی ہتھیلی کو چھوتے اور محمد ﷺ کے نام پر وہ ان کی اطاعت منظور کر کے انہیں یقین دلا رہے تھے کہ ان لوگوں کو پورا پورا تحفظ دیا جائے گا۔ یہ عظیم الشان تقریب اختتام پذیر ہوئی تو پہاڑی کے نشیب میں ایک نہایت دل چیر دینے والا منظر دیکھنے میں آیا۔ اب تک بتوں نے جو ایک قابل نفرت رکاوٹ کھڑی کر رکھی تھی جس نے تقریباً بیس سال تک قریش مہاجرین کو مکہ میں مقیم اپنے قریش بھائیوں سے جدا کر رکھا تھا آج ہٹا دی گئی تھی۔ اور جس کے دوبارہ سد راہ بننے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ سینہ چاکان چمن سے برسوں کے بچھڑے بھائی گلے مل رہے تھے۔ ان میں صلح و صفائی ہو چکی تھی اور وہ "اللہ کے راستے" پر یکجا ہو گئے تھے۔

ان کے بھائیوں کا ایک تیسرا گروہ بھی ان سے آملا تھا۔ یہ انصار تھے' اہل مدینہ اس شہر کے لوگ جو شہر مکہ کا حریف رہا تھا۔ اب یہ دونوں شہر دو بہنوں کی طرح اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہیں بڑا پر شکوہ نام دیا گیا تھا۔ "الحرمانی' دو مقدس شہر"

اس ناقابل فراموش اور یادگار موقعہ پر ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے اسے سوگوار بنا دیا تھا۔ ورنہ سچ تو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک ایسے خواب کی تعبیر ملی تھی جو برسوں آنحضور ﷺ کے ساتھ ساتھ رہا تھا اور جس نے آپ میں مافوق الفطرت صبر و تحمل پیدا کر دیا تھا۔ خزاعہ کا بت جب پھینکا گیا تو یہ ایک شخص کو جا کر لگا اور اس کا گلا کٹ گیا۔ یہ ان لوگوں کے بھائیوں کے قاتلوں میں سے ایک تھا۔ محمد ﷺ نے قصوروار افراد کو طلب کیا' انہیں سخت سرزنش کی اور فرمایا: "میں خود تمہارے مرنے والے بھائی کے عزیزوں کو خون بہا ادا کروں گا۔ مگر بہتر ہو گا کہ تم لوگ کوئی انتقامی کارروائی نہ کرو پہلے ہی کافی خون خرابہ ہو چکا ہے۔ جس روز اللہ نے عرش اور یہ زمین تخلیق کی مکہ کی سرزمین کو مقدس قرار دیا تھا۔ اس شہر کی حرمت و پاکیزگی آج تک وہی ہے اور میرے بعد بھی

اسی طرح رہے گی۔ اس شہر کے اندر انسانی جانوں کو مقدس سمجھا جائے گا' شکار کی اجازت نہیں ہو گی' درخت یا گھاس کاٹنا ممنوع ہو گا۔"" اس ممانعت میں' اے پیغمبر خدا ﷺ: اضخر کو مستثنیٰ قرار فرمائیں"" سیدنا عباسؓ نے درخواست کی۔ "یہ ہمارے لئے اس قدر ضروری ہے کہ ہم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ پھر بذلہ سنجی سے کام لیتے ہوئے اپنی بات اس طرح ختم کی: یہ ہمارے لئے اسی قدر ضروری ہے جس قدر کھانا پکانے کے لئے چولھے کو ایندھن کی ضرورت ہوتی ہے۔" کچھ دیر کے توقف کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا "تم لوگ اضخر کو مستثنیٰ قرار دلانا چاہتے ہو جسے ایک روز مکمل طور پر ختم کیا جانا ہے۔" اس اعلان کے بعد جن لوگوں کو موت کی سزا ہوئی تھی۔ اور جنہیں پہلے روز موت کے گھاٹ نہیں اتارا گیا تھا انہیں معاف کر دیا گیا تھا۔

مکی خواتین جو اپنی اطاعت گزاری کا یقین دلانے آئیں ان میں ایک عورت ایسی بھی تھی جو دوسری عورتوں کے پیچھے چھپ رہی تھی۔ آنحضور ﷺ کی توجہ اس کی جانب مبذول کرائی گئی۔ باوجود اسکے کہ اس عورت نے اپنا حلیہ بدلا ہوا تھا تا کہ پہچانی نہ جا سکے آنحضرت ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ وہ تو سنگدل و سفاک ھندہ تھی' ابوسفیانؓ کی بیوی۔

"ہاں یہ میں ہوں" اس نے چلا کر کہا اور ساتھ ہی نقاب الٹ دیا "میں ھندہ ہوں اور ماضی میں جو کچھ میں کرتی رہی اس کے لئے معافی کی درخواست لے کر آئی ہوں۔"

حالانکہ اس نے آنحضور ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کے جسم کو بری طرح مسخ کر دیا تھا پھر بھی آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔ وہ جب اپنے گھر واپس لوٹی تو اپنے خاندانی بت پر برس پڑی: "او کمزور اور بے کار بت! ہم لوگوں نے آڑے وقت میں تیری مدد پر کس قدر بھروسہ کیا: اور یہ کہہ کر اس نے اسے پٹخ کر زمین پر دے مارا بت ٹوٹ کر پاش پاش ہو گیا تھا۔

عکرمہ ابن ابو جہل جس نے گھات میں بیٹھ کر خالد بن ولید پر حملہ کیا تھا ساحل سمندر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس کافر کو معاف کر دیا گیا تھا اور اس کی اطلاع اس کی بیوی امّ حکیم کو دے دی گئی تھی۔ جو اپنے خاوند کو اس وقت واپس لے آئی تھیں جب وہ بحری راستے سے وطن چھوڑ کر جا رہا تھا۔ آنحضور ﷺ نے اس خدشے کے پیش نظر کہ آپ کے ساتھیوں کو تو خوب یاد ہو گا۔ کہ عکرمہ نے اپنے باپ ابو جہل کے مشتعل کرنے پر کس قدر ظلم ڈھائے تھے اور وہ ہو سکتا ہے آج یہ مطالبہ کر بیٹھیں کہ اس سے وہ خود انتقام لیں گے' اعلان فرمایا: "عکرمہ نے اسلام قبول کر لیا ہے اس کے باپ کی وجہ سے اب اس کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے: کسی مردہ شخص کی بے عزتی کرنے سے کسی زندہ انسان کے جذبات مجروح ہو سکتے ہیں۔" اس قوت برداشت اور بے مثال سلوک پر عکرمہ اس قدر متاثر ہوا کہ دین کے پکے اور سچے خیر خواہوں اور دفاع کرنے والوں میں

شامل ہو گیا تھا۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ کے قاتل اُحیہ کو بھی اس لئے معاف کر دیا گیا تھا کہ وہ اسلام لا چکا تھا حبار جس نے نیزے کے دستے سے سیدنا زینب بنت رسول اللہ ﷺ کو مار ڈالا تھا وہ سزا کے خوف سے بھاگ گیا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ کی انتہائی رحمدلی پر بھروسہ کرتے ہوئے حاضر ہوا اور صمیم قلب سے اسلام لے آیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا "جاؤ امن و سکون سے رہو۔ تمہارے قبول اسلام نے تمہارے ماضی کی ساری سیاہ کاریاں دھو ڈالی ہیں۔ مگر آئندہ مجھے نظر مت آنا!"

خالد بن ولیدؓ پر چھپ کر حملہ کرنے والوں کو اکسانے والوں میں شامل دوسرا شخص صفوان تھا اس نے بھی فاتح کی عالی ظرفی اور فراخدلی سے فائدہ اٹھایا۔ اس نے بت پرستی سے تائب ہونے کے لئے پیغمبر خدا ﷺ سے دو ماہ کی مہلت مانگی تھی تاکہ اسے اس بارے میں غور و فکر کرنے کا موقعہ مل جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "جاؤ میں تمہیں چار ماہ کی مہلت دے رہا ہوں۔"

صرف عمرو ابن ابی سراح ایک ایسا شخص تھا جو محمد ﷺ کے دل میں پیدا ہونے والی اس ناراضگی کو دور کرنے میں ناکام رہا تھا جو اس کے انحراف نے پیدا کی تھی۔ وہ فن خطاطی اور گھوڑ سواری میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ وہ کسی زمانے میں آنحضور ﷺ کا معتمد بھی رہ چکا تھا۔ اس ظالم نے وحی کو تحریر میں لاتے وقت الفاظ بدل کر مفہوم بدل دینے کی شرمناک کوشش کی تھی۔

اور یوں وہ اللہ کے کلام کا مذاق اڑانے کے جرم کا مرتکب ہوا تھا جب اس کا جرم سامنے آیا تو وہ مکہ بھاگ گیا اور دوبارہ بت پرست ہو گیا تھا۔ جب مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو اس نے عثمانؓ ابن عفان کے گھر میں پناہ لی جو اس کے رضائی بھائی تھے۔ کچھ وقت تک اس بے دین کو گھر میں چھپانے کے بعد حضرت عثمانؓ نے فیصلہ کیا کہ اسے رسول اللہ کے سامنے پیش کر دیں اور اس کے لئے رحم کی درخواست کریں مگر آنحضرت ﷺ راضی نہ ہوئے۔ ہر بار جب درخواست کی جاتی تو حضور ﷺ منہ پھیر لیتے۔ آخر کار بار بار کی التجا کے بعد محمد ﷺ اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ اسے معاف فرما دیں مگر جس وقت یہ بد بخت چلا گیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا: "اگر اب میں خاموش رہتا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ میں تم میں سے کسی ایک کو اس بات کا موقعہ دے رہا ہوں کہ اس کا سر اڑا دو۔" "ہم تو آپ ﷺ کے ایک اشارہ ابرو کے منتظر تھے اور اسے قتل کرنے میں ایک لمحہ کی دیر بھی نہ کرتے۔" "آنکھوں سے اشارہ کرنا دغا و فریب والا فعل ہے اور اللہ نے پیغمبروں کو زیب نہیں دیتا" آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

درج بالا مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے اپنے ہموطنوں کے دل جیت لینے کے لئے جس فیاضی اور محبت کا مظاہرہ کیا اس کے ساتھ ساتھ جب کبھی کوئی بات بت پرستی سے متعلق

سامنے آجاتی تو مکمل ثابت قدمی کا ثبوت دیتے۔ آپ ﷺ کی رحیمانہ حکمت عملی نے وہ نتائج بر آمد کئے جو جبر و تشدد کے ذریعے کبھی حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ آپ نے سب کے دل جیت لئے تھے۔ سوائے ہوازن اور ثقیف قبیلوں کے قرب وجوار کے تمام قبائل مطیع ہو گئے تھے۔ اس روز کے بعد وطن چھوڑنے والے کسی بھی شخص کو مہاجر کے نام سے نہیں پکارا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اسلام مکہ و مدینہ دونوں شہروں میں مضبوط قدم جما چکا تھا۔

غزوۂ حنین (۲۸ جنوری ۶۳۰ء بمطابق ۶ شوال ۸ ھ)

طائف کے نواحی اضلاع سے اپنے مضبوط تعلقات پر بھروسہ کرتے ہوئے اور اس توقع پر کہ بوقت شکست وہاں پناہ لی جا سکتی ہے ہوازن اور بنو ثقیف نے آنحضور ﷺ کی اطاعت سے انکار کر دیا تھا۔ بلکہ وہ تو آپ ﷺ کے خلاف جنگ کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اپنے دو مشہور سپہ سالاروں مالک ابن عوف اور درید ابن سماح کی سرکردگی میں وہ وادی اوطاس میں جمع ہو گئے تھے۔

محمد ﷺ کو ان کے منصوبوں کا پتہ چلا تو آپ نے ابن ابی حضرد کو بطور سکاؤٹ بھیجا وہ جب مثبت معلومات اکٹھی کر کے واپس آئے تو آنحضرت ﷺ نے فیصلہ کیا کہ دشمن سے جا کر مقابلہ کیا جائے۔

مسلمانوں کی دس ہزار فوج میں حال ہی اسلام قبول کرنے والے دو ہزار سپاہی مزید شامل ہو گئے تھے۔ جو اپنے جوش و جذبے کے اظہار کے لئے بیقرار تھے۔ مسلمان فوج کی دھاک اس قدر تھی کہ بنو بکر کے گروہ میں سے ایک آواز اس طرح آئی: "بیشک اتنی بڑی فوج کی موجودگی میں ہمیں کسی شکست سے ڈرنے کی ضرورت نہیں:"

اس سے غرور و تکبر کی بو آتی تھی جسے پیغمبر خدا ﷺ نے بے حد ناپسند فرمایا۔ اس لئے کہ غرور و تکبر سے جدوجہد میں کمی آجاتی ہے اور اس سے یہ حقیقت نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے کہ فتح و نصرت بزور بازو نہیں ملتی یہ تو اللہ عطا کرتا ہے۔ محمد ﷺ نے اس متکبرانہ آواز کو سختی سے دبا دیا تھا۔

ایک وادی کے کنارے پر مسلمان سپاہیوں کی نظر ایک بڑے سے سبز درخت پر پڑی جس کی بت پرست پوجا کرتے تھے اور اس سے توہم اور خوف و ڈر وابستہ کر رکھے تھے اس کے سایے میں یہ لوگ اپنے جانوروں کی قربانی دیتے تو اس کی ٹہنیوں پر اپنے ہتھیار لٹکا دیتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ سرسبز و شاداب درخت ان کے ہتھیاروں میں اثر منتقل کر دے گا کہ یہ لوگ جنگ میں ناقابل تسخیر بن جائیں گے۔ بہت سے نومسلم سپاہیوں کے ذہنوں سے ابھی تک طلسم کے ذریعے تکمیل پانے والی باتوں پر ایمان کا باطل نظریہ پوری طرح گیا نہیں تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ ایسے ہی درخت سے آج

بھی انہیں ماضی کی طرح کوئی فائدہ پہنچ جائے۔ اس درخت کا نام انہوں نے "ذات الانوات" ہتھیار بردار رکھا ہوا تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ایسا ہی ایک درخت انہیں بھی درکار ہے جس پر آپ ﷺ سخت برہم ہوئے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں کا مطالبہ اسی قدر قابل نفرت ہے جس قدر (بنی اسرائیل) کا تھا کہ جب انہیں فرعون کے جادوگروں کے فریب سے اور سمندر کی طوفانی لہروں سے بچالیا گیا تو انہوں نے موسیٰؑ سے مطالبہ کیا کہ انہیں انسانی شکل میں ایک بت دیا جائے۔ تم احمق "قوم" ہو اور اپنے پڑوسیوں کی گندی رسمیں بلا سوچے سمجھے اپنا لینے کے عادی ہو۔"

جابر ابن عبداللہ بتاتے ہیں کہ پو پھٹنے سے کچھ دیر پہلے ہم وادی حنین میں پہنچ چکے تھے۔ اس میں داخل ہونے کے لئے ایک نہایت تنگ اور گہرا راستہ تھا۔ سورج کی کرنیں ابھی درہ کے دوسری طرف پڑ رہی تھیں اور ہم ابھی تک اونچی اونچی چٹانوں کے سیاہ سایے میں تھے کہ اچانک ایک منظر سامنے تھا جسے دیکھ کر ہمارے دل بے چین ہو گئے۔

یہ منظر کچھ اس طرح تھا: چند لاپرواہ اور غافل سنتریوں کی نگرانی میں ہمارے دشمن کے خیمے میدان میں نصب تھے۔ ان کے درمیان عورتیں اور بچے ادھر ادھر گھوم رہے تھے۔ پڑاؤ کے گرد بیشمار بھیڑیں اور اونٹ چراگاہ کی طرف جانے کے لئے تیار تھے۔ آنحضور ﷺ کے احکامات کا انتظار کئے بغیر ہم مال غنیمت ہاتھ لگنے کی امید پر ہم درے کے اندر سے روانہ ہو گئے۔ راستہ اس قدر تنگ تھا کہ ہم گزر بھی نہ سکتے تھے کندھے سے کندھا ٹکرا رہا تھا۔ ابھی پوری فوج صف آرا بھی نہ ہوئی تھی کہ ہوا میں طویل سیٹی کی آواز سنائی دی۔ کسی بڑے ٹڈی دل کی مانند تیروں کے بادلوں نے آسمان کو چھپا لیا تھا۔ ہم پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی گئی تھی جو دو پتلی بلند چوٹیوں سے کی گئی تھی جہاں سے درہ نظر آ رہا تھا۔ چالاک درید ابن سماح نے گھات میں بیٹھ کر ہم پر حملہ کر دیا تھا۔ دشمن کا ایک ایک تیر ٹھیک اپنے ہدف پر لگ رہا تھا یعنی ہمارے جسم پر یا گھوڑوں اور اونٹوں کے جسموں پر۔ ہم خوف وہراس میں گھر گئے تھے۔ ہمارے دشمن نے ایک ناقابل بیان سراسیمگی پھیلا دی تھی۔ وہ دشمن جو خود درے سے باہر نکلنے والے راستے پر چھپا بیٹھا تھا وہ وحشیانہ قہقہوں سے ہماری فوج کی مزید حوصلہ شکنی کی کوشش میں تھا۔ ہم نے اپنے اونٹوں کی مہاریں کھینچیں اور واپس مڑے۔ یہ جانور غریب تکلیف سے بلبلا رہے تھے کیونکہ تیروں سے ان کی گردنیں چھلنی ہو رہی تھیں۔ ایک بھگدڑ مچ گئی تھی جس میں ان جانوروں نے ایک دوسرے کو روند ڈالا تھا۔ سوار نیچے گر چکے تھے اور اپنے ہی بھاگتے ہوئے ساتھیوں کے پاؤں تلے کچلے جا رہے تھے۔

جس وقت دشمن کے تیر انداز ہمیں تیر برسا کر پریشان کر رہے تھے ہم نے دیکھا کہ دشمن نے

اپنا ایک اور دستہ بھیج کر اس راستے کی بھی ناکہ بندی کر دی ہے جس کے ذریعے ہم اس درے میں داخل ہوئے تھے۔ اور اب اسے ہماری واپسی کا انتظار تھا۔ ان کا سپہ سالار ایک ہوازنی تھا۔ جو ایک قوی الہیکل سرخ اونٹ پر سوار تھا۔ وہ ایک ایسے نیزے سے اشارہ دے رہا تھا جس کے ساتھ اس نے سیاہ پرچم باندھ رکھا تھا۔ جب ایک مسلمان سپاہی اس کی زد میں آیا تو اس نے نیزے کو اتنا نیچے کر لیا تھا کہ وہ نیزہ اس کے جسم کے آرپار ہو جائے۔ مگر اتفاق سے وہ اس میں کامیاب نہ ہوا۔ اس نے پرچم پھر بلند کیا اور اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا جو اس کے پیچھے آرہے تھے۔ انہوں نے اس مسلمان کا تعاقب کر کے اسے قتل کر دیا۔

شکست سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ پہلے ہی آنحضور ﷺ کے بہت سے ایسے دشمن جن کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی' مسلمانوں کی نازک صورت حال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے ابو سفیانؓ نے چلا کر کہا: "جب تک انہیں سمندر کے کنارے تک نہ دھکیل دیا جائے ان کا فرار ختم نہ ہو گا۔" اس نے ترکش میں فال نکالنے میں کام آنے والے تیر چھپا رکھے تھے' سو وہ تو فال نکالنے میں مصروف ہو گیا۔ کلادہ ابن حنبل کی باری آئی تو اس نے بتایا۔ "آج کے روز محمد ﷺ کا جادو منتر نہیں چلے گا۔"

مگر اس کے بھائی صفوان نے جو بیشک ابھی مسلمان نہیں ہوا تھا اسے یہ کہہ کر خاموش کرا دیا:

"اللہ کرے تیرے منہ میں کوئی شے ٹھونس کر اسے بند کر دیا جائے۔"

اس ساری افراتفری میں صرف پیغمبر خدا ﷺ اطمینان و سکون سے تھے۔ وادی کے نشیبی حصے میں دائیں طرف آنحضور ﷺ نے اپنے آپ کو تعینات کرنے کے بعد فرمایا: "میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں کوئی جھوٹا دعویدار نہیں ہوں:" پھر اپنے خچر کو آگے بڑھاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے جہاں گھمسان کا رن تھا ابو بکرؓ دوڑ کر خچر کے سامنے آگئے باگ تھام لی اور یوں آنحضور ﷺ کے جانور کو روک لیا تھا۔ اپنے دستوں کو آزمانے کی خاطر اور اس خیال سے کہ انہیں بھی آزما لیا جانا چاہیے۔ آپ ﷺ نے سیدنا عباس سے فرمایا کہ یہ آواز بلند کرو: "اے انصار و مہاجرین' میرے ساتھیو! اے وہ لوگو جنہوں نے وہاں حدیبیہ کے مقام پر میرے ساتھ ایک عہد کیا تھا" جب چٹان کی چوٹی سے ان کی زوردار آواز نے آنحضور ﷺ کی بات بھگوڑوں کے کانوں تک پہنچائی تو وہ سخت گھبرا گئے۔ اپنے آپ پر قابو پا کر انہوں نے جواب دیا:

"ہم یہاں ہیں آپ کے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر!"

لیکن کیا ان بھاگتے ہوئے لوگوں کو اور ان کے جانوروں کو روکنے کی خاطر ایک بند باندھنے کی ضرورت تھی جو گھاٹی کی دو عمودی اطراف میں جمع تھے؟ مسلمانوں نے اپنے اونٹوں کو کوڑے

مارے' ان کی گردنیں مروڑنے کے لئے ان کی مُہاروں کو کھینچا مگر لمبے لمبے ڈگ بھرتے خوفزدہ جانور بھاگتے جارہے تھے، انہیں روکنا مشکل ہورہا تھا۔ اب اللہ کے سپاہیوں نے اپنی ڈھالیں ان جانوروں کی گردنوں کے گرد لٹکادیں اور زینوں پر سے کود آئے' اونٹوں کو سوار کے بغیر چھوڑ دیا گیا تھا۔ میان سے تلواریں نکال کر مسلمان سپاہیوں نے واپس مڑ کر ازسرنو لڑنا شروع کر دیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ جو رکابوں میں پاؤں ڈالے کھڑے تھے بے حد خوش ہوئے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ جب آنحضور ﷺ نے دیکھا کہ بیشمار مسلمان مجاہدین محاذ جنگ کے اس حصے کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں لڑائی زوروں پر تھی تو آپ ﷺ کی زبان سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے: "آگ روشن کر دی گئی ہے"

حضرت علیؓ اپنے چند انصار ساتھیوں سمیت قبیلہ ہوازن کے اس بدو کو لگام دینے کے لئے بڑھے جو بڑے غرور و تکبر سے اپنے نیزے پر سیاہ پرچم لہراتا پھر رہا تھا۔ اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے شیر خدا نے اس کے اونٹ کو کاٹ دیا تھا۔ اور عین اسی لمحے انصار ساتھی نے اس کافر کی ٹانگ گھٹنے سے لے کر ایڑی تک جسم سے جدا کر کے پھینک دی تھی۔ وہ زمین پر گرا ہی تھا کہ اس مجاہد نے اسے سسک سسک کر مرنے سے آزاد کر دیا تھا۔

بت پرستوں نے جب سوچا کہ وہ مسلمانوں کو تباہ و برباد کر چکے ہیں تو ان پر ایک دیوانگی کی وحشت سی طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے جارحانہ کارروائی جاری رکھی۔ اب کفار کی باری تھی کہ پسپا ہوتے نظر آئیں۔ محمد ﷺ نے اپنے خچر کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ جانور اس قدر جھک گیا کہ اس کا پیٹ زمین سے لگ جائے۔ آپ ﷺ نے زمین پر سے مٹھی بھر مٹی اٹھائی اور پھر پیغمبر خدا ﷺ نے جس طرح بدر کے میدان میں کیا تھا مٹی دشمن کی طرف پھینکی۔ دشمن پاگلوں کی طرح بھاگ نکلا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس مٹی نے اسے اندھا کر دیا ہو اور اس کے سپاہی یوں منتشر ہو گئے تھے جیسے ناقابل ادراک مٹی کے ذرّے منتشر ہوئے ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

"اللہ نے تمہاری مدد کی بہت سے میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تو اس (کثرت) نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا اور تم پر زمین فراخی کے باوجود تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ دے کر پھر گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول ﷺ پر اور مومنوں پر اپنی تسکین نازل کی اور لشکر اتارے جو تم نے نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا" (۹: ۲۵-۲۶)

اس پسپائی میں مالک بن عوف اور اس کی فوج نے طائف میں پناہ لے لی تھی جس کے چاروں طرف دیوار تھی۔

کفار کا نائب سپہ سالار درید ابن سماح اپنے انجام سے نہ بچ سکا۔ اس کی عمر نوے برس تھی اور

وہ نابینا تھا۔ جب خوف وہراس سے بھاگتے ہوئے ہموطنوں نے اسے اس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تو وہ اپنے اونٹ کو صحیح سمت نہ دکھا سکا۔ وہ ایک بہت ہی کم عمر سپاہی ربیعہ ابن رافع کے ہاتھ آ گیا۔ جب ربیعہ نے اس ہودج کو دیکھا جس میں اس کا حریف تکیہ کے سہارے بیٹھا ہوا ہے تو وہ سمجھا یہ کوئی عورت ہے جو اس کی قید میں آ گئی ہے۔ اس نے اونٹ کو بٹھایا' پردہ ہٹایا تو یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا کہ یہ عورت نہیں بلکہ ایک بوڑھا مرد ہے رنجیدگی اور مایوسی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس نے دشمن پر تلوار کا وار کیا لیکن اس بوڑھے سپاہی کو تو جیسے کچھ ہوا ہی نہیں' وہ ٹس سے مس نہ ہوا وہ انتہائی نفرت آمیز لہجے میں بولا: "اے چھوٹے بدمعاش: کس قسم کا ہتھیار تیری ماں نے تیرے ہاتھوں میں تھما دیا ہے؟ میرے اونٹ کی ہودج سے لٹکتی ہوئی میری شمشیر لے لو تلوار کے پھل کو اونچا کر کے سر اور کمر کے مہرے کے درمیان وار کرو۔ میں اس طرح اپنے دشمن پر وار کیا کرتا تھا۔" اپنا پہلا وار خالی جانے کی شرمندگی کے ساتھ میں نے اپنے حریف کے مشورے پر عمل کیا اور مشہور جنگجو خاک پر تڑپ رہا تھا۔

فتح ونصرت کی مہمیز نے پیغمبر خدا ﷺ کو دشمن کے تعاقب پر اکسایا۔ آپ ﷺ کفار کو طائف کے پہاڑی حصے کے دامن تک لے گئے اور کوشش کی کہ یہ شہر بھی فتح ہو جائے۔ بیس روز کے بے کار محاصرہ کے بعد آپ ﷺ نے حملے کا ارادہ ترک کر دیا اور دوسرے ذرائع استعمال کرنے کو ترجیح دی جو سست ضرور تھے مگر ان میں کامیابی یقینی تھی۔ آنحضور ﷺ نے یہاں کے باشندوں کے لئے عذاب الٰہی مانگنے کے بجائے اللہ سے التجا کی: "اے اللہ! اہل طائف کو بہ رضا و رغبت اپنے رسول کی طرف آنے کی توفیق بخش اور انہیں ایمان کی دولت عطا فرما!"

مسلمان فوج کی مایوسی کے باوجود آنحضرت ﷺ نے مکہ کا راستہ لیا۔ جعرانہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا تاکہ تمام قیدیوں کو اکٹھا کیا جا سکے اور مال غنیمت بھی تقسیم کر دیا جائے۔

جب آنحضور ﷺ یہاں پہنچے تو ایک خاتون قیدی شیما جس کا تعلق قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ بنو سعد سے تھا سپاہیوں سے اپنی جان چھڑا لینے کی کوشش کرتی ہوئی نظر آئی۔ محمد ﷺ کو دیکھتے ہی وہ چلائی: "اے اللہ کے نبی ﷺ! میں آپ کی رضاعی بہن ہوں:"

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے"؟ "میرے کندھے پر زخم کا نشان دیکھ لیجئے یہاں حضور ﷺ نے مجھے اس وقت کاٹا تھا جب میں آپ کو بچپن میں اٹھا کر کھلایا کرتی تھی"۔

آنحضور ﷺ نے زخم کا نشان پہچان لیا تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں وفور جذبات سے آنسو آ گئے فوراً زمین پر اپنی چادر بچھائی اور شیما سے بیٹھنے کو کہا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں میری طرف سے فیاضانہ سلوک ملے گا۔ میں تمہیں اس

قدر تحائف دوں گا کہ تم ان سمیت اپنے قبیلے تک پہنچنے میں دقت محسوس کرو گی۔"

"اے پیغمبر خدا ﷺ: مجھے اپنے قبیلے کے پاس صحرا میں بھجوا دیجئے۔ یہی میری سب سے بڑی آرزو ہے۔"

محمد ﷺ نے شیما کو تحائف سے لاد کر آزاد فرما دیا تھا۔

ہوازن کا ایک وفد پیغمبر خدا ﷺ کے پاس پیش کیا گیا۔ اس وفد کی طرف سے نمائندگی ابو سرادہ نے کی جو بنو ساعس کی ایک شاخ کا بوڑھا آدمی تھا۔ اس نے آنحضور ﷺ سے کہا: "اے اللہ کے نبی ﷺ آپ کے قیدیوں میں آپ کی خالائیں ہیں' آپ کی ان دایوں کی بہنیں جنھوں نے حضور ﷺ کو دودھ پلا لیا تھا۔ جہاں تک مرد قیدیوں کا معاملہ ہے وہ بچپن میں آپ کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور کم و بیش سب کا تعلق آپ ہی کی نسل سے ہے۔ آج ہم جس بد قسمتی کے ہاتھوں مجبور ولاچار یہاں موجود ہیں اس سے نجات کی خاطر ہم آپ سے اللہ کے نام پر التجا کرتے ہیں۔ اگر ان ہی بنیادوں پر ہم نے حارث ابن ابی شمر یا نعمان ابن منذر سے درخواست کی ہوتی تو وہ ضرور ہم پر رحم کرتے: آپ سے بہتر انسان تو کوئی اس دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوا۔" محمد ﷺ نے پوچھا "تم کسے ترجیح دو گے اپنے خاندانوں کو یا اپنے اموال کو؟" آنحضور یہ پوچھتے وقت اپنے نازک جذبات نہ چھپا سکے۔

"اے پیغمبر خدا ﷺ: ہمیں ہمارے بال بچے واپس کر دیں کہ ہم اپنے اموال کی نسبت ان سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔" "میں وہ تمام قیدی مرد' عورتیں تمہیں واپس کرتا ہوں جن کا تعلق بنو مطلب سے ہے۔"

محمد ﷺ نے بلند آواز کے ساتھ اعلان فرمایا۔ مہاجرین اور انصار نے فوراً یک زبان چلا کر کہا: "لیکن جو ہمارے ہیں وہ تو سب کے سب اللہ کے رسول کے ہیں۔" یوں سب کے سب قیدی جن کی تعداد تقریباً چھ ہزار بنتی تھی ہوازن کے وفد کے حوالے کر دیئے گئے تھے۔

مالک ابن عوف کا خاندان اس فیصلے سے مستثنٰی تھا۔ تاہم محمد ﷺ نے ان لوگوں کو حکم دیا جنہیں ابھی ابھی آزاد کیا گیا تھا کہ وہ اس کو میری طرف سے یہ تجویز دیں: "اگر مالک میرے پاس آ جائے اور اسلام قبول کر لے تو میں اسے اسکی جائیداد واپس کر دوں گا۔ یہی نہیں بلکہ ایک سو اونٹ بھی تحفے میں دوں گا۔"

مالک نے یہ تجویز منظور کر لی اور خفیہ طور پر طائف سے چلا گیا۔ پھر جب مسلمان ہوا تو اس قدر پکا اور سچا مسلمان تھا کہ آنحضور ﷺ نے اسے ملک کے تمام مسلمانوں کا کماندار بنا دیا تھا۔ اہل طائف کی مزاحمت ختم کرنے کا یہ سب سے بہتر طریقہ تھا۔

چنانچہ اس قابل سپہ سالار کی وجہ سے جو جذبہ ایمانی سے سرشار تھا بنو ثقیف کے خلاف جنگ جاری رہی۔ مالک ابن عوف نے اس قبیلے کے لوگوں کے قافلوں اور مویشیوں پر حملے جاری رکھتے ہوئے انہیں شہر کے کچھ اضلاع تک ناکہ بندی کے ذریعے محدود کر دیا تھا۔ وہ خوراک کا ذخیرہ کم ہو جانے پر اس بات پر مجبور ہو گئے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں رحم کی درخواست لے کر حاضر ہوں۔ یہ لوگ اسلام لے آئے تھے۔ اموال غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ اور چالیس ہزار بھیڑیں شامل تھیں۔ جنگی قیدیوں کے جذبات کا خیال رکھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کو اگلے روز تک روک دیا تھا۔ وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے تھے لیکن آپ کے سپاہی اس قدر بے چین ہوئے جا رہے تھے کہ حضور ﷺ کے پیچھے پیچھے آئے اور درخواست کی کہ مال غنیمت کی تقسیم ملتوی نہ کی جائے۔

اتفاق سے اس دوران پیغمبر خدا ﷺ کی اونٹنی ایک خاردار جھاڑی سے جا ٹکرائی اور اللہ کے نبی ﷺ کی چادر مبارک کانٹوں میں الجھ کر پھٹ گئی۔ آپ نے ان سے برہم ہو کر فرمایا: "اب تم لوگ میری چادر مجھے واپس دو!" اور ان لوگوں کی بار بار کی منت سماجت پر حضور ﷺ واپس تشریف لے آئے تاکہ اموال غنیمت ان میں تقسیم ہو جائے۔

آنحضور ﷺ نے کوشش کی کہ شرفائے شہر کے دلوں میں گھر کر لیں، جس کے لئے آپ نے ان کی ہر طرح دلجوئی کرنی چاہی۔ اسے "مؤلف القلوب" کا نام دیا گیا تھا۔ یعنی "وہ لوگ جن کے دل جیت لئے گئے ہیں" ابوسفیان اور اس کا بیٹا معاویہ، حکم بن حزام، نضر ابن حارث، سہیل، عکرمہ عیینہ، اقرع اور صفوان کو پچاس پچاس اونٹ ملے تھے۔ اس حسن سلوک میں فرق نے لوگوں کے دلوں میں اعتراض کی گنجائش پیدا کر دی تھی۔ عباس ابن مرداس نے اپنے عدم اطمینان کا اظہار چند اشعار میں کیا جن کا مفہوم یہ تھا: "مال غنیمت میں سے میرا اور عبید کا حصہ عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اور ان دونوں کے والد حصن اور حابس کے مقابلے میں ہر قسم کے اجتماعات میں میرے باپ کی نظیر نہیں ملتی تھی۔"

آنحضور ﷺ نے اسے بلا بھیجا اور پوچھا "کیا یہ اشعار تم نے لکھے ہیں؟" پھر آخری دو ناموں کی ترتیب تبدیل کر ڈالی اور اس بات کا خیال نہ کیا کہ اس طرح شعر وزن سے گر گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

"اور ہم نے اس کو (محمد ﷺ کو) شعر نہیں سکھائے" (۳۶ : ۶۹)

جب ابوبکرؓ صدیق نے آنحضرت ﷺ کی توجہ اس طرف مبذول کرانی چاہی تو آپ نے فرمایا:

"کوئی مضائقہ نہیں معافی تو اس طرح بھی وہی رہتے ہیں" اور پھر رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس شاعر کی زبان کاٹ دو اور جس مال غنیمت کا اس نے دعویٰ کیا ہے وہ اسے دے دیا جائے۔

قبیلہ تمیم کے ایک عرب ذوالخویسرہ نے گستاخی کرتے ہوئے آنحضور ﷺ سے کہا: "اے پیغمبر خدا ﷺ! آپ نے مال غنیمت کی تقسیم منصفانہ نہیں کی" عمرؓ فوراً اٹھے اور چلا کر کہا: "میں اس گستاخ کسان کا گلا ابھی کاٹتا ہوں۔" "نہیں! اسے کچھ مت کہو' جانے دو" محمد ﷺ نے جواب دیا۔

دراصل مال غنیمت کی تقسیم میں رسول اللہ ﷺ نہایت مدبرانہ سیاسی حکمت عملی اختیار کرتے تھے تاکہ ہر طرح کے جذبات کے اظہار کی اجازت ہو اور آپ کے ساتھیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے حسد جنم نہ لے سکے۔ تقریباً سارا مال غنیمت تقسیم ہو چکا تھا مگر اتفاق سے انصار کو ان کا حصہ نہیں ملا تھا۔ اپنی جان نثاری اور دین کے لئے اپنی محبت کی بنیاد پر انہیں توقع تھی کہ سب سے پہلے ان کا خیال رکھا جائے گا۔ ان کی حیرت میں اضافہ ہوا جب انہوں نے دیکھا کہ مال غنیمت میں سے ان کا حصہ ان تک پہنچا ہی نہیں اور سب کچھ اہل قریش اور بدوؤں کے ہاتھوں میں جا رہا ہے۔

آخر میں جب کچھ بھی نہ بچا تو انصار کی زبان سے اس طرح کے تلخ الفاظ نکلے۔

"اللہ کی قسم! آنحضور ﷺ تو صرف اپنے لوگوں کا خیال رکھتے ہیں۔ اب جبکہ آپ ہماری وجہ سے فاتح کی حیثیت سے وطن مالوف واپس لوٹے ہیں بجائے اس کے کہ وہ ہمارے ممنون ہوتے ہمیں یکسر بھلا دیا گیا ہے' ہم نظر انداز کر دیئے گئے ہیں۔" سعد ابن عبیدہؓ نے یہ شکایت سنی تو محمد ﷺ کو بتانے چلے گئے۔

رسول خدا ﷺ نے فرمایا: "ٹھیک ہے جاؤ اور سب انصارین کو بلا لاؤ!"

جب انصار جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور پوچھا:

"اے اجتماع انصار! مجھے تم لوگوں کی باتوں کا پتہ چلا ہے اور مجھے تم سب کی افسردگی کا علم بھی ہوا ہے۔ کیا میں نے تم لوگوں کو اس وقت سیدھا راستہ نہیں دکھایا تھا جب تم راہ گم کردہ تھے۔ کیا اللہ نے تم سب کو صراط مستقیم نہیں دکھایا؟ تم لوگ بد نصیب تھے' کیا اللہ نے تمہیں مسرتوں سے نہیں نوازا تھا؟ بھائی دوسرے بھائی کا دشمن تھا کیا اللہ نے تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے الفت و محبت نہیں ڈالی تھی؟" سب نے بیک زبان جواب دیا: "آپ بالکل سچ فرماتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ بے حد مہربان اور رحیم ہیں:" اللہ کے نبی ﷺ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید فرمایا: "اور جہاں تک تم لوگوں کا معاملہ تھا۔

کیا تم نے مجھے خوش آمدید نہیں کہا تھا؟ کیا تم مجھ سے اس وقت محبت اور مہربانی سے پیش نہیں آئے تھے جب میں گھر سے بے گھر ہو کر پھر رہا تھا۔ کیا تمہیں مجھ سے یہ کہنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ کہ "تم پر جھوٹا دعویدار ہونے کا الزام لگا تھا۔ اور ہم نے تم پر اعتبار کیا' تمہیں اپنوں نے بے یار ومددگار چھوڑ دیا تھا اور ہم نے تمہارا ساتھ دے کر تمہیں فاتح بنایا' تم غربت وافلاس میں گھرے ہوئے تھے اور ہم نے تمہیں مالدار بنایا؟" اس اجتماع کے ہر فرد نے احتجاج کرتے ہوئے کہا: "نہیں نہیں؟ ہم ہر بات میں حضور ﷺ کے ممنون احسان ہیں اور آپ کسی بات میں بھی ہمارے ممنون نہیں ہیں۔" پیغمبر خدا ﷺ نے فرمایا: "اے میرے انصار ساتھیو! تو پھر اس دنیا کی دولت کے چلے جانے پر تمہارے دلوں میں اس کی محبت کیسے پیدا ہو گئی جس دولت سے میں نے کچھ لوگوں کو اس لئے مالامال کیا تاکہ ان کا متزلزل ایمان مضبوط ہو جائے۔ اور تم لوگوں کا تو مجھے علم تھا ہی کہ تم ایمان کے معاملے میں غیر متزلزل ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ لوگ جنہیں مال غنیمت ملا ہے یہ اپنے گھروں کو صرف اونٹوں اور بھیڑوں سمیت لوٹیں گے۔ جبکہ تم لوگ اللہ کے نبی کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ گے؟"

"مجھے اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ اگر عرب قبائل ایک وادی میں مقیم ہوں اور انصار دوسری میں تو اللہ کا نبی اس وادی میں جائے گا جس میں انصار ہوں گے۔

انصار میرے لئے مثل اس قمیض کے ہیں جس نے جسم کی کھال کو ڈھانپ رکھا ہو اور دوسرے قبائل ایک چادر کی حیثیت رکھتے ہیں جس نے جسم کے اوپر کے لباس کو ڈھانپ رکھا ہو۔ اے اللہ انصار پر رحم وکرم فرما، انصار کی اولاد پر اور ان کے بچوں کے بچوں پر اپنا فضل وکرم فرما!"

پیغمبر خدا ﷺ نے جس شدت جذبات سے یہ الفاظ ادا کئے تھے اس نے اپنا اثر دکھایا اور وہاں پر موجود تمام انصارین کو مکمل اطمینان بخش دیا تھا۔ کوئی گلہ نہ رہا تھا۔ ممنونیت کے آنسو اس کثرت سے انصارین کی آنکھوں میں آئے کہ جیسے برکھا رت کی کوئی کالی گھٹا برس گئی ہو۔ داڑھیاں بھیگ گئیں تھیں۔ سب نے چلا کر کہا، سسکیوں کے درمیان ان کے الفاظ لبوں پر ڈگمگا رہے تھے: "ہاں، بیشک، ہم مال غنیمت کا اپنا حصہ قبول کرتے ہیں اور ہمیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سب سے زیادہ خوبصورت حصہ ہمارا ہے"

> البتہ اللہ نے تمہاری مدد کی بہت سے میدانوں میں اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو اس (کثرت) نے تمہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ (۹ : ۲۵)

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے لئے (۲ : ۱۹۶)

باب ۔ ۸

حضرت عائشہؓ پر تہمت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں :

"غزوۂ مصطلق سے واپسی کے دوران، میں کسی سخت ضرورت کے تحت محمل سے اتر گئی تھی۔ میں ایک غیر آباد مقام پر اوٹ میں چلی گئی۔ پھر میں نے انتظار کیا کہ تمام سپاہی گزر جائیں۔ مگر میرے اونٹ کو رکا دیکھ کر اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ میں محمل کے اندر ہوں چند سپاہی اونٹ کو ہانک کر لے گئے تاکہ میرا اونٹ قافلے کے باقی اونٹوں کی قطار میں لگ جائے۔ رفع حاجت کے بعد جب میں اوٹ سے واپس نکلی اور دیکھا کہ میرا اونٹ نہیں ہے تو میں دل شکستگی سے چلائی۔ مگر میری آواز قافلے والوں تک نہ پہنچ سکی چونکہ میں تھک گئی تھی اس لئے میں زمین پر ستانے لگی اور سو گئی۔ قافلے کے عقب میں چلنے والے ایک پاسبان نے جس کا نام صفوان ابن معطل تھا، مجھے دیکھ لیا اور چلایا: "ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس واپس لوٹنا ہے :" میں یہ آواز سن کر جاگ گئی تھی۔ وہ اپنا اونٹ قریب لایا، محمل میں مجھے سوار کیا مہار پکڑ لی اور اونٹ کو لے کر محمد ﷺ کے ساتھ آملا"۔

رسوا کن کہانیاں پھیلانے والوں نے یہ واقعہ، جو محض اتفاقی تھا، اپنے شرمناک مقاصد حاصل کرنے کے لئے نیا رنگ دے کر پھیلایا۔ آنحضور ﷺ کی زوجہ محترمہ نے اپنی معصومیت کا یقین دلایا مگر دشمنوں نے جس طرح اس واقعہ کو اچھالا تھا اس نے باوجود اس حقیقت کے کہ پیغمبر خدا ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی پاکدامنی پر کبھی شک و شبہ نہ کیا تھا، ایک گرہ سی دل میں پڑ گئی تھی، شک کی گرہ جو کوشش کے باوجود محمد ﷺ کے دل سے نکل نہیں رہی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کو اپنے سے دور رکھا یہاں تک کہ اس کی خبر ملنے پر رسول اللہ ﷺ کے سسر حضرت ابو بکرؓ بھی پریشان ہو گئے۔

آخر کار وحی نازل ہوئی اور الزام و تہمت لگانے والوں کو جھوٹا اور کاذب ٹھہرایا اور بہتان کے فعل کی مذمت کی: "حالانکہ وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے" (۲۴ : ۱۵)

اس طرح پیغمبر خدا ﷺ کے دل سے ہر طرح کے شک و شبہات کو نکال دیا گیا۔ اور جس تکلیف دہ صورت حال سے اللہ کے نبی ﷺ گزر رہے تھے اس کو نزول وحی سے ختم کر دیا گیا تھا۔

آنحضور ﷺ کے فرزند سیدنا ابراہیم کی پیدائش اور وفات

۸ھ میں حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے آنحضور ﷺ کے فرزند پیدا ہوئے۔ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے آنحضور ﷺ کے جن صاحبزادگان نے جنم لیا تھا وہ زندہ نہیں رہے تھے۔ اس لئے اس بیٹے کی ولادت پر رسول اللہ ﷺ بے حد خوش تھے۔ آپ نے اپنے غلام ابو رافع کو آزاد فرما دیا تھا جو یہ خوشخبری لایا تھا۔ حضور ﷺ نے اعلان فرمایا کہ بیٹے کو جنم دے کر اس کی ماں نے بھی آزادی حاصل کر لی ہے۔

ساتویں روز بچے کے بال منڈوا کر زمین میں دفن کر دیئے گئے۔ دو بھیڑیں قربان کی گئیں اور غرباء و مساکین میں خیرات تقسیم ہوئی۔ تمام دایوں نے ایک دوسری پر سبقت لے جانے کی کوشش کی، ہر کسی کی آرزو تھی کہ آنحضور ﷺ کے فرزند کو دودھ وہ پلائے، جس کا نام ابراہیمؑ رکھا گیا تھا۔ بچے کو بی بی ام بردہ کو دے دیا گیا جو بردہ ابن اوس کی اہلیہ تھیں بی بی ام بردہ کو کھجوروں کا ایک باغ تحفے میں دیا گیا تھا۔ وہ دودھ پلانے کے لئے سیدنا ابراہیمؑ کو بنو مزینہ لے آئی تھیں جہاں آنحضور ﷺ اپنے بیٹے کو دیکھنے اکثر آتے تھے۔ آپ ﷺ اپنے فرزند کو بازوؤں میں لے لیتے اسے مسلسل "سونگھتے" اور بار بار بوسے دیتے تھے۔ آنحضور ﷺ کے دل میں حضرت ماریہ قبطیہ کے لئے بھی محبت میں اضافہ ہوا تھا جس سے آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات کے دلوں میں حسد پیدا ہو گیا تھا۔

ان ہی ایام میں آنحضور ﷺ نے گھریلو زندگی کے غیر جانبدارانہ اصول اور خود پر اپنی عائد کردہ پابندیوں کو توڑ دیا تھا۔ وہ شب جو حرم نبوی میں حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے حصے میں آتی تھی وہ حضرت ماریہؓ کو دے دی گئی تھی۔ حضرت حفصہؓ اس بات سے رنجیدہ خاطر ہوئیں اور یہ خیال آیا جیسے ان کے حقوق فراموش کئے جا رہے ہیں۔ ان کا رویہ آنحضور ﷺ سے نہایت تلخ تھا جب وہ اس بات پر احتجاج کر رہی تھیں۔ حضور ﷺ نے وعدہ فرمایا کہ اگر حضرت حفصہ اس بارے میں اپنی زبان بند رکھیں تو آپ ﷺ حضرت ماریہؓ سے ہر طرح کا تعلق منقطع کر لیں گے۔ مگر مزاج کی تلخ حضرت حفصہؓ اپنا وعدہ نہ نبھا سکیں۔ انہوں نے اپنی تمام شکایات کا ذکر حضرت عائشہؓ سے کر دیا وہ تو خود بھی پہلے ہی اس وجہ سے آنحضور ﷺ سے سخت برہم تھیں کہ حضرت ماریہؓ سے آنحضرت ﷺ کا التفات کیوں بڑھ گیا تھا۔ حضرت حفصہؓ نے حرم نبوی میں آنحضور ﷺ کی تمام ازواج مطہرات کو مشتعل کر دیا تھا۔

گھر میں ہر روز نیا جھگڑا کھڑا ہو جاتا، آنحضور ﷺ کو ایسی ایسی باتیں سننے اور دیکھنے کو ملتیں کہ پیغمبر خدا ﷺ کے لئے گھر کی یہ فضا نا قابل برداشت ہو گئی۔ آنحضور ﷺ نے اس معاملے پر غور و فکر کو مسترد کر کے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی ازواج مطہرات کو یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ پیغمبر خدا کو اپنی اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور کر دیں اور جس طرح وہ چاہیں حضور ﷺ ویسا کیا کریں۔ آپ ﷺ نے حضرت حفصہ کی نادانی پر ان سے دوری اختیار فرمالی۔ ایک ماہ تک آپ نے اپنی بیویوں سے کوئی تعلق نہ رکھا۔ اب حالانکہ حسد کی کوئی وجہ بھی سامنے نہ تھی مگر ان کے آپس کے جھگڑے جاری تھے۔ ہر ایک بی بی دوسری کو مورد الزام ٹھہراتی تھی کہ اس کی وجہ سے پیغمبر خدا ﷺ اس سے ناراض ہیں۔ بالآخر تمام ازواج مطہرات نے قسم کھائی کہ آئندہ وہ اپنے جھگڑوں سے آنحضور ﷺ کو پریشان نہیں کریں گی۔

لیکن آنحضرت ﷺ نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس پر قائم رہے۔ بالاخانے کے ایک کمرے میں آپ نے خلوت اختیار کر رکھی تھی جس تک پہنچنے کے لئے پیغمبر خدا ﷺ کو کھجور کے درخت کے تنوں سے بنی ہوئی سیڑھی استعمال کرنا پڑتی تھی اور کمرے میں ایک چٹائی تھی جس پر کوئی بستر نام کی شے نہ تھی اس لئے اس کھردری چٹائی سے آنحضور ﷺ کے جسم پر گہرے نشان پڑ گئے تھے۔ آپ کا کھانا ایک سیاہ فام دربان لے کر آتا تھا جو دروازے پر مقرر تھا تاکہ کوئی بھی اندر آ جا نہ سکے۔ کمرے کا دروازہ بند رہتا تھا یہاں تک کہ یہ دروازہ رسول اللہ ﷺ کے نہایت پیارے صحابہ کرام کے لئے بھی بند تھا۔ آخر کار ۲۹ ویں روز جب آنحضور ﷺ کو یہ خیال گزرا کہ عمرؓ اور ابو بکرؓ اپنی اپنی بیٹیوں حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ کی رسوائی کی وجہ سے رنجیدہ ہیں تو آپ نے ان دونوں بیویوں سے اور دوسری بھی تمام ازواج مطہرات سے قطع تعلق ختم کر دی تھی۔ آپ ﷺ نے ایسا یہ آیات تلاوت فرمانے کے بعد کیا تھا:

> "اگر اس۔ (نبی) کی (ایذا رسانی) پر تم ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو بیشک اللہ اس کا رفیق ہے اور جبریلؑ اور نیک مومن اور فرشتے (بھی) ان کے علاوہ مددگار ہیں۔ اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو قریب ہے کہ اس کا رب اس کے لئے اور بیبیاں بدل دے۔ تم سے بہتر اطاعت گزار، ایمان والیاں، فرمانبرداری کرنے والیاں، توبہ کرنے والیاں، عبادت گزار، روزہ دار، شوہر دیدہ اور کنواریاں"۔

(۶۶: ۴۔۵)

سیدنا ابراہیم کی ولادت سے جو خوشی و مسرت اور امیدیں وابستہ کی گئی تھیں ان کی عمر زیادہ طویل نہ نکلی۔ صرف سترہ مہینے کے بعد وہ محمد ﷺ کی نظروں کے سامنے انتقال کر گئے تھے۔

آنحضور ﷺ جو ایک نہایت محبت کرنے والے باپ تھے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکے۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہ تھے۔ آنحضور ﷺ کے رنج والم کو دیکھتے ہوئے اور یہ یاد کر کے کہ آپ نے کسی پیارے کی مرگ پر آہ وفغاں اور رونے دھونے سے منع فرمایا ہوا ہے۔ نہ غم واندوہ سے کپڑے پھاڑنے کی اجازت ہے نہ منہ اپنے ہی ناخنوں سے نوچنے کی، عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضور ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: "اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ ﷺ بھی۔" یعنی آپ کے بھی آنسوؤں کا یہ عالم ہے! آپ ﷺ نے فرمایا: "اے ابن عوف! آنسو تو رحمدلی کی وجہ سے نکلتے ہیں اور پھر چیخنے چلانے اور نوحہ کناں ہونے کی طرح جس کی اسلام میں ممانعت ہے آنسوؤں پر تو کوئی قدغن نہیں لگائی گئی۔"

آنسو تیز تر ہوئے تو محمد ﷺ نے فرمایا: آنکھیں آنسو بہاتی ہیں، دل دکھی ہوتا ہے لیکن ہم زبان سے کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالتے جس سے ہمارا پروردگار ناراض ہو جائے۔

صدمے کے آغاز پر تسلیم ورضا کا مظاہرہ لازمی ہے اس لئے کہ بعد میں تو وقت مرہم رکھ ہی دیتا ہے اے میرے فرزند، ابراہیمؑ، تجھ سے بچھڑ کر ہم بے حد مغموم ہیں مگر ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اسی کے پاس واپس لوٹنا ہے!"

دائی ام بردہ کی والدہ زائرہ نے سیدنا ابراہیم کی میت کو غسل دیا اور الفضل ابن عباسؓ اور اُسامہؓ ابن زید جنت البقیع تک اٹھا کر لے گئے اور جسد خاکی کو لحد میں اتارا۔ جب آنحضور ﷺ کے فرزند کی قبر پر مٹی ڈال دی گئی تو پیغمبر خدا ﷺ نے اس فرزند کی چھوٹی سی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر جس سے آپ کو بڑی امیدیں وابستہ تھیں، بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا: "اے میرے فرزند! حلفاً اس بات کا اقرار کرو کہ اللہ میرا خالق ومالک ہے، اس کا رسول میرا باپ اور اسلام میرا دین ہے!"

وہ تمام لوگ جو آنحضور ﷺ کے لخت جگر کی تجہیز وتکفین میں مددگار تھے، آہوں اور سسکیوں سے تڑپ اٹھے تھے۔ ان کے چہروں کا رنگ اچانک نیلا سیاہی مائل ہو گیا تھا۔ اور اس کا عکس زمین، ریت اور چٹانوں پر بھی پڑ رہا تھا۔ نیلگوں آسماں سیسے کی رنگت اختیار کر گیا تھا۔ دھوپ زرد پڑ گئی تھی، پھر آہستہ آہستہ اس کی تمازت کم ہوتی گئی حالانکہ مطلع صاف تھا۔

اور آسمان پر کہیں بادل نہیں تھے۔ ایک یخ بستہ کپکپی نے جو بخار سے مشابہ تھی فطرت کے مکمل چہرے میں جنبش پیدا کر دی تھی اور خوفزدہ طیور نے اپنے شبینہ ٹھکانوں میں پناہ لے لی تھی

سورج کی آخری کرنیں جو ارد گرد کی چیزوں کو مدھم اور نامبارک روشنی سے منور کرنے کی ناکام کوشش کر رہی تھیں رفتہ رفتہ دم توڑ رہی تھیں اور کھلے دن کی روشنی کو تاریکی کی سیاہ چادر نے ڈھانپ لیا تھا جبکہ آسمان پر اکا دکا ستارے ٹمٹمانے لگے تھے۔

جس طوفان کا لوگوں کو انتظار تھا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے بچنے کے لئے وہ خوف وہراس کے مارے کہاں بھاگ کر جائیں۔ سیدنا ابراہیم کے انتقال پر سورج گرہن کو دیکھ کر اس مجمع میں شامل بہت سے لوگ چلا اٹھے تھے۔: "اے پیغمبر خدا ﷺ! خود سورج کی آنکھیں آنسوؤں سے مدھم پڑ گئی ہیں اور آپ ﷺ کے غم میں برابر کی شرکت کے لئے سورج بھی شام ڈھلنے سے قبل چھپ گیا ہے!"۔

آنحضور ﷺ جو اپنے رنج وغم پر قابو پانے کی کوشش کر رہے تھے سیدھے کھڑے ہو گئے اور بڑے واضح الفاظ میں فرمایا: "نہیں ایسا نہیں ہے۔ آفتاب وماہتاب اللہ کے قادر مطلق ہونے کی دو نشانیاں ہیں۔ اس کائنات کی کئی دوسری حسین وجمیل چیزوں کی مانند ان دونوں کے مقدر میں بھی اس رب کائنات کے احکام کے مطابق گہنا جانا لکھا ہوا ہے۔۔۔ لیکن کسی بھی فانی انسان کی موت گہنا نہیں سکتی۔ یعنی موت سے کسی فانی انسان کو مفر نہیں!"۔

غزوۂ تبوک (اگست ٦٣٠ء بمطابق ۸ھ)

جنگ موتہ میں عیسائی یونانیوں نے اپنی قیمت پر یہ بات سیکھی تھی کہ اللہ کے سپاہیوں کی شجاعت و بہادری کا امتحان لینے کا کیا مطلب تھا۔ اور جوں جوں اسلام دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلتا جا رہا تھا ان لوگوں نے مسلمانوں کے کچلنے کے لئے ایک نہایت مضبوط فوج تیار کرنا شروع کر دی تھی۔

پیغمبر خدا ﷺ کو اس بات کی خبر ہوئی تو آپ نے فیصلہ کیا کہ دشمن کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ خود سب سے پہلے میدان جنگ میں اتریں گے اور حملہ کرنے میں خود پہل کریں گے۔

یہ شجاعت وڈرپن صرف اس لئے آنحضور ﷺ میں موجود تھا کیونکہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی حفاظت اور اپنے رسول کی حفاظت پر آپ کا یقین غیر متزلزل تھا۔ ناقابل تلافی تباہی وبربادی سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو لاکھوں سپاہیوں پر مشتمل فوج درکار نہیں تھی۔ دشمن پر حملے کا یہ مناسب وقت نہیں تھا۔ طویل خشک سالی سے فصلیں سوکھ گئی تھیں' جڑی بوٹیاں مرجھا گئی تھیں اور مویشیوں کے ریوڑ چھوٹے ہوتے جا رہے تھے۔ ہولناک قحط نے علاقے بھر کو ویران کر دیا تھا۔ موسم گرما کے آخری نصف حصے نے اپنی گرمی کی شدت سے توانائی تباہ کر دی تھی۔ ہر نخلستان میں خوش ذائقہ پھلوں کی فصل جسے کنوؤں کے نہ ختم ہونے والے پانیوں سے سیراب کیا جاتا تھا صرف وہ بچ گئی تھی۔ توانائی بخش پھلوں کی کثرت تھی۔ مسلمان ان پھلوں سے فائدہ اٹھانے کے لئے تیار ہی ہونے تھے کہ رسول ﷺ نے کوچ کا حکم صادر فرما دیا تھا۔

دلوں میں عدم اطمینان نے چھپ چھپ کر جگہ بنائی تھی اور ناقابل اصلاح "منافقین" نے

تیزی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی' وہ ہر طرف اس طرح کی حوصلہ شکن باتیں پھیلاتے پھر رہے تھے۔ "تم کیا سمجھتے ہو کہ بنو اُصفر کے خلاف (اسحٰق جیسے عقل مند انسان کی نسل) جنگ لڑنا کوئی بچوں کا کھیل ہے جیسا کھیل اسمٰعیل کے سیاہ فام بیٹوں کے خلاف تھا؟ یاد رکھو کہ موسم کی شدید گرمی سے تھکے ماندے اور پریشان حال ہونے اور سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد تمہارا آمنا سامنا بنونضر کے سپاہیوں سے ہوگا جو اسلحہ سے لیس ہوں گے۔"

اگر ساری جدوجہد اللہ کی خاطر نہ ہوتی تو یہ سارے دلائل بڑے منطقی تھے۔ جو لوگ پہلے ہی تذبذب میں تھے ان کے ذہنوں کو بدلنے میں یہ باتیں کار آمد ثابت ہو رہی تھیں۔ وہ سپاہی جنہیں قائل کر لیا گیا تھا انہیں سامان خورد و نوش کی کمی کے بارے میں بتا کر طرح طرح کی مشکلات سے آگاہ کیا جا رہا تھا۔ اونٹوں کی کمی کی وجہ سے نقل و حمل میں پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ چراگاہوں کی کمی کی وجہ سے بہت سے مویشی جو چارہ کی کمی کی وجہ سے بھوک سے مرے نہیں تھے قابل رحم حالت میں تھے۔ حالات بیشک نامساعد تھے لیکن اللہ کے رسول ﷺ کا راستہ کوئی رکاوٹ نہیں روک سکتی تھی۔

"منافقین" سویلم نامی یہودی کے گھر سازش تیار کرنے کے لئے جمع تھے کہ آنحضور ﷺ نے طلحہ ابن عبید اللہ کو روانہ کیا کہ انکے ٹھکانے کو نذر آتش کر آؤ۔ یہ لوگوں کو کس طرح ورغلا رہے تھے اس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح آیا ہے:

> "گرمی میں کوچ نہ کرو آپ ﷺ کہہ دیں جہنم کی آگ گرمی میں سب سے زیادہ ہے۔ کاش وہ سمجھ سکتے۔ چاہیے کہ وہ ہنسیں تھوڑا اور روئیں زیادہ۔ یہ اس کا بدلہ ہے۔ جو وہ کماتے تھے" (۹: ۸۱۔۸۲)

اپنی تکلیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آنحضور ﷺ نے اپنے پیروکاروں کو منزل کی اہمیت کے بارے میں سمجھانے کی پوری کوشش کی۔ ہر شخص سے آپ ﷺ نے اس کے ذوق و شوق کے مطابق بات کی کسی کو روحانی تسکین بخشی اور مثالی کردار سے محبت کرنے والوں کو ان کی روحانی غذا کی اہمیت سے آگاہ کیا۔ دوسروں کو مادی فوائد کے حصول کی امید سے وابستہ رہنے کے بارے میں حوصلہ دیا۔ دنیاوی مسرتوں اور مال غنیمت کے بارے میں بھی آپ نے کسی کی حوصلہ شکنی نہ کی۔

جد ابن قیس بڑا سازشی انسان تھا۔ اس نے پیغمبر خدا ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا: "آپ ﷺ تو جانتے ہیں کہ میری "قوم" میں مجھ سے زیادہ عورت سے محبت کرنے والا کوئی اور نہیں ہے۔ اب مجھے ڈر ہے کہ میں بنو اصفر کی لڑکیوں کے حسن و جمال کو دیکھ کر کس طرح اپنے آپ کو قابو میں رکھوں گا۔ کیا آپ مجھے اس بارے میں قصوروار ٹھہرائیں گے؟"

رسول اللہ ﷺ نے جواب دینے سے گریز فرمایا۔ جد ابن قیس نے اس خاموشی کو یہ رنگ دیا کہ محمد ﷺ نے وعدہ فرمالیا تھا کہ ایسے موقعہ پر آنکھیں بند رکھیں گے۔ یہ اوباش انسان اپنے بیٹے کی موجودگی کے باوجود اپنی بازاری خوشی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا۔ بیٹے نے بھی اشارتاً اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو باپ نے جوتا اتار کر بیٹے کے منہ پر دے مارا۔

اپنے سپہ سالار کو تازہ دم دیکھ کر مسلمانوں کے جوش و جذبے میں بڑا اضافہ ہوا۔ وہ مشکلات پر قابو پانے اور قربانیاں دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مایوسی دور ہو چکی تھی۔

وہ مسلمان جو اپنی غربت یا ضعف و کمزوری کا بہانہ کر کے مجاہدین میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ انہیں اس قدر افسوس اور ندامت ہوئی کہ ان کے لئے عرف "بکاؤن" یا رونے والے مشہور ہو گیا تھا۔ تاہم وحی کی ان آیات میں انہیں معاف کر دیا گیا تھا:

"نہیں ضعیفوں پر اور نہ مریضوں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے کہ وہ خرچ کریں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خیر خواہ ہوں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے اور نہ ان لوگوں پر (کوئی حرج ہے) کہ جب آپ کے پاس آئے کہ آپ انہیں سواری دیں تو آپ نے کہا کہ (کوئی سواری) نہیں کہ اس پر تمہیں سوار کروں تو وہ (اس حال میں) لوٹے اور غم سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے کہ وہ کچھ نہیں پاتے جو وہ خرچ کر سکیں۔ (۹: ۹۱۔ ۹۲)

مسلمانوں کو مایوس دیکھ کر آنحضور ﷺ نے تمام مومنین کو اس بات پر آمادہ فرمایا کہ وہ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے عطیات دیں۔ سب نے دل کھول کر حصہ لیا ابو بکر صدیقؓ نے سب کچھ آنحضرت ﷺ کے حوالے کر دیا' عثمان غنیؓ نے دس ہزار سپاہی اور ان کے خورونوش کا سامان اور جنگی ہتھیار پیش کئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ وہ سخاوت و فیاضی میں اپنے دوسرے بھائی پر سبقت لے جائے۔ خواتین نے اپنے قیمتی زیورات اتار کر پیغمبر خدا ﷺ کے قدموں میں لا کر ڈال دیئے تھے۔

اس مہم پر روانگی کے لئے فوج جلد ہی تیار کر لی گئی تھی۔ جس میں تیس سے چالیس ہزار تک کے درمیان سپاہی تھے۔ عرب میں اس سے قبل کسی جنگ میں اتنی بڑی فوج نے کبھی حصہ نہیں لیا تھا۔ فوجی دستے ثنیۃ الوداع درے میں جمع ہو گئے تھے۔ مسلمانوں کے بلند حوصلے دیکھ کر "منافقین" نے مصلحت اندیشی سے کام لیتے ہوئے اپنے جذبات چھپائے تھے۔ لیکن مسلمان فوج جب "درہ الوداع" کے پیچھے نظروں سے اوجھل ہو گئی تو ان کے وہ گروہ جو پیچھے رہ کر منظم ہو گئے تھے ان میں سے ایک ایک کر کے تمام افراد مدینہ کی طرف چل پڑے تھے۔

ان "منافقین' کا یہ فعل حیران کن نہ تھا۔ لیکن ان کے غلط مشورہ نے درج ذیل چار اچھے

مسلمانوں کو فرائض سے غافل بنادیا تھا۔ شاعر کعب ابن مالک' مرارہ ابن الربی، ہلال ابن امیہ اور ابو خیثمہ۔ سب سے آخر میں مذکور فرد گرمی کی شدت برداشت نہ کر سکا اور اسے حسن اتفاق کہیے کہ وہ شرمندگی و ندامت سے منہ چھپائے اپنے باغ میں چلا گیا تھا۔ جس کے چاروں طرف حفاظتی دیواریں تھیں۔ یہاں کھجور کے آپس میں جڑے ہوئے درختوں' انگور کی بیلوں اور پتوں نے بل کھاتے سانپوں کی شکل اختیار کرلی تھی درختوں کے نیچے دو پناہ گاہیں بن گئی تھیں۔ جن کی تعمیر میں کھجور کے درخت کے تنے اور پتوں نے بڑا کام دیا تھا۔ سورج کی روشنی بھی ان میں سے نہیں گزر سکتی تھی اور دن میں رات کا اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ رات کی مشابہت کو مکمل کرنے کے لئے پراسرار درختوں کی اوٹ میں سے ایک نوجوان عورت کا چہرہ اس طرح چمکتا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ ریتلی زمین کو حسین و جمیل لڑکیوں نے پانی دیتے وقت بڑی احتیاط سے کام لیا تھا اور اس زمین میں سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ وہ چھاگلوں میں پانی بھر کر انہیں درختوں کی ٹہنیوں سے لٹکا دیتی تھیں جو برف کی طرح پانی کو یخ کر دیتی تھیں۔ یہ دوشیزائیں کھانا ایسا پکاتی تھیں۔ کہ کھانے کی خوشبو کھانے والوں کی اشتہا میں اضافہ کر دیتی تھی۔

ابو خیثمہ کا جسم پسینے سے شرابور تھا' سارے جسم پر ریت کے ذرے نظر آرہے تھے۔ اور جب وہ نرم و گداز قالین پر لیٹتا تو مے نوشی کا سا سرور حاصل کرتا تھا۔ تھکے ماندے اس کے جسم کے لئے یہ آرام جنت کے آرام سے کم نہ تھا۔ اچانک کسی زمردیں عکس نے اس کی تھکی تھکی آنکھوں کو بوسہ دیا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کوئی سہانا خواب دیکھ رہا ہو۔

ویرانے میں' لامتناہی وسعتوں میں نیلگوں آسمان تلے' جس پر بادل کا ایک ٹکڑا تک نظر نہ آتا تھا' چبھتی ہوئی سورج کی بے رحم تمازت میں انسانوں کی ایک لمبی قطار اس طرف بڑھتی دکھائی دی۔ یہ لوگ جلد ہی چٹانوں یا ریتلے ٹیلوں کی اوٹ میں چھپ گئے تھے۔ اس نے ان لوگوں کو پہچان لیا تھا۔ یہ تو اس کے دینی بھائی تھے اور ان سب کا سربراہ اللہ کا منتخب بندہ' اس کا رسول ﷺ تھا۔

ابو خیثمہ نے چلا کر کہا: "آنحضرت ﷺ ایک مہم پر فوج لے کر نکلے ہیں اور سورج آگ برسا رہا ہے۔ مگر ابو خیثمہ آرام کر رہا ہے اسے سایہ درخت تازہ ٹھنڈا پانی اور دو چندے آفتاب چندے ماہتاب بیویوں کی رفاقت حاصل ہے: نہیں! ایسا نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ اپنی بیویوں کی جانب مڑا جن میں سے ہر ایک کو توقع تھی کہ اس کا شوہر اس کی جانب ملتفت ہوگا۔ اسے ترجیح دے گا۔

اللہ کی قسم! میں تم دونوں میں سے کسی ایک کی قربت بھی حاصل نہ کروں گا میں تو پیغمبر خدا ﷺ کی فوج میں دوبارہ شامل ہونے جا رہا ہوں۔ میرا سامان تیار کرو اور اس میں ذرا دیر نہ کرنا۔"

بیویوں نے تعمیل کی۔ اس نے اپنا اونٹ کھولا جس نے ابھی ابھی کنویں سے پانی کھینچنا شروع

کیا تھا اور اس کی پیٹھ پر ہودج کس دی۔ پھر اپنی تلوار' نیزہ اور ڈھال جہاں جہاں لٹک رہے تھے۔ اتارے اور مڑ کر دیکھے بغیر ٹھنڈی چھاؤں تازہ پانی اور دلربا بیویوں کا حسن و جمال چھوڑ کر آنحضور ﷺ کی فوج میں آملا، اس وقت مسلمانوں کی فوج تبوک پہنچ چکی تھی۔

وادی القریٰ کے پرپیچ راستے سے گزر کر ایک سے زیادہ نخلستانوں کے سرسبز و شاداب وسیع میدان میں پہنچنے کے بعد بہت سے گاؤں اور قلعے نظر آئے جو بنجر زمین پر آباد تھے۔ فوج خوفناک صحرا کے کنارے پر پہنچ چکی تھی جس کے اردگرد ملک ثمود کے دیہات حجر یا مدائن صالح آباد تھے۔ اس علاقے کو دیکھ کر جس کے لوگ نہایت غیر مہمان نواز تھے مسلمانوں کے دلوں کو تکلیف پہنچی۔ یہ وہ ملک تھا جس پر آباد قوم ثمود پر کبھی اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ اس سرزمین پر جلے ہوئے مردہ جسموں کی راکھ اور جلی ہوئی ہڈیوں کے کوئلے کے نشانات نظر آتے تھے۔ ایک بے حد بھیانک منظر تھا کہ مسلمانوں کی آنکھوں کے سامنے تھا اور ہر دیدہ عبرت نگاہ کو متوجہ کر رہا تھا۔

ملک ثمود

زمانہ قدیم میں ملک ثمود کے عیاش مے نوش اور زناکار بت پرست اپنے سات دیہاتوں کی خوشحالی اور بڑے بڑے گھروں پر بڑے نازاں تھے یہ گھر چٹانوں کو کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ انہوں نے بڑی حقارت کے ساتھ حضرت صالح کا استقبال کیا تھا جنہیں ان کے درمیان پیغمبر کے طور پر مبعوث کیا گیا تھا۔ اپنی قوم پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ آپ کا مشن سچا تھا حضرت صالح نے اپنے پروردگار سے التجا کی کہ انہیں کوئی معجزہ عطا کرے۔ اس پر ایک چٹان دو ٹکڑوں میں بٹ گئی جس سے اس قدر شور پیدا ہوا جسے سمندر کی طوفانی لہروں سے تشبیہ دی جاسکتی ہے اور اس کے بعد ایک قوی ہیکل اونٹنی پھٹنے والی چٹان میں سے نکلی اس کے جسم پر بال تھے اور اسے حاملہ ہوئے دس ماہ گزر چکے تھے۔ اس اونٹنی نے بچہ دیا جس کا دودھ پہلے ہی چھڑایا جا چکا تھا اور اسکی شکل اپنی ماں سے بہت ملتی جلتی تھی۔

گنہگاروں کو راہ راست پر لانے کے لئے تقریباً ہمیشہ ہی معجزات بے اثر ثابت ہوئے ہیں۔ اہل ثمود پر اس کا اثر یہ ہوا کہ انہوں نے کجروی اور گمراہی کا راستہ دوبارہ اختیار کر لیا تھا۔ یوں یہ انوبہ بھی بیکار ثابت ہوا۔ ان لوگوں نے ایک تنگ گھاٹی کے دو نشیبی کناروں کو اوزاروں کے ذریعے تراشا اور اس راستہ سے ہر صبح یہ اونٹنی میدان میں چرنے کے لئے نکل جاتی تھی۔ شام کو یہ اونٹنی بچے سمیت واپس آجاتی تھی۔ ایک روز واپسی پر یہ اس راستے سے آرہی تھی کہ نوکیلے پتھروں سے اس کی کونچیں بری طرح زخمی ہو گئیں۔ بے چاری اونٹنی کانپ رہی تھی اور درد سے بلبلا بھی رہی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ آج بھی کبھی کبھی اس علاقے میں اس کے بلبلانے کی آواز گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے۔

اونٹنی گر کر باہر نکلنے والے راستے پر مر گئی جسے "الحویرہ" یعنی اونٹنی کا بچہ کہا جاتا ہے اس کی وجہ تسمیہ یہ تھی کہ چٹان اونٹنی کے بچے کی شکل کی تھی۔

حضرت صالحؑ نے جب اپنی قوم کی طرف سے اس قسم کی کافرانہ حرکات دیکھیں تو انہیں احساس ہوا کہ ان کی ساری کوشش رائیگاں گئی تھی۔ آپ نے اہل ثمود کے لئے اللہ کا عذاب مانگا اور جلد ہی ان لوگوں کو سزا مل گئی تھی۔ قرآن پاک میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

"اور وہ پہاڑوں سے بے خوف وخطر گھر تراشتے تھے" (۱۵: ۸۲)

"تو انہوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی پس انہیں بجلی کی کڑک نے آ پکڑا" (۵۱: ۴۴)

"پس ان میں کھڑا ہونے کی سکت نہ رہی اور وہ ہم سے بدلہ لینے والے نہ تھے" (۵۱: ۴۵)

" بے شک ہم نے ان پر ایک ہی چنگھاڑ بھیجی سو وہ ہو گئے باڑ لگانے والے کی سوکھی روندی ہوئی باڑ کی طرح" (۵۴: ۳۲)

جب سے اس سرزمین پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور یہاں آباد قوم کو نیست و نابود کر دیا گیا اس وقت سے آج تک ملک ثمود ویران پڑا ہے۔ ان بدکردار لوگوں کے گھر بچ گئے تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ ان کے گھروں کے سامنے والے حصے جن میں کھلے دروازے ان خوبصورت آنکھوں کی پلکوں کی مانند نظر آتے ہیں جن میں وہ بھیانک مناظر اب بھی نقش ہوں جو ان آنکھوں نے دیکھے تھے دیواروں کے روزن لگتا ہے خوف سے کھلے ہوئے منہ ہوں اور ان لوگوں کو بلا رہے ہوں جن میں اتنا حوصلہ ہے کہ اس سرزمین پر قدم رکھ سکیں ان کی زبان سے یہ آواز سنائی دیتی ہے: "ہماری مثال کو سامنے رکھ کر ان فانی انسانوں کے غرور و تکبر کی تعریف کرو اور اندازہ لگاؤ کہ ان تباہ و برباد ہو جانے والے لوگوں کے دعوے کس قدر کھوکھلے اور جھوٹے تھے۔ یہ گھر اور ان کے در و دیوار یہاں آنے والے لوگوں سے پوچھتے ہیں "ہمارے مکینوں نے جو بڑے شہ زور تھے چٹانوں کا سینہ چیر کر ہمیں بنایا تھا پھر ہمیں پتلے خوبصورت ستونوں سے سجایا اور خوبصورت مجسمے کمروں کی سجاوٹ کے لئے رکھے تھے۔ وہ سب کیا ہوا' کہاں گئی وہ ہماری ساری سجاوٹ؟ ہمارے مکین ہماری آغوش میں پناہ گزین تھے' جو لوہے سے زیادہ مضبوط تھی مگر کیا خیال ہے آپ کا کیا وہ لوگ یہ سوچنے میں غلطی کے مرتکب ہو رہے تھے کہ وہ مکمل حفاظت میں تھے؟

کس قدر دیوانے تھے وہ لوگ: وہ اپنی کوتاہ دستی کے باوجود ہماری دیواروں سے چمٹے رہنے کی

ناکام کوشش کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عذاب الٰہی نے انہیں آلیا اور وہ ہمیشہ کے لئے صفحہ ء ہستی سے مٹ گئے۔ ہم بھی اپنی بنیادوں پر یوں لرزیدہ ہوئے جس طرح کسی بیمار زدہ جسم میں دانت بجنے لگتے ہیں اور آواز دور تک جاتی ہے ہم کیوں کر بچ گئے؟ ہم اس لئے محفوظ کر دیئے گئے تاکہ یہاں آنے والے انسانوں کے لئے درس عبرت بن سکیں۔"

جب مسلمانوں کی فوج پتھروں سے تراشے ہوئے ان گھروں کے قریب پہنچی جو ریت کے سمندر سے چٹانوں کی مانند باہر کی جانب نکلے ہوئے تھے اور جن کے اندر کے تاریک حصے قوم ثمود کے قیام کی یاد تازہ کر رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے اپنی چادر کے ایک پلو سے چہرہ چھپا لیا تاکہ کفر والحاد کی نشانیاں نہ دیکھ سکیں۔ ان کھنڈرات سے جو بو آ رہی تھی اس سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے منہ اور ناک ڈھانپ لئے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی اونٹنی کو تیز تیز چلنے کے لئے ہانکا تاکہ جتنی جلد ممکن ہو سکے وہاں سے نکل جائیں۔

اس خدشے کے پیش نظر کہ مسلمان سپاہی کسی تجسس کے باعث بھٹک نہ جائیں آنحضور ﷺ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا: "جب تم لوگ ان بے دین انسانوں کی رہائش گاہوں میں داخل ہوتے تو ان کی بد قسمتی پر آنکھوں میں اشک لئے داخل ہونا۔" آپ جانتے تھے کہ اس طرح کے واقعات یاد کر کے جب آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگتے ہیں تو تجسس پر اللہ کا خوف غالب آجاتا ہے ان پراسرار گھروں کو دیکھ کر جو کسی مافوق الفطرت مخلوق یا بد روحوں کے نظر آتے تھے اور اس سکوت کو دیکھتے ہوئے جو وہاں طاری تھا جہاں کبھی ہنگامہ خیز زندگی کی ہماہمی تھی۔ لوگ غرور و تکبر سے عیاشانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اور انہیں اپنی طاقت پر بڑا ناز تھا' مسلمانوں کے ذہن میں اپنے ہادی و رہنما محمد ﷺ کا تصور ابھرا اور ان کھنڈرات کے بارے میں سارا تجسس غائب ہو چکا تھا۔

پیاس کی شدت نے بھی اب مسلمان سپاہیوں کو یہاں سے نکل کر آگے جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ لوگ جب قوم ثمود کے اس کنویں پر پہنچے جس پر یہ اپنی اس اونٹنی کو پانی پلایا کرتے تھے جو معجزے کے طور پر پیدا کی گئی تھی تو ان کی صفوں میں نظم و ضبط قائم نہ رہ سکا ہر کوئی پیاس بجھانے کے لئے سبقت لے جانا چاہتا تھا۔ آنحضور ﷺ جو انہیں نہ روک سکے تھے اپنی اونٹنی کو تیز دوڑاتے ہوئے ان تک پہنچے اور سختی کے ساتھ یہ حکم صادر فرمایا: "خبردار: یہ پانی مت پینا نہ اس سے وضو کرنا' نہ کھانا پکانے کے لئے استعمال میں لانا۔ جس کسی نے جلدی میں یہ پانی پی لیا ہو تو اسے چاہیے کہ فوراً قے کے ذریعے پانی باہر نکال لے گھاس کو زمین پر بچھانے کے لئے اگر کسی نے تر کیا ہو تو اسے اونٹوں کے سامنے پھینک دیں۔ جن سپاہیوں نے اس پانی کو کھانا تیار کرنے کے لئے غذائی اشیاء میں

ملا لیا ہو تو وہ ان غذائی اشیاء کو چھوئے بغیر پھینک دیں!" پھر حضور ﷺ نے فوج کو پیش قدمی جاری رکھنے کا حکم دے دیا تھا آپ نے یہ خیال بھی نہ کیا کہ فوج کے سپاہی پیاسے ہیں یا تھکے ہوئے ہیں اور انہیں یہاں پڑاؤ ڈال کر ستا لینے کی ضرورت ہے انہیں ہر طرح کی تحریص سے بچانے کا یہی ایک طریقہ تھا۔

آنحضور ﷺ نے ابھی تک چادر کے پلو سے چہرہ مبارک ڈھانپ رکھا تھا۔ سپاہیوں نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پیغمبر خدا ﷺ کے پیچھے پیچھے قدم بڑھانے شروع کر دیئے تھے۔ انہیں کوئی شکوہ و شکایت نہ تھی نہ کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نکلا وہ جلد ہی تنگ اور پراسرار درے "مبر کون ناقہ" پر پہنچ گئے تھے اس درے کی چٹانیں دونوں جانب ایک سو سے ڈیڑھ سو ہاتھ کی بلندی تک پھیلی ہوئی تھیں۔ سیاہ چٹانوں کا سلسلہ نہایت بدشگونی پر مشتمل تاثر پیدا کر رہا تھا۔ مسلمانوں کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ چکرا دینے والی بلند و بالا دیواروں تلے دبے جا رہے ہوں۔ سب سے زیادہ ڈر انہیں یہ تھا کہ کہیں انہیں معجزاتی طور پر پیدا کی جانے والی اونٹنی کے بلبلانے کی آواز کی گونج نہ سنائی دینے لگ جائے۔ انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسا ہو گیا تو ان جانوروں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا جن پر مجاہدین سوار تھے۔ ایسی صورت حال پیدا ہو جانے پر اونٹوں نے اپنے سواروں' سامان خورونوش اور اسلحہ کو زمین پر گرا کر بھاگ جانا تھا۔ یوں یہ سوار صحرا میں بے یارومددگار رہ جانے تھے اور پیدل چلنے کے سوا ان کے لئے کوئی اور چارہ نہ رہ جانا تھا۔

ذرا سی آواز بھی بلند و بالا چٹانوں میں اس قدر گونجتی تھی کہ مسلمان حیران و پریشان ہو کر کانپنے لگتے تھے۔ مسلمان مکمل خاموشی اختیار کئے آگے بڑھتے جا رہے تھے اور انہیں اگر خیال تھا تو صرف اس بات کا کہ اپنے اونٹوں کی رفتار کس طرح تیز سے تیز تر کی جائے۔ بالآخر یہ مبالغہ آمیز سفر ختم ہوا' سپاہیوں کی پریشانی دور ہوئی تو انہوں نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ سامنے کھلا میدان تھا جس میں خیمے نصب کئے جا سکتے تھے اور پڑاؤ کے لئے اس جگہ کا انتخاب کر لیا گیا تھا۔

جب خیمے نصب ہو چکے تو آنحضور ﷺ نے اپنی فوج کو باخبر کیا کہ رات سخت طوفان کی آمد متوقع ہے اور پھر انہیں ہدایت فرمائی کہ

"وہ لوگ جو اونٹوں کی نگرانی پر مامور ہیں انہیں چاہیے کہ جانوروں کو مضبوطی کے ساتھ باندھیں اور کوئی بھی شخص اپنے دوسرے ساتھی کو خیمے میں چھوڑے بغیر باہر نہ جائے"۔

مسلمانوں کو ابھی بمشکل اتنا وقت ملا تھا کہ اپنے جانوروں کے بارے میں تسلی کر لیتے کہ پیغمبر خدا ﷺ کی پیشگوئی درست ثابت ہونے لگی تھی۔ غروب آفتاب کے بعد ہر طرف ایک دھندلی سی چادر تن گئی تھی۔ جس میں بے حد خوبصورت ارغوانی رنگ کا امتزاج نظر آتا تھا۔ بے نور و اداس

اداس سی فضا کسی غیر معمولی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

اچانک افق سے ایک خاکستری پردہ اٹھا۔ غروب آفتاب کے بعد نظر آنے والی ہلکی ہلکی سی روشنی تاریکی میں چھپ گئی تھی جو ایک طرح سے اعلان تھا رات کی آمد آمد کا۔ اب اس قدر اندھیرا چھا گیا تھا کہ ہر شخص نے یہ سمجھا جیسے اس کی آنکھیں بے نور ہو گئی ہوں۔

ایک عجیب و غریب گرجدار آواز سنائی دی جو صحرا کی گہرائیوں سے نکل کر نا قابل یقین تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی۔ جلد ہی کان پھاڑ دینے والی یہ آواز سانپوں کی پھنکار کی سی آواز میں بدل گئی تھی۔ اور اس میں ابلیسی شور و غل شامل ہو گیا تھا۔ اسی لمحے خیموں کو ریت کے کسی تیز دھارے والے طوفان نے آن لیا تھا۔ ہر وہ شے جو مضبوطی سے بندھی ہوئی نہ تھی گردش میں آچکی تھی اور پھٹنے لگی تھی۔ گھٹاٹوپ اندھیرے کی جگہ زرد دھندلے پن نے لے لی تھی مگر آنکھوں کو کچھ بھائی نہ دیتا تھا۔ مسلمانوں نے اپنے آپ کو اونٹوں کے پیچھے چھپا رکھا تھا۔ ان کی پیٹھیں طوفان کی طرف تھیں اور وہ خوف و ہراس سے کانپ رہے تھے انہوں نے منہ' بازو اور ٹانگیں ڈھانپ رکھی تھیں تاکہ اپنے جسم کو ریت کے تیز ذرات سے محفوظ رکھ سکیں جو بدن پر اس طرح لگتے تھے جیسے گوشت میں ہزاروں بھڑوں کے ڈنک چبھ رہے ہوں۔ سپاہی اوندھے منہ زمین پر لیٹ گئے تھے' ناخن زمین میں گاڑھ لئے تھے اور کوشش کر رہے تھے کہ اون کے گالوں کی مانند اڑ جانے سے بچ سکیں۔

اس گھڑی مسلمانوں میں اس قدر خوف و ہراس پھیل چکا تھا کہ دو سپاہی آنحضور ﷺ کی ہدایات تک بھول گئے تھے۔ ان میں سے ایک کسی حاجت کے پیش نظر خیمے سے نکلا مگر اچانک زمین پر گر گیا اور اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ دوسرا ساتھی اپنے اونٹ کی طرف دیوانہ وار لپکا تھا کہ اونٹ رسی تڑا گیا تھا۔ بھاگتے ہوئے اونٹ کو اس طوفان میں پکڑنا ضروری تھا۔ وہ ایک کنکر کی مانند ہوا کے تھپیڑوں کے رحم و کرم پر تھا جس نے اسے بہت جلد دور پھینک دیا تھا۔ وہ جبل طے کی چوٹی پر گرد میں اٹا پڑا تھا جب اس کے بارے میں بتایا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمہیں منع نہیں کیا تھا کہ اپنے دوسرے ساتھی کو خیمے میں چھوڑے بغیر باہر مت جانا؟''

آنحضور ﷺ نے رب رحیم و کریم سے اس سپاہی کے لئے دعا کی اور وہ ہوش میں آگیا۔ اسے نئی زندگی عطا ہوئی تھی۔ جہاں تک کوہ طے کی چوٹی پر پڑے ہوئے سپاہی کا معاملہ تھا جب مسلمان فوج اپنی مہم سے واپس لوٹی تو جبل طے نے وہ سپاہی بھی زندہ و سلامت واپس کر دیا تھا۔

مسلمان فوج کے خلاف یہ طوفان اپنے غیض و غضب کا مظاہرہ کر چکا تو دوسرے مقام پر تباہی مچانے کے لئے چلا گیا۔ یوں مسلمان مزید تباہی و بربادی سے بچ گئے تھے۔ لیکن یہاں تک پہنچتے پہنچتے مسلمان فوج تھک چکی تھی اور اس رات بجائے نئی توانائی حاصل کرنے کے یہ کوئی مزید تھک

چکے تھے باد سموم نے ان کے جسموں کی آخری تازگی بھی خشک کر دی تھی۔ان کا خون اس قدر گاڑھا ہو گیا تھا کہ رگوں میں گردش کرنے میں مشکل محسوس ہو رہی تھی۔کپنٹیوں سے ناقابل برداشت آوازیں نکل رہی تھیں۔

مسلمان فوج کو اگلے کنویں پر پہنچنے سے قبل لمبا سفر طے کرنا تھا' وہ فکر مند تھے کہ ان کا کیا بنے گا؟ اردگرد کا منظر بھی کچھ ایسا حوصلہ افزانہ تھا۔انہیں خیال گزرا کہ وہ ایک ایسی تباہ شدہ دنیا کے کھنڈرات میں سے گزر رہے ہیں جسے آگ نے جلا کر نیست و نابود کر دیا ہو۔افق پر ایک سیاہ لکیر ابھری۔کہیں کہیں کوئلے' دھوئیں اور راکھ کے آثار تھے۔تو کہیں پگھلے ہوئے لوہے کے دوبارہ جم کر ٹھوس ہو جانے پر بلبلوں کے پیدا ہونے سے چھوٹے چھوٹے سراخ کھلے رہ گئے تھے۔ان کے کنارے لکڑی کو ئلہ کے کجلائے ہوئے حصوں کی مانند تھے اور ٹوٹے ہوئے شیشے کی طرح تیز دھار بھی۔

آگ کے شعلے تو بجھ چکے تھے جبکہ جہاں جہاں سے یہ شعلے گزرے تھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں آگ اب بھی بھڑک رہی ہو۔دونوں جانب چٹانیں اصل جنگلات کی شکل میں استادہ تھیں۔ان کی شکل اور رنگت درختوں کے تنوں سے ملتی جلتی تھی۔وہ جزوی طور پر دھات کے سفوف کی شکل کے تھے اور کہیں چمکدار اور بہت روشن نظر آتے تھے۔کچھ کی شکل اس قدر بگڑ گئی تھی کہ مسلمانوں کی نظر میں وہ جہنم سے بھاگے ہوئے شیطانوں سے ملتی جلتی تھی۔ انہیں یہاں کھڑا کر دیا گیا تھا تاکہ وہ اللہ کے سپاہیوں کی گزرگاہ پر اپنے عذاب پر بھی جشن مسرت منا سکیں۔

زمین پر بڑی پھسلن تھی اور سیاہ پتھر کسی آتش فشاں کے پھٹنے سے وجود میں آنے کا پتہ دے رہے تھے۔کہیں کہیں آنکھوں کو چندھیا دینے والی سفید ریت نے زمین کو ڈھانپ رکھا تھا۔ہر پتھر کے نیچے سے اور پر پیچ چٹانی راستے کی ہر جانب سفید جلی ہوئی چنگاریاں اس منظر کو منعکس کر رہی تھیں۔گہرے نیلگوں آسمان کی پنہائیوں میں بھی ایک منڈلاتا ہوا گدھ اور ایک آوارہ بادل کا ٹکڑا اورنجی رنگ لئے ہوئے تھے۔یوں محسوس ہوتا تھا گویا وہ کسی بھٹی میں روشن الاؤ کی چمک منعکس کر رہے ہوں۔اس سارے فریب نظر کی تکمیل کے لئے ریت کے اونچے اونچے ستون تمام کھنڈرات پر لٹک رہے تھے بالکل اسی طرح جیسے نیم بجھی آگ میں سے دھوئیں کے ستون نکل رہے ہوں۔

مسلمانوں کی وہ آنکھیں جو ریت کے طوفان سے شعلہ بار تھیں۔اور ریت کے ٹیلوں پر پیدا ہونے والے عمل انعطاف سے سرخ ہو گئی تھیں۔جلتی چنگاریوں کا اثر ان کی پتلیوں کے اندر بھی پیدا ہو رہا تھا۔سخت گرم زمین پر چلتے وقت نوکیلے کنکروں سے ان کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے اور وہ درد سے تلملا اٹھے تھے۔انکے لعاب دہن میں غیر محسوس مٹی کے ذرات شامل ہو گئے تھے۔جس کی وجہ

سے تھوک نگلنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان کی کھال کو جیسے کسی نے ڈھول کے باہر نکلے ہوئے حصے پر کس دیا ہو اور جو ہلکی سی جنبش پر بج اٹھتا ہو۔ کھال جگہ جگہ سے پھٹ گئی تھی۔ اور ہونٹ چر کر بات کرنے کے قابل نہ رہے تھے۔

پیاس کے مارے کچھ سپاہی ایک عجیب سی دیوانگی کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ یقینی موت کی علامت تھی۔ انہیں واپس زندوں میں لانے کے لئے ان کے ساتھیوں کے پاس ایک ہی راستہ تھا کہ پیاس سے جاں بہ لب سپاہیوں کے اونٹ کو ذبح کر کے اس کے پیٹ سے نکلنے والا سیال مادہ پلایا جائے اور مرتے ہوئے سپاہی کے پیاس سے خشک ہو کر پھٹے ہوئے سینے کو نمدار تلچھٹ سے پلستر کر دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ نے اپنے ساتھیوں کی ساری مشکلات اور تکالیف برداشت کیں لیکن کسی لمحے بھی پیغمبر خدا ﷺ کا اعتماد متزلزل نہ ہوا۔ اس لئے کہ حضور ﷺ جانتے تھے کہ اگر اللہ کبھی اپنے بندوں کو امتحان میں ڈالتا ہے تو انہیں وہ تنہا کبھی نہیں چھوڑ دیتا چنانچہ محمد ﷺ اس کے رحم و کرم کو مانگنے سے کبھی نہیں رکے۔

کیا پریشانیوں کے اس دن کا اختتام کبھی نہ ہو گا؟ یوں لگتا تھا جیسے سورج کو آسمان کے ساتھ نظر نہ آنے والی رسیوں سے باندھ دیا گیا ہے لیکن آخر کار سورج نے بھی زمین کی طرف آنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ گزشتہ شام کی مانند کرہ آفتاب نے نقاب اوڑھ لیا تھا۔ افق پر اس کی یاقوتی رنگ کی طشتری کو ایک سیاہ بادل نے ہڑپ کر لیا تھا۔ جو اس کی گھات میں تھا اور اوج کمال کی طرف تیزی کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے خیموں کو آبنوسی چھت سے ڈھانپ لیا تھا۔ اس چھت کے ساتھ تانبے کے رنگ کا کلسی مواد لٹک رہا تھا۔ اس چھت کے کناروں کے ساتھ جگمگ جگمگ کرتی روشنیاں ٹکرا رہی تھیں جس سے یوں نظر آتا تھا جیسے یہ ہزاروں ٹکڑوں میں بٹ گیا ہو۔ ان کے درمیان سے بارش کے پانی کے بڑے بڑے قطرے ٹپک رہے تھے۔ پھر ان میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ موسلا دھار بارش برسنے لگی تھی۔ مسلمان سپاہی جو پیاس سے مرے جا رہے تھے باران رحمت کو دیکھ کر ایک ایسی خوشی و اطمینان محسوس کر رہے تھے۔ جس کا اظہار الفاظ میں شاید ممکن نہ ہو۔ پانی ان کے لباس میں سے گزر کر جسموں کو تر بتر کر رہا تھا۔ گرمی سے جھلسے ہوئے جسموں میں تازگی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ بارشی پانی کے چھوٹے چھوٹے تالابوں کی طرف دوڑے اور نشیبی مقامات پر پانی کے وہ جھرنے دیکھے جن کا پانی ایک جگہ آکر جمع ہو رہا تھا۔

مسلمانوں کو نئی توانائی ملی اور ان کی چھاگلیں پانی سے بھر گئیں۔ اب پڑاؤ پڑاؤ کرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے گئے اور بالآخر اس مقہور سرزمین سے بحفاظت نکل آئے۔

آنحضور ﷺ کی تبوک میں آمد اور قیام۔

ایک وسیع میدان ریت کے ذروں سے جگمگا رہا تھا جس میں نیلگوں طاؤسی رنگ کی دھاری تھی۔ آنحضور ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کی نظر اس پر پڑی۔ یہی مہین سی لکیر ان کی ساری جدوجہد کی منزل تھی۔ جلد ہی اس میں شگاف پڑ گئے تھے۔ اور بالآخر ہلکے نیلگوں چھتر پر کھجور کے درختوں کے وہ جھنڈ ابھرے جن سے یہ بنا ہوا تھا۔

یہ تبوک کے نخلستان تھے: ان کی خوشی ومسرت کو زبان وبیان میں لانا ممکن ہی نہ تھا جو پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے بعد اس پناہ گاہ تک پہنچے تھے۔ اس نخلستان میں کھجور کے درخت تھے مسلمانوں نے پہلے خوب سیر ہو کر پانی پیا پھر وضو کیا۔

پھر ان کی نظر تالاب پر لہریں پیدا کرتے ہوئے صاف وشفاف پانی پر پڑی۔ ان کے اطمینان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب وہ کھجور کے درختوں کے ہلکے سے سائے تلے لیٹ گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کے سپاہیوں نے اپنی مہم کا مشکل ترین حصہ سر کر لیا تھا۔ فطرت نے ان کے راستے میں جو رکاوٹیں کھڑی کی تھیں۔ وہ انہیں عبور کر آئے تھے اور اس کے بعد کفار کے ہتھیاروں سے کھڑی کی گئیں رکاوٹیں انہیں انتہائی حقیر دکھائی دیتی تھیں۔ مزید براں صحرا میں جس تیزی کے ساتھ خبریں پھیلتی ہیں مسلمان اسے بھی اپنے لئے ایک اضافی مدد سمجھ رہے تھے۔ تبوک میں مسلمان افواج کی آمد کی اطلاع عیسائیوں اور شامی عربوں کے کانوں تک پہنچ گئی تھی۔ جنہوں نے مومنین سے جنگ کے لئے الحاق کر لیا تھا۔

اللہ کے دشمنوں پر ایک مدہوشی سی طاری تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر پیغمبر خدا ﷺ نے سال کے اس موسم میں جنگ لڑی تو سرزمین حجاز کے اس ویرانے میں دور دور تک مسلمان سپاہیوں کی ہڈیاں بکھری نظر آئیں گی۔

چنانچہ دشمن نے اپنی نفری زیادہ ہونے کے باوجود یہ فیصلہ کیا کہ ان چالیس ہزار مسلمانوں کے خلاف محاذ آرائی محض پاگل پن ہوگا جنہوں نے حال ہی میں حیرت انگیز معرکے دکھائے تھے۔ ایسی صورت حال میں مسلمانوں سے پنجہ آزمائی تباہی وبربادی کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ دشمن کی فوج میں ایسی پھوٹ پڑی کہ ہر ملک کی فوج اپنے وطن کی طرف بھاگ کھڑی ہوئی اور آنحضور ﷺ کی فوج سے ٹکر لینے کی جرأت نہ ہوئی۔ اتحادیوں کی اس پسپائی میں دشمن کے سپاہی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے فرار ہو رہے تھے مسلمانوں کی اس فتح ونصرت نے اسلام کی دھاک بٹھا دی تھی۔ اگر محمد ﷺ اپنے مشن کی تکمیل کے لئے حجاز تک محدود نہ ہو گئے ہوتے تو کسی بھی بڑی سلطنت پر تلوار نکالے بغیر قبضہ کر لینا آپ ﷺ کے لئے کوئی مشکل نہ تھا۔

جیسا کہ تبوک میں اس بات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ عرب سرداروں نے تیزی کے ساتھ آنحضور ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ نہ صرف قرب وجوار سے بلکہ دور دراز کے علاقوں سے بھی ان عرب سرداروں کی آمد جاری تھی۔ ان میں سنائی اور شام کے سردار خاص طور پر قابل ذکر تھے۔ صرف دومتہ الجندل کا مغرور شہزادہ اطاعت سے انکار کر رہا تھا۔ یہ قصبہ نجد کے مضافات میں بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ آنحضور ﷺ نے حضرت خالدؓ کو اس کی طرف روانہ کیا جن کی دھاک دور دراز تک پھیلی ہوئی تھی۔ وہ اسے ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ کر چکے تھے اور اس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

چند ہفتوں کے لئے اپنی فوج کو آرام کر لینے کی مہلت دیتے وقت محمد ﷺ نے اس دوران اپنی مملکت کا انتظام وانصرام جاری رکھا اور دائرہ اسلام میں نئے داخل ہونے والوں کی تعلیمات کا خاص خیال رکھا۔

اس ساری کامیابی میں ایک سانحہ ایسا تھا جو آنحضور ﷺ کو مغموم بنا گیا تھا۔ یہ حضور ﷺ کے ایک نہایت جاں نثار ساتھی کی موت تھی جو "ذوالنجدین" کے نام سے مشہور تھے ایک ایسا مجاہد جو بیک وقت اپنے کندھے سے دو بیلٹیں لٹکائے رکھتا تھا سب پر یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ آنحضرت ﷺ اس پکے اور سچے مومن کو کس عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے آپ نے اصرار فرمایا کہ اس ساتھی کو لحد میں اتارتے وقت آپ ﷺ گورکنوں کی مدد کریں گے۔ ابن مسعود نے جب دیکھا کہ اس دنیا سے رخصت ہونے والے اس ساتھی کو کس قدر عزت واحترام مل رہا ہے تو اس نے رشک کے ساتھ کہا: "کاش اس قبر میں مجھے دفن کیا جاتا:"

آنحضور ﷺ کی مدینہ کو واپسی

مدینہ طیبہ کی جانب سفر کا آغاز کسی قابل ذکر واقعہ کے بغیر ہو چکا تھا۔ موسم گرما کے شدید گرمی والے مہینے گزر چکے تھے۔ فوجی سپاہیوں کے لئے اب پیاس کی شدت کا کوئی مسئلہ درپیش نہ تھا اور ماہ رمضان کے ابتدائی ایام میں مسلمان سپاہی دوبارہ مدینے میں داخل ہو چکے تھے۔

اس لمحے جب مسلمانوں کی مدینہ واپسی کو خراج تحسین مل رہا تھا اس وقت فریبی اور دھوکہ باز منافقین کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ شرمندگی وندامت چھپانے کے لئے کہاں جائیں۔ اپنی کمینگی کو کم کرنے کے لئے انہوں نے بڑے معقول بہانے تراشنے شروع کر دیئے تھے۔ آنحضور ﷺ نے اپنی ناراضگی کا اظہار کر کے انہیں اہمیت دینا ضروری نہ سمجھا۔ آپ ﷺ تو تین انصار کو شرمندہ کرنا چاہتے تھے۔ جنہیں اپنے فرائض میں کوتاہی برتنے پر دوہرے چہرے رکھنے والے جتھے نے اکسایا تھا۔ ان شرمسار انسانوں کے نادم ہونے کے باوجود رسول ﷺ نے انہیں سخت سزا دی۔ ان پر

قدغن لگادی گئی تھی اور مومنین کو ان سے میل جول رکھنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ یہ خطاکار اس طرح بالکل تنہا ہو گئے تھے اور مسلمان ان سے یوں دور بھاگتے جیسے یہ طاعون کا شکار ہو گئے ہوں۔ اللہ کو ان کے نادم اور پشیمان ہونے پر رحم آ گیا اور انہیں معاف فرما دیا تھا۔ اس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے:

> ''اور ان تینوں کو بھی اس نے معاف کیا جن کے معاملے کو ملتوی کر دیا گیا تھا۔ جب زمین اپنی ساری وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی اپنی جانیں بھی ان پر بار ہونے لگیں۔ اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ سے بچنے کے لئے کوئی جائے پناہ خود اللہ ہی کے دامن رحمت کے سوا نہیں ہے تو اللہ اپنی مہربانی سے ان کی طرف پلٹا تاکہ وہ اس کی طرف پلٹ آئیں یقیناً وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔ (۹: ۱۱۸)

غزوۂ تبوک آخری مہم تھی جو آنحضور ﷺ کی سرکردگی میں طے ہوئی تھی۔ ملک عرب کی فتح کو حتمی شکل دینے کے لئے اب پیغمبر خدا ﷺ نے کئی ''سرایا'' یا مہمات پر اپنے آزمودہ کار سپہ سالاروں کو بھیجا جو کامیاب و کامران لوٹے لیکن ان سب کا ذکر یہاں طوالت کے خوف سے نہیں کیا جارہا۔ آپ ﷺ اب مدینہ طیبہ میں مقیم تھے اور اسلامی فتوحات کے نتیجے میں کئی حکمران اطاعت قبول کرنے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو رہے تھے ان میں دومتہ الجندل یمن' عمان' بحیرا' یمامہ' طائف' نجران' وغیرہ کے والیان شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنی ساری توانائیاں عربوں پر حکومت کرنے میں صرف کر رہے تھے یہ ایک بے حد مشکل کام تھا۔ پہلی بار یہ لوگ دین کی بنیاد پر بھائی بھائی بن کر ایک ملت کی لڑی میں پروئے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے بطور قانون دان بھی ان ہی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا جن کا آپ بطور سپہ سالار اظہار کئی بار کر چکے تھے۔

اب ''منافقین'' کا مشہور سردار عبداللہ ابن سلول مر چکا تھا۔ مرنے سے قبل اسے ندامت و پشیمانی محسوس ہوئی تو اس نے محمد ﷺ سے معافی کی درخواست کی۔ باوجود حضرت عمرؓ کے سخت اعتراضات کے آنحضرت ﷺ نے اس غدار دشمن کا جنازہ پڑھا اور اسے اپنے ہاتھوں کے ساتھ دفنایا۔ اس رحم و کرم اور عفو و درگزر کے ثبوت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک ''منافق'' بھی نہیں رہ گیا تھا۔ کعب ابن زہیر جو عمر بھر آنحضور ﷺ کی ہجو کے ذریعے زہر اگلتا رہا تھا وہ بھی اسلام لے آیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں لکھا گیا قصیدہ پڑھ کر سنایا تھا۔ کعب نے اب اکتالیسویں نظم لکھی:

''اللہ کا پیغمبر ﷺ ایک شعلہ انگیز تلوار ہے جو فانی انسانوں کو تہ تیغ کر دیتی ہے۔ یہ ساختہ انڈیا تلوار ہے جسے اللہ نے بے نیام کیا ہے۔ تو محمد ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اسے معاف فرما دیا بلکہ اپنی ردا اس

شاعر کے کندھوں پر ڈالتے ہوئے اسے بطور تحفہ عنایت کر دی۔

جب پیغمبر خدا ﷺ کے سپہ سالار فاتحین کے طور پر واپس لوٹے تو آنحضور ﷺ نے نومسلم قبائل کی طرف اپنے علماء روانہ کئے تاکہ وہ اپنے ماضی کے توہم کو دین میں شامل کر کے اسلام سے پھر نہ جائیں۔

ان علماء میں سے ایک معاذ ابن جبلؓ تھے جو یمن روانہ ہونے والے تھے، یہ بتانے کے لئے کہ ان مشزیوں کو آپ کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ آنحضور ﷺ نے معاذؓ کے سر پر ایک پگڑی باندھی' اونٹ پر سوار ہونے میں مدد دی اور کچھ دور تک اس جانور کے ساتھ ساتھ چلتے گئے اور آخری ہدایات دیتے گئے۔ معاذؓ اس صورت حال میں گھبرا گئے اور اونٹ سے اترنا چاہتے تھے۔ کہ محمد ﷺ نے انہیں منع فرمادیا۔ حکم ہوا: "ہودج میں بیٹھے رہو اے میرے مخلص اور قابل اعتماد دوست! میں عرش سے ملنے والے احکام کی پیروی کرتا ہوں اور اپنے دل کو مطمئن کر لیتا ہوں۔ یہ ضروری ہے کہ جس فرد کے ذمہ اہم فرائض کی ادائیگی ہو اس کو عزت واحترام ملے۔ کاش مجھے یہ یقین ہو تا کہ ہم پھر بھی ملیں گے تو میں اس گفتگو کو مختصر کر دیتا۔ مگر لگتا ہے میں آخری بار تم سے مخاطب ہوں۔" آنحضور ﷺ اور حضرت معاذ ابن جبلؓ دونوں بے حد جذباتی ہو گئے تھے اور پھر دونوں جدا ہو گئے پھر اس دنیا میں کبھی نہ مل سکنے کے لئے۔

ذیقعد کے مہینے میں حج مکہ کی مذہبی اور سیاسی اہمیت سے پوری طرح آگاہ ہوتے ہوئے آنحضرت نے تین سو مسلمانوں کو حضرت ابو بکرؓ کی سرکردگی میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ کیا۔ ابو بکر صدیقؓ بمشکل ذوالحلیفہ پہنچے تھے کہ "سورۃ برأت" نازل ہوئی۔

"اے مومنو: اس کے سوا نہیں کہ مشرک پلید ہیں۔ لہٰذا وہ قریب نہ جائیں اس سال کے بعد مسجد حرام (خانہ کعبہ) کے۔ (۹: ۲۸)

یہ سورۃ قرآن پاک کی وہ واحد سورۃ ہے جس کا آغاز قرآن کی دیگر سورتوں کی طرح اس طرح کی تمہید کے ساتھ نہیں ہوا: "اللہ کے پاک نام سے 'جو بڑا رحیم و کریم ہے" جہاں تک حج کا تعلق ہے۔ یہ سورۃ بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ اس کے ذریعے ان تمام لوگوں کو جو مسلمان نہیں حرم کعبہ میں داخل ہونے سے منع فرمادیا گیا اور آج بھی یہ ممانعت بڑی سختی کے ساتھ قائم ہے یوں حجاج کو دشمن جاسوسوں سے محفوظ کر کے غیر ملکیوں کے نامناسب تجسس سے بھی بچالیا گیا ہے۔

عربوں کی بت پرستی پر یہ آخری ضرب لگائی گئی تھی' وہ اب مکہ اس وقت تک نہیں آسکتے تھے جب تک اپنے بتوں سے لاتعلقی اختیار نہ کر لیتے۔ آخر میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو حکم دیا

کہ وہ جلدی سے حجاج کے قافلے میں دوبارہ شامل ہو جائیں اور ان مومنین کے سامنے جو ایک جگہ جمع ہوں گے یہ حکم آمیز سورۃ تلاوت فرمائیں اور ایسا اس وقت کیا جائے جب وادی منیٰ میں حجاج قربانی کے جانور ذبح کر چکیں۔

حجتہ الوداع (ذوالحجہ ۶۸۲ء بمطابق ۱۰ھ)

آنحضور ﷺ نے فیصلہ کیا کہ آئندہ سال وہ حجاج کا قافلہ لے کر خود مکہ جائیں۔ ہجرت مدینہ سے لے کر اب تک آپ ﷺ نے صرف عمرۃ القضاء ادا کیا تھا ایک بار اس زمانے میں مکہ تشریف لائے تھے جب یہ شہر اسلام میں حرم کعبہ کی اہمیت کے ساتھ شامل نہ تھا اب حضور ﷺ حج اکبر کرنے کا فیصلہ کر چکے تھے جس میں بیت اللہ شریف کا طواف کوہ عرفات پر حاضری (اسے یہ نام اس لئے دیا گیا تھا کیونکہ انسانوں کے جد امجد حضرت آدمؑ اور اماں حواؑ جنت سے نکالے جانے کے بعد یہیں ایک دوسرے سے ملے تھے) ضروری تھی۔ یہ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے۔

محمد ﷺ آخری مرتبہ اپنا آبائی شہر دیکھنے کی خواہش بھی رکھتے تھے اس لئے کہ آپکو یہ معلوم تھا کہ آپ ﷺ اس جہانِ رنگ و بو سے رخصت ہو کر اپنے مالک و خالق حقیقی سے ملنے والے ہیں۔ آپ ﷺ کے علم میں تھا کہ آپ ﷺ کے جسم میں زہر کے اثرات رہ جانے کے نشان موجود تھے۔ آنحضور ﷺ نے اپنے ارادے کا اعلان فرمایا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو دیکھنے اور آپ ﷺ کے ہمراہ حج بیت اللہ سے مشرف یاب ہونے کے لئے پورے عرب کے مسلمانوں میں ایک جوش و جذبے کی لہر دوڑ گئی تھی۔ چنانچہ مدینہ سے ساتھ چلنے والے اور راستے میں ساتھ آکر شامل ہونے والے مسلمانوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب ہو گئی تھی۔ جو حجتہ الوداع کے موقعہ پر آنحضور ﷺ کے ساتھ تھے۔

ذوالحلیفہ کے مقام پر تمام مومنین آنحضور ﷺ کی تقلید میں حالت "احرام" میں ہو گئے تھے۔ جس کی تفصیل حدیبیہ والے باب میں دی گئی ہے۔ احرام میں سفید ان سلی دو چادریں جنہیں کوئی رنگ نہیں کیا جاتا ہر حاجی اوڑھ لیتا ہے۔ ایک چادر کو کمر کے گرد لپیٹتے ہیں اور دوسری کاندھے پر یوں ڈال لی جاتی ہے کہ سینہ ڈھانپ لے سر بازو اور ٹانگیں ان چادروں سے باہر رہتے ہیں' انہیں ڈھانپا نہیں جاتا۔ پھر پیغمبر خدا ﷺ نے تلبیہ پڑھی اور حجاج نے بیک زبان اسے دہرایا:

"خداوندا: ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں۔ دل و جان سے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ سب تعریفیں تیرے لئے ہیں۔ عطائے نعمت تیرے ہی کرم پر منحصر ہے اور تیرے ہی حضور شکر واجب ہے اے خدائے وحدہ لاشریک! : ہم تیرے حضور حاضر ہیں۔"

اس سفر کے دوران دو اہم واقعات پیش آئے جو ہمارے لئے قابل توجہ ہیں اس لئے کہ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ایک حاجی پر لازم ہے کہ حج بیت اللہ پر روانگی کے بعد ہر طرح کی بے صبری اور غصے کے جذبات پر قابو رکھے۔ آنحضور ﷺ کی ازواج مطہرات میں سے حضرت صفیہؓ کا اونٹ سست رفتار تھا پھر اس پر سامان بھی زیادہ لدا ہوا تھا۔ اس لئے یہ جانور قافلے سے پیچھے رہ جاتا تھا۔ ساربان کی کوشش کے باوجود اونٹ قافلے کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ اس کے مقابلے میں حضرت عائشہؓ کا اونٹ تیز رفتار تھا اس پر وزن بھی کم لدا ہوا تھا۔ محمد ﷺ نے یہ حقیقت بیان کرنے کے بعد حکم فرمایا کہ دونوں جانوروں کا بوجھ تبدیل کر دیا جائے۔ اس بات سے حضرت عائشہ ناخوش ہوئیں۔ وہ غصہ پر قابو نہ پا سکیں اور چلا کر کہا: آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ "آپ اللہ کے نبی ہیں؟ پھر آپ ﷺ کے کام مبنی بر انصاف کیوں نہیں ہوتے؟"

یہ الفاظ سنتے ہی حضرت عائشہؓ کے والد محترم حضرت ابو بکرؓ نے بیٹی کے منہ پر تھپڑ مارا اور محمد ﷺ نے ان کے اس فعل پر نکتہ چینی فرمائی تو ابو بکر صدیقؓ نے کہا "آپ ﷺ نے سنا نہیں اس نے کیا کہا ہے؟" ہاں: میں نے سن لیا ہے مگر اسے معاف کر دیا جانا چاہیے عورت کے ذہن میں حسد جلد جگہ بنا لیتا ہے اور جب حسد کا اس پر غلبہ ہو جائے تو پھر اسے نظر نہیں آتا کہ ہوا کا رخ کس طرف ہے:"

عرج کے مقام پر پڑاؤ ڈالا گیا تو معلوم ہوا کہ آنحضور ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے سامان سے لدا ہوا اونٹ غائب ہے۔ عائشہؓ کے والد محترم نے اس کا ذمہ دار ساربان کو ٹھہرایا آپ نے کہا: "یہ کیوں کر ہوا؟ صرف ایک اونٹ کی نگرانی تمہارے ذمہ تھی تم وہ بھی نہ کر سکے اور اونٹ کہیں قافلے سے بچھڑ کر بھٹک گیا۔" سخت غصے کی حالت میں حضرت ابو بکرؓ نے اس ساربان کو چابک سے خوب مارا۔ آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر فرمایا: "اس حاجی کے فعل کی تعریف کرو جو حالت احرام میں ہے! ابو بکرؓ آؤ صبر سے کام لو اور یقین مانو کہ تمہارے غلام کی نیت یہ نہ تھی کہ کہ تمہارا اونٹ کھو جائے۔" رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات مکمل کرتے ہوئے ابو بکرؓ سے فرمایا۔

قافلے نے وہی راستہ اختیار کیا جس پر زائرین سفر کیا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ دن کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے اپنی اونٹنی کو بیت اللہ میں باب نجات میں داخل ہونے والی جگہ پر جا کر رکنے کا اشارہ فرمایا۔ خانہ کعبہ پر نظر پڑتے ہی رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی:

" اے میرے پروردگار: اس معبد کی عظمت میں اضافہ فرما اور یہاں آنے والے زائرین کی تعداد میں اضافہ فرمادے:"

تین بار وضو کرنے کے بعد آنحضور ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا' اس وقت آپ ﷺ کی

آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ پھر آپ نے طواف کعبہ کے سات چکر پورے کئے اور اسی طرح "سعی" بھی کی جس طرح حج کے علاوہ یہاں آنے پر کرتے تھے۔

ماہ ذوالحجہ کی نویں کو پیغمبر خدا ﷺ وادی منیٰ تشریف لے گئے جہاں آپ نے اونی ریشے سے تیار کیا ہوا خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا۔ یہاں آپ ﷺ نے نماز عصر ادا کی۔ پھر نماز مغرب اور نماز عشاء بھی یہیں ادا کی گئیں۔ دوسرے روز بعد از نماز فجر آپ ﷺ ایک بار پھر اپنی اونٹنی "قصواء" پر سوار ہوئے تاکہ کوہ عرفات پر پہنچ سکیں۔

پہاڑ کی ڈھلوان پر اور میدان میں ان گنت حجاج جمع تھے۔ آس پاس کی گھاٹیوں میں بھی حد نظر تک حجاج دکھائی دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹنی پر بیٹھے بیٹھے خطبہ دیا۔ آپ ﷺ کے قریب ہی نیچے ربیعہؓ ابن امیہؓ کھڑے تھے' آپ آنحضور ﷺ کے خطبے کے الفاظ دہراتے جاتے تھے تاکہ آواز دور دور تک پہنچ سکے۔ آنحضور ﷺ کے ہر جملے کے بعد تھوڑے سے توقف کے بعد وہ اس جملے کو دہرا دیتے تھے۔

تکبیرات کے ذریعے اللہ کی عظمت بیان ہو چکی تو آنحضور ﷺ نے مسلمانوں کو نصیحت فرمائی: "میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہیں۔ تمہیں چاہئے کہ اپنی بیویوں سے نرمی کے ساتھ پیش آؤ۔ یہ کبھی مت بھولو کہ تم پر ان کے حقوق کے ساتھ ساتھ کچھ فرائض بھی عائد ہوتے ہیں آج سے ہر قسم کا سود ختم کیا جاتا ہے راس المال کے سوا: ایام جاہلیہ کے مقتولین کا قصاص اور دیت دونوں کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں۔ اے لوگو! حرمت والے مہینوں کا غیر حرمت والے مہینوں سے ادل بدل کر لینا کفر ہے۔ کافر چار مہینوں میں ایک مہینہ آئندہ سال میں شامل کر لیتے ہیں اور آنے والے سال میں اسے بدستور شامل رکھتے ہیں۔ یہ بھی اللہ کی طرف سے حرام کردہ امور کو حلال کر لینا اور حلال امور کو حرام کر لینا ہے۔ یہ بات خلاف دین تھی جسے آج سے منسوخ کیا جاتا ہے۔"

پھر آنحضور ﷺ نے اپنے خطبے کو یوں آخری شکل دی: "اے مومنین: تم پر ایک دوسرے کی جان و مال تا قیامت حرام ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے آج کے دن اور اس مہینہ ذوالحجہ میں ایک دوسرے کی بے حرمتی کی اجازت نہیں۔ اے مومنین میں جو کچھ کہوں اسے غور سے سنو: شاید آئندہ سال اور اس کے بعد میری تم لوگوں سے اس جگہ کبھی ملاقات نہ ہو سکے اور سب سے بڑھ کر یہ یاد رکھو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس رشتہ کی وجہ سے کسی مسلمان کو دوسرے مسلمان کی کسی شے پر اس کی اجازت کے بغیر تصرف کا حق حاصل نہیں ورنہ یہ ایک دوسرے پر ظلم ہو گا۔ اے میرے اللہ کیا تو سن رہا ہے کہ میں نے اپنا یہ فرض بھی ادا کر دیا؟" اس پر

ہر طرف سے آوازیں آئیں : "اے اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا فرض ادا کردیا ہے" محمد ﷺ نے بلند آواز میں فرمایا : "اے اللہ کیا تو ان کی گواہی سن رہا ہے ؟"

عرفات کی چوٹی کے قریب ایک اور مقام پر جسے "الصخرہ" کہتے تھے اور جہاں پتھر کی بڑی بڑی سلیں راستے میں بچھی ہوئی تھیں آنحضور ﷺ پر اچانک وحی نازل ہوئی۔ اس وقت پیغمبر خدا ﷺ اپنی ناقہ قصواء پر سوار تھے۔ اونٹنی نے یوں محسوس کیا جیسے اچانک کسی ناقابل برداشت بوجھ سے اس کی کمر ٹوٹنے والی ہے۔ اونٹنی اپنے گھٹنوں پر جھک گئی۔ خدائے بزرگ و برتر اپنے رسول سے یوں مخاطب تھا :

"آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا" (۵ : ۳)

مسلمانوں کے ساتھ وحی کے نزول کے ساتھ ہی آنحضور ﷺ کا سلسلہ کلام مکمل ہو گیا تھا۔ مومنین پر اس کا بے حد اثر ہوا۔ ایک نہایت پاکیزہ جوش و جذبے سے ہر شخص سرشار نظر آتا تھا۔

تاہم حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں کی اس اجتماعی خوشی و مسرت سے دور تھے۔ ان پر افسردگی طاری تھی اور آنسو تھے کہ رو کے نہ رکتے تھے۔ یہ جان کر کہ ان کے داماد کا مشن تکمیل پا چکا ہے' ابو بکرؓ کو اب اس بات کا ڈر تھا کہ پیغمبر خدا ﷺ جلد اس دنیا سے چلے جائیں گے۔

رات کے گہرے بنفشی رنگوں نے وادی کو چھپا لیا تھا اور کوہ عرفات کے نشیبی حصوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے۔ آنحضور ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار پہاڑ کی چوٹی پر تھے اور حجاج کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر سامنے تھا۔ غروب آفتاب کی آخری سنہری کرنیں ابھی تک اس اونٹنی پر پڑ رہی تھیں۔ آپ ﷺ کی نظریں ایمان کی بے خودی سے مافوق الفطرت روشنی منعکس کر رہی تھیں۔ چہرہ مبارک پر علالت کے آثار تھے یوں لگتا تھا جیسے کوئی روحانی پیکر مرجھا جانے کو ہو۔ شام کے سایوں نے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ کر آنحضور ﷺ کی ناقہ کو زیر نقاب کر لیا تھا۔

جو کچھ حضرت ابو بکرؓ نے محسوس کیا تھا اب وہی کچھ رسول اللہ ﷺ کے باقی ساتھی محسوس کر رہے تھے سب پر یکساں افسردگی چھا گئی تھی حالانکہ کچھ دیر پہلے یہی لوگ خوشیاں منا رہے تھے کہ اللہ نے ان کا دین مکمل کر دیا ہے۔ رفتہ رفتہ ان کے جذبات مومنین کے اس پورے اجتماع میں پھیل گئے تھے۔ ایک لاکھ مسلمانوں کے دل گہرے رنج والم سے لبریز تھے۔

آنحضور ﷺ نے حج بیت اللہ سے واپسی کا اشارہ دے دیا تھا لیکن اتنے بڑے اجتماع میں ا‍ کانی حادثات سے بچنے کے لئے آپ ﷺ نے اپنی ناقہ قصواء کی لگام کھینچ کر رکھی آپ اونٹنی کی لگام بار بار کھینچ کر اس کا سر یہاں تک موڑ دیتے تھے کہ اونٹنی کے نتھنے اس کی پسلیوں سے جا لگیں۔ آپ

ساتھ ساتھ سب کو ہدایت بھی کرتے جاتے تھے : "لوگو! آرام و سکون سے واپس جاؤ :"
پیغمبر خدا ﷺ نے مزدلفہ پہنچ کر عشاء کی نماز ادا کی ۔ دوسرے روز نماز فجر کے بعد آپ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے آگے آگے بلالؓ تھے اور اسامہؓ نے جو آپ ﷺ کے پیچھے سوار تھے چادر تان کر حضور ﷺ پر دھوپ سے بچنے کے لئے سایہ کیا ہوا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے جمرہ پر رمی فرمائی اور اس کے بعد اپنے خیمے میں منیٰ کے مقام پر آرام کے لئے تشریف لے گئے ایسا آپ ﷺ نے حضرت ابراہیم کی یاد تازہ کرنے کے لئے کیا جن کو شیطان نے تین بار اس جگہ روکنے کی کوشش کی تھی اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں تاکہ ابلیس کو دور بھگا سکیں۔
رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد اس ۶۳ سالہ زندگی کے شکرانے کے طور پر جو خالق حقیقی نے آپ کو عطا کی تھی ۶۳ غلاموں کو آزاد فرمایا اور اپنے ہاتھوں سے ۶۳ اونٹوں کی قربانی دی۔ حضرت علیؓ نے آنحضرت ﷺ کی راہنمائی میں ان قربانی کے اونٹوں کا گوشت اور کھالیں حاجیوں میں تقسیم کیں۔ پھر آنحضور ﷺ نے معمر ابن عبداللہ سے اپنا سر منڈوایا جس نے بائیں کنپٹی سے شروع کر کے دائیں کنپٹی پر آکر پورا سر مونڈ دیا تھا۔
آخری بار طواف کعبہ کے چکر مکمل کئے آب زم زم پیا تھوڑا سا آب زم زم ایک جگ میں ڈالا جو آپکے چچا سیدنا عباسؓ نے پیش کیا تھا۔ جو چاہ زم زم کے مہتمم تھے۔ پھر پیغمبر خدا ﷺ مدینہ جانے والی سڑک پر ہو لئے تھے۔
یہ تھا "حجتہ الوداع" جس میں مومنین کو اس حقیقت سے باخبر کر دیا گیا تھا۔ کہ محمد ﷺ کا مشن مکمل ہو گیا ہے اس موقعہ پر مسلمانوں کے جذبات دیدنی تھے۔ یہ حج رہتی دنیا تک ہر سال ایک مثال بن گیا تھا جس کی تقلید مستقبل کے ان مسلمانوں کے لئے لازمی قرار دے دی گئی تھی جو ہر سال اس سعادت سے بہرہ یاب ہونے والے تھے آج بھی ہر سال حج کے دنوں میں لاکھوں مسلمان دنیا بھر سے حجاز مقدس آتے ہیں۔ حج کے دوران ہر مومن کا چہرہ نور ایمانی سے منور ہوتا ہے کوئی کتنا ہی شک پرست کیوں نہ ہو جذبہ ایمان اسے متاثر کئے بغیر نہیں رہتا یہ منظر دیکھنے والوں کی اکثریت کے دلوں میں بہت جلد ہمدردی اور بھائی چارہ کے جذبات جنم لے لیتے ہیں اور ان میں ایمان کی پختگی آجانے میں دیر نہیں لگتی۔ مکہ مکرمہ میں بیشک دوسرے مذہبی مراکز کی مانند' کچھ استثنٰی کے ساتھ حاجیوں کا بڑی بے رحمی کے ساتھ استحصال کیا جاتا ہے لیکن کم از کم اس شہر میں تاجروں کو معاف کر دیا جانا چاہیے۔ اس لئے کہ وہ تمام صحراؤں کی نسبت یہاں نہایت غیر مہمانداری کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں ہے۔
جو شے کسی مسلمان کے حج کو دوسرے کے لئے مختلف بناتی ہے وہ ان لاتعداد کلیساؤں کی کمی

ہے جن کی تنگ محرابیں انسانوں کو مقید رکھتی ہیں اور وہ جب اپنے خالق کی جانب پرواز کرنا چاہیں تو ان کے راستے کی رکاوٹ بن جاتی ہیں اور انہیں واپس زمین پر روک لینا پادریوں کے اختیار میں ہوتا ہے یہاں کوئی طلسماتی قوتیں نہیں ہوتیں مثلاً چھوٹے مجسمے یا حیرت انگیز مورتیاں جن پر منت پوری ہونے پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ نہ ہی ولیوں اور اوتاروں کا جمگھٹا ہوتا ہے ان کی پرستش لافانی خدا کی طرح کی جاتی ہے جو عام طور پر ان موقعوں پر نہیں کی جاتی۔ یہاں مختلف قسم کے چغوں میں ملبوس پادری بھی نہیں ہوتے جو ایک دوسرے سے سخت حسد کرتے ہیں۔ جو اپنے گروہ یا فرقے کی تعریف پر آپس میں لڑنے لگیں۔

خانہ کعبہ میں نمازیں ایک چوگوشہ صحن میں ادا کی جاتی ہیں جو کعبہ کے گرداگرد واقع ہے گنبد افلاک خانہ کعبہ کی چھت بن جاتی ہے اللہ کا گھر ہر طرح کی دھند سے پاک وصاف ان تمام مسلمانوں کے لئے اپنے در وا کئے رکھتا ہے جو نیکی اور بھلائی کی تلاش میں یہاں آتے ہیں۔

مکہ میں اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوتی وہ وحدہ لاشریک ہی معبود حقیقی ہے زائرین ابراہیم علیہ السلام اور محمد ﷺ کی یاد تازہ کرتے ہیں اور آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر چل کر دینی جوش وجذبے کو تقویت دیتے ہیں۔ یہ اپنے پیغمبروں کی پرستش اس طرح نہیں کرتے جس طرح عیسائی اپنے پیغمبروں اور بزرگ ہستیوں کی پرستش کرتے ہیں مسلمان تو صرف خدائے واحد کی عبادت کرتے ہیں۔

خانہ کعبہ کی چاردیواری کے دروازے دن رات کھلے رہتے ہیں۔ مکہ پہنچتے ہی ہر حاجی فوراً حرم کعبہ میں پہنچنے کے لئے تڑپ جاتا ہے سیاہ چادر میں لپٹا ہوا خانہ کعبہ نظر آتے ہی اسے سفر کی تمام صعوبتیں بھول جاتی ہیں۔ صحرا کے مشکل سفر میں جن طوفانوں سے گزر کر وہ آیا تھا وہ بھول گئے اور ایک ایسی بے خودی اور سرمستی کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ جی چاہتا ہے روح اسی وقت قفس عنصری سے پرواز کر جائے۔ اپنے اعمال پر شرمندگی و ندامت سے سخت دل حاجی کی ہچکی بندھ جاتی ہے۔ وہ حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھتا ہے اور اپنے رب سے یوں مخاطب ہوتا ہے ”اے میرے اللہ! مجھے میرے گناہوں کی معافی دے دے۔ مجھے میرے گناہوں کے بوجھ سے آزاد فرما دے، میری توبہ قبول فرما، میرے دل کی ساری آلائشیں دھو ڈال اسے پاک وصاف کر دے۔ اے میرے پروردگار! تو بڑا رحیم و کریم ہے تیرا کوئی ثانی نہیں۔!“

جب مؤذن نماز کے لئے بلاتا ہے تو حرم کعبہ کے چوگوشہ صحن میں مومنین کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے صفوں میں مزید نمازیوں کے لئے سجدے کی جگہ باقی نہیں رہ جاتی ہر حاجی امام کعبہ کی تقلید میں ”تکبیرات“ کہتا جاتا ہے۔ تمام مسلمانوں پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے جو

انہیں سر جھکا دینے پر آمادہ کر دیتی ہے بالکل اسی طرح جیسے سمندر میں لہریں اٹھ رہی ہوں۔

ایک ایک "تکبیر" پر یوں لگتا ہے جیسے حاجیوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل رہی ہو ہر پیشانی زمین کو چھو لیتی ہے جبکہ ہر فرد کا جسم شرمساری اور ندامت احسانمندی اور بندگی کے تین گنا بھاری بوجھ سے دبا جاتا ہے۔ بیشمار کرنوں کی مانند جو خانہ کعبہ کی سمت جا رہی ہوں اور جن سے حرم کعبہ کی بلندی میں سَر بسجود حاجیوں کی روحانی بلندی کی وجہ سے مزید اضافہ ہو رہا ہو۔ ان کے اوپر سیاہ ریشمی پردہ لہرا رہا ہوتا ہے جو پراسرار ہوا کے جھونکوں سے اڑ رہا ہو اور جسے بہت سے لوگ فرشتوں کے پھڑ پھڑاتے پروں سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کوہ عرفات پر جمع مسلمانوں کے اجتماع کی شان و شوکت نمایاں ہوتی ہے۔

ایک غیر آباد وادی میں تکونی شکل کا کوہ عرفات کھڑا ہے اس کے ڈھلوان پر کوئی سبزہ نظر نہیں آتا صرف بڑے بڑے گھسے ہوئے پتھر دکھائی دیتے ہیں اس کے دونوں پہلوؤں میں انسانی زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے نہ ہی قرب و جوار میں کوئی آبادی ہے۔ چاروں طرف ویران و غیر آباد علاقہ ہے اور موت کی سی خاموشی کی حکمرانی ہے لیکن ہر سال ۹ ذوالحجہ کو ایک ماتمی منظر یوم حشر کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔

زمین ریت اور چٹانیں نظروں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ اب تو صرف انسان نظر آتے تھے۔ جنہوں نے دو سفید چادروں پر مشتمل "احرام" باندھ رکھے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے سفید کفن پہنے مردے دوبارہ زندہ ہو گئے ہوں۔ اپنی اپنی قبروں پر سے پتھر ہٹا کر ان مردوں نے کفنوں سمیت اپنے آپ کو آزاد کر لیا تھا۔ قیامت کے روز بھی ایسا ہی منظر ہو گا جب ہر رنگ و نسل اور ہر علاقے کے لوگ ایک جگہ جمع ہوں گے۔ یہ اجتماع وہاں تھا جہاں تھوڑی دیر پہلے کوئی انسان نظر نہ آتا تھا۔ اس جم غفیر میں یہ عرب ہیں اپنی عقابی آنکھوں والے ان کی رنگت کانسی رنگ کی سرخی مائل ہے' یہ عثمانی ہیں جو اپنے مضبوط جسموں' سخت طبیعتوں اور مخصوص نقوش سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ ہندوستانی ہیں ہلکے زردی مائل سبز رنگ والے' خاص قسم کے چہروں والے یہ بربر ہیں خوبصورت بالوں گلابی رخساروں اور نیلی آنکھوں والے یہ صومالی اور سوڈانی ہیں جن کی سیاہ جلد جو سورج کی تمازت سے کالی ہو گئی ہو دھوپ میں چمک رہی ہے اور یہ رہے خوش ذوق ایرانی' یہ بہادر ترکمان ہیں' وہ زرد رنگت والے چینی ہیں جن کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی ہیں۔ یہ جاپانی ہیں ابھرے ہوئے گالوں کی ہڈیوں والے وغیرہ وغیرہ۔ دنیا بھر میں کہیں اور اتنی مختلف زبانیں بولنے والے اور اتنے مختلف چہروں والے انسان نہیں ملتے۔

نماز عصر کے بعد خطیب یا مبلغ جو اپنی اونٹنی پر سوار تھا بڑی شان و شوکت کے ساتھ کوہ

عرفات کی چوٹی پر نمودار ہوتا ہے جہاں وہ خطبہ دیتا ہے جس کے درمیان "تلبیہ" کی آواز آتی ہے۔
"لبیک :الھم لبیک :(خداوندا: ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں دل وجان سے :)
ہر "تلبیہ" پر حجاج اپنے سفید احرام کے کنارے اپنے سروں پر لہراتے ہیں۔ جس سے یوں لگتا ہے جیسے پورا پہاڑان پروں کے نیچے پھڑ پھڑانے لگا ہو جو مائل بہ پرواز ہوں۔ اس دوران وادی کے ہر حصے سے ایک طویل چیخ بلند ہوتی ہے۔ جس کی بازگشت صحرا میں دور دور تک سنائی دیتی ہو "لبیک الھم لبیک :" کی آواز بیک وقت دو لاکھ حجاج کی زبان سے نکلتی ہے جو اپنی روزمرہ بھول کر اپنی زبان کو نظر انداز کر کے ہم زبان بن گئے ہوں عربوں کی زبان جسے خالق کائنات نے اپنی آخری کتاب کے لئے منتخب کیا اب وہی ان کی زبان بن جاتی ہے۔

اس مبارک گھڑی زبان سے اور دل کی زبان سے بھی یہاں جمع تمام انسان پیار، محبت سے ایک دوسرے کے بھائی بھائی بن جانے کے دعویدار ہیں۔ یہ لوگ تمام نسلی امتیازات بھول چکے ہیں۔ چھوٹے بڑے امیر غریب ذات پات کے امتیازات اور سیاسی مذہبی جھگڑے بھلا چکے ہیں۔ کوہ عرفات پر ایک بار پھر اسلام کو مکمل اتحاد و یگانگت ملتی ہے اور وہی زمانہ قدیم کا جوش و جذبہ نظر آتا ہے۔ کس قدر باعث اطمینان و تسلی ہے یہ بات! دین متین کو ماضی میں جو زخم لگے تھے انکے لئے اس سے زیادہ بہتر مرہم اور کیا ہو سکتا تھا۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا: "تمام مسلمان ایک جسد واحد کی مانند ہیں جسم کے کسی ایک عضو میں درد ہو تو پورا جسم تڑپ اٹھتا ہے۔ اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے۔"

کوہ عرفات پر اسلام کو دشمن جاسوسوں سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ اپنے نقصانات کی تلافی کرلے گا اور اپنا مستقبل درخشاں کرلے گا باوجود کئی حوادث کے اسلام آج پہلے کی نسبت زیادہ زندہ مذہب ہے : آج کے اس ناقابل فراموش اور یادگار دن سے یہی تاثر ملتا ہے کہ ہمارا جو ساتھی بھی اپنے وطن واپس جائے گا وہ اپنے ساتھ یہ تاثر اور "حاجی" کا خطاب لے کر جائے گا۔ وہ خطاب جسے ہر کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھتا ہو جس کے معنی ہیں وہ شخص جو مقامات مقدسہ حج کی ادائیگی کے لئے جا چکا ہو۔

آپ ﷺ فرمادیں (دنیا میں) چلو پھرو۔ پھر دیکھو اس نے کیسے
پیدائش کی ابتداء کی۔ (۲۹ : ۲۰)

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُم مَّيِّتُونَ

بے شک تم مرنے (انتقال کرنے) والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں (۳۹ : ۳۰)

باب ۹

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی علالت اور وصال (۶۳۲ء بمطابق ربیع الاول ۱۱ھ)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ابو مویہبہ بیان کرتے ہیں کہ ماہ صفر کے اختتامی ایام تھے کہ ایک شب میرے آقا نے مجھے جگاتے ہوئے فرمایا: "مجھے گورستان جنت البقیع جانا ہے تاکہ ان سب کے لئے اللہ کی رحمت طلب کر سکوں جو اپنی اپنی قبروں میں محو استراحت ہیں، تم بھی میرے ساتھ چلو:"

ابو مویہبہ نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت البقیع کی سمت چلنا شروع کر دیا تھا۔ گورستان پہنچے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب قبور سے مخاطب ہو کر فرمایا: "اے اہل قبور! تم پر اللہ کی رحمت و سلامتی ہو۔ اللہ نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے تم لوگوں کی مثال اس تاریک رات کی سی ہے جو ختم ہونے والی ہوتی ہے تو آغاز کی نسبت آخر شب اس کی تاریکی کم ہو جاتی ہے۔ عذاب تو اب ان کا مقدر ہے جو ابھی تک اس دنیا میں موجود ہیں!"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکلم ختم فرمایا تو آپ کا جسم مبارک بخار سے شل تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمشکل چل کر گھر تک پہنچے۔ شدید درد سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹیاں پھٹی جا رہی تھیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: "پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم گورستان جنت البقیع سے واپس تشریف لائے تو نصف شب کا عمل ہو گا جب آپ میرے پاس آئے۔ میرے سر میں سخت درد تھا۔ میں نے اپنے سر درد کی شکایت کی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آہ سر درد کی شکایت تو مجھے کرنی چاہیے تھی نہ کہ تمہیں" پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زوجہ محترمہ سے ازراہ مذاق فرمایا: "کیا یہ بہتر نہیں کہ تم انتقال کر جاؤ اور میں تمہارے بعد اس دنیا میں زندہ رہوں؟ میں اللہ سے تمہاری مغفرت کی دعا کروں گا اور تمہیں اپنے ہاتھوں سے کفن پہناؤں گا۔ میں تمہاری موت پر دعا کروں گا اور تمہیں خود لحد میں اتاروں گا۔" حضرت عائشہ نے جواب دیا: "مجھے یقین ہے کہ آپ جو کچھ فرما رہے ہیں آپ ایسا کرتے ہوئے مجھ پر کرم فرمائیں گے

مگر میں ڈرتی ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے دفنانے کے بعد آپ کو اطمینان صرف اور صرف اس صورت میں حاصل ہو جب آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کو میرے ہجرے میں لے آئیں۔"

بیوی کے اس تصور پر آنحضور ﷺ کے چہرہ مبارک پر تبسم لوٹ آیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے آپ اپنا درد بھول گئے تھے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا علالت سے آنحضور ﷺ کی بے چینی میں اضافہ ہوتا گیا تاہم اپنی بیماری کی تکلیف پر قابو پاتے ہوئے اللہ کے نبی ﷺ کا ذہن پہلے سے زیادہ مصروف تھا۔ آپ ﷺ اسلام کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کے دیئے گئے حسن انتظام میں بعد میں فرق آجائے گا۔

محمد ﷺ کی نگاہیں مسلسل ملک شام کی طرف لگی ہوئی تھیں اس لئے کہ یہ ملک ایک ایسا دروازہ تھا جس سے گزر کر اللہ کے سپاہیوں کو دنیا فتح کرنا تھی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے عیسائیوں کے خلاف ایک تیسری مہم کے لئے فوج کی تیاری کا فیصلہ کیا کیونکہ وہی اس ملک کے حکمران تھے۔

اس بات پر مسابقت شروع ہو گئی تھی کہ اس حملے میں فوج کا سپہ سالار کون ہو گا۔ ماضی کے کئی معرکوں میں بہت سے مجاہدین کی عسکری صلاحیتوں کی آزمائش ہو چکی تھی اس لئے اسلام کے پاس سپہ سالاروں کی کمی نہ تھی۔ ان میں سے انصار و مہاجرین دونوں کے زیادہ مشہور جرنیلوں کو اس انتخاب کا شدت سے انتظار تھا۔ ان کی نظریں رسول اللہ کی جانب اٹھی ہوئی تھیں کہ دیکھیں آپ کی نظر انتخاب کس خوش قسمت پر جا کر ٹھہرتی ہے

سب کے سب دم بخود تھے کہ حضرت اسامہؓ کو جو ابھی بمشکل بیس برس کے ہوئے تھے حضور نے اس معرکے میں بطور کماندار بھیجنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نوجوان حضرت زید ابن حارث شہید موتہ کا بیٹا تھا۔ اور محمد ﷺ کو یقین تھا کہ اپنے باپ کے قاتلوں سے لڑتے ہوئے جو اسی جگہ شہید ہوئے تھے اسامہ اپنی بہادری و شجاعت کے جوہر ضرور دکھائے گا اور اپنے دوسرے تجربہ کار مسلمان جرنیلوں کو پیچھے چھوڑ جائے گا۔

اس انتخاب پر مجاہدین میں کچھ کھسر پھسر شروع ہو گئی تھی۔ مسلمان اس کم عمر اور ناتجربہ کار سپہ سالار پر مکمل اعتماد کرنے سے ہچکچا رہے تھے۔ اس بات کی خبر رسول خدا کو ہوئی تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور یہ کہہ کر سارا جھگڑا ختم کر دیا: "تم لوگوں کو میرے اس انتخاب پر اعتراض ہے کہ میں نے اسامہؓ کو اس معرکے کے لیے کیوں چنا۔ تم لوگوں نے تو اس کے باپ زیدؓ کے انتخاب پر بھی نکتہ چینی کی تھی۔ میری بات غور سے سنو۔ میں تم لوگوں سے اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ زید کو

جس معرکے کی سپہ سالاری کے لئے میں نے منتخب کیا تھا وہ واقعی اس کے لئے موزوں ترین شخص تھا۔ میری نظروں میں وہ عزیز تر تھا اور اس کی شہادت کے بعد میں اس کے بیٹے کو ترجیح دیتا ہوں۔ جاؤ میرے حکم کی تعمیل کرو اور بھروسہ کرو۔"

یہ الفاظ تو سیدھے سادھے تھے مگر جس یقین کامل کے ساتھ ادا ہوئے اس نے مسلمانوں کے ذہنوں سے تمام خدشات نکال دیئے تھے۔ یوں لگا جیسے کسی طلسمی اثر نے سارا حسد دور کر دیا تھا بہت سے آزمودہ کار اور مشہور سپہ سالاروں اور عام سپاہیوں نے مل کر اس بات کا عہد کیا کہ وہ اس نوجوان کے احکام کی تعمیل کریں گے۔ جب مسلمان فوج "درہ الوداع" میں داخل ہوئی تو آنحضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے تھے۔ کیونکہ فوجی دستے پہاڑ کی اوٹ میں چلے گئے تھے۔ مجاہدین کو بوقت الوداع مکمل یقین تھا کہ فتح و نصرت کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں آئے گی اور اسلام ایک طوفان کی طرح کہ جس کا راستہ روکنا ممکن ہی نہ ہو دنیا کے دور افتادہ کناروں تک پہنچ جائے گا اور دنیا کو ایک نئے تہذیب و تمدن سے روشناس کرا دے گا۔ اس دوران ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آنحضور ﷺ کی علالت کی پریشان کن خبر نے اسامہ کی پیش قدمی روک دی تھی۔ وہ واپس مدینہ آ گیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کو ایک خط موصول ہوا جس کے الفاظ یہ تھے۔ "مسیلمہ پیغمبر خدا کی طرف سے محمد ﷺ پیغمبر خدا کے نام تم پر سلامتی ہو میں تمہارا شریک کار ہوں۔ آؤ ہم اپنے اختیارات کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ آدھی زمین میری ہے اور آدھی کے مالک قریش ہیں۔ لیکن قریش لالچی لوگ ہیں وہ اس منصفانہ تقسیم پر راضی نہیں ہوں گے۔" مکتوب نگار مسیلمہ والیٔ یمامہ حال ہی میں مسلمان ہوا تھا اور پھر آنحضرت ﷺ کے منصب نبوت کی پوری پوری تعریف کرنے کے بعد غرور و تکبر سے اس جھوٹے انسان نے دعویٰ کیا کہ وہ بھی پیغمبر ہے۔

جو سفراء اس جھوٹے نبی ﷺ کا خط لائے تھے ان کو محمد ﷺ نے جواب دیا: "تمہاری حیثیت سفراء کی ہے اور اسی وجہ سے تمہاری جانوں کی حفاظت ضروری ہے ورنہ اب تک میں نے تمہارے سر تنوں سے جدا کر دیئے ہوتے" اور پھر آپ نے خط کا یہ جواب ان کے حوالے کر دیا:

"محمد ﷺ اللہ کے رسول کی طرف سے مسیلمہ جھوٹے دعویدار کے نام۔ ان پر اللہ کی سلامتی ہو جو صراط مستقیم اختیار کرتے ہیں۔ یہ زمین اللہ کی ہے اور جسے وہ چاہتا ہے یہ زمین عطا کر دیتا ہے صرف وہی پھلتے پھولتے اور خوشحالی سے ہمکنار ہوتے ہیں جو خالق کائنات سے ڈرتے ہیں۔"

مسیلمہ کذاب اور اسود ایک دوسرا نبوت کا جھوٹا دعویدار اب جان گئے تھے کہ اللہ کی طرف سے منصب نبوت نہ ملے تو جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے پر کیا کیا خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ ان

دونوں کو اس جرم عظیم کی سخت سزا ملی۔

آنحضور ﷺ کی علالت میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا۔ آپ اس قدر لاغر ہو گئے تھے کہ چلنے پھرنے میں سخت تکلیف ہوتی تھی۔ آپ ﷺ اپنی زوجہ محترمہ میمونہؓ کے حرم میں تھے کہ باقی ازواج مطہرات کو وہاں بلوا بھیجا۔ آپ کی عادت تھی کہ باری باری سب بیویوں کے پاس رات بسر کرتے تھے اور اس میں کسی جانبداری سے کام نہیں لیتے تھے۔ مگر اب چونکہ چلنا پھرنا محال تھا اس لئے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ انہیں بیماری کے دوران حضرت عائشہؓ کے پاس رہنے کی اجازت دے دیں۔ سب بیویوں نے اس بات پر رضامندی کا اظہار کیا۔

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کو فضلؓ اور علیؓ سہارا دے کر حضرت میمونہؓ کے گھر سے میرے گھر لے آئے تھے۔ آپ ﷺ کے سر کے گرد ایک پٹی کس کر بندھی ہوئی تھی۔ آپ اس قدر کمزور تھے کہ میرے حجرے میں قدم رکھتے ہی آپ غش کھا گئے درد سے حضور ﷺ کی کنپٹیاں پھٹی جا رہی تھیں۔ درد میں افاقے کی توقع کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا "کسی ٹھنڈے پانی والے چشمے سے لائے گئے پانی کی چھ مشکیں میرے جسم پر انڈیلیں تاکہ میں اس قابل ہو جاؤں کہ اٹھ کر مومنین کے پاس جاؤں اور وعظ و نصیحت کر سکوں۔"

ہم نے پیغمبر خدا ﷺ کو پتھر کے ایک بڑے ٹب میں بٹھایا جو ہم حضرت حفصہؓ سے مانگ کر لائے تھے اور پھر آپ ﷺ پر اتنا پانی ڈالا کہ آپ ﷺ نے مزید پانی ڈالنے سے منع فرما دیا تھا۔ حضور ﷺ نے اشارہ کیا: "بس کافی ہے۔"

وقتی طور پر آنحضور ﷺ کی طبیعت اتنی بحال ہو گئی تھی کہ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے کے دروازے سے نکلے اور مسجد میں پہنچ گئے کیونکہ یہ دروازہ مسجد کے اندر کھلتا تھا۔ منبر پر چڑھنا مشکل تھا اس لئے یہاں بھی چچازاد بھائی علیؓ اور خباب فضلؓ نے سہارا دیا۔ اس منبر سے رسول اللہ نے مومنین سے یوں خطاب فرمایا:

"اے مومنو! اگر تم میں سے کوئی ایسا ہو جس کی پیٹھ پر میں نے کبھی مارا ہو تو یہ رہی میری پیٹھ وہ اپنا بدلہ لے سکتا ہے اگر میں نے کسی کے جذبات کبھی مجروح کئے ہوں تو وہ بھی آج مجھ سے اپنا بدلہ لے سکتا ہے کسی کی جائیداد پر میں نے زبردستی قبضہ کر لیا ہو تو میرے پاس جو کچھ موجود ہے وہ اس میں سے لے سکتا ہے۔ یاد رکھو: کسی کو اس بات کا خدشہ بالکل نہیں ہونا چاہیے کہ میں برا مناؤں گا کیونکہ برا منانا میرے مزاج کے خلاف ہے۔ منبر سے آپ ﷺ ایک بار نماز ظہر ادا کرنے کے لئے اتر آئے تو دوبارہ منبر پر جا کر جو کہا تھا اسے دہرایا۔

ایک شخص اپنی جگہ سے اٹھا اور مطالبہ کیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس کے تین درہم دینے

ہیں رسول خدا نے فوراً وہ رقم اس کے ہاتھ پر رکھ دی اور فرمایا: "اس دنیا کی شرمندگی کا برداشت کرنا آخرت کی شرمندگی وندامت کی نسبت زیادہ آسان ہے۔"

آنحضور ﷺ نے پھر شہدائے احد کو بہت یاد کیا اور اپنی بہترین دعاؤں میں ان کا ذکر فرماتے ہوئے ان کے لئے اللہ کی رحمت و مغفرت مانگی۔ اپنے کلام کو آنحضور ﷺ نے اس طرح سمیٹا:

"اللہ نے اپنے ایک محبوب بندے کو متاع دنیا اور اپنی قربت میں سے ایک چن لینے کا اختیار دیا ہے۔" یہ الفاظ سن کر اور یہ اندازہ لگا لینے کے بعد کہ آنحضور ﷺ کا اشارہ اپنی طرف ہے حضرت ابوبکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی علالت کی طرف دیکھا اور زاروقطار رونے لگے پھر فرمایا: "آہ! کیا ہم آپ کی جان کا فدیہ اپنی جانیں دے کر ادا نہیں کر سکتے؟" محمد ﷺ نے جواب دیا۔ "اے مومنین میرے کانوں تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم لوگ اس بات سے ڈرتے ہو کہ کہیں اللہ کا نبی ﷺ انتقال نہ کر جائے! میں تم سے پوچھتا ہوں کیا مجھ سے پہلے کوئی پیغمبر اپنا مشن مکمل ہونے کے بعد لافانی ہوا؟ کسی کو حیات ابدی ملی؟ اگر نہیں تو پھر میں ہمیشہ کیسے زندہ رہ سکتا ہوں؟ ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ مجھے اپنے اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے اور میری طرح تمہیں بھی اسی مالک و خالق کے پاس واپس جانا ہے۔"

حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ اس کوشش کے بعد جب آنحضور ﷺ واپس میرے حجرے میں تشریف لائے تو دوبارہ بے ہوش ہو گئے تھے۔ مؤذن کی آواز سن کر آپ اٹھے وضو کے لئے پانی مانگا جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ نماز میں امامت کے فرائض انجام دینا چاہتے تھے۔ آپ ﷺ نے تین بار غش کھایا۔

مسلمان مسجد میں رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے آنحضرت ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بھیجا کہ ابوبکرؓ کو بلائیں تاکہ آپ ﷺ کے بجائے وہ امامت کی ذمہ داری قبول کریں۔ مسجد میں جمع مومنین نے اس تبدیلی کا مطلب سمجھ لیا تھا اس لئے سب کے سب سسکیاں بھر رہے تھے۔ پیغمبر خدا پر بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی۔ ایک جمعرات کو جس وقت آپ کے تمام صحابہ کرام حضور ﷺ کی چارپائی کے گرد جمع تھے اللہ کے نبی ﷺ نے ان سے فرمایا "کاغذ قلم لے آؤ: میں تمہیں کچھ لکھ کر دیتا ہوں تاکہ اس کی موجودگی میں تم بھٹکنے سے بچ جاؤ۔" حضرت عمرؓ نے فرمایا "اللہ کے رسول اس وقت شدت درد سے تڑپ رہے ہیں۔ کیا ہمارے پاس قرآن نہیں ہے؟ اللہ کی کتاب ہمارے لئے کافی ہے۔"

آپ کے بہت سے ساتھی ایسے تھے جو آنحضور ﷺ سے کسی معاملے میں بھی بحث کبھی نہیں کرتے تھے۔ اور یہ یاد کرتے ہوئے کہ اللہ کا رسول تو امی ہے انہیں خیال گزرا کہ اس یادگار اور

عظیم لمحے ضرور کوئی معجزہ رونما ہونے والا ہے اسی لئے جو کچھ پیغمبر خدا نے مانگا تھا حضور ﷺ کے ساتھی وہ پیش کر دینا چاہتے تھے۔ حضرت عمرؓ کی رائے سے کئی دوسرے صحابہؓ کرام بھی متفق تھے۔ چنانچہ اختلاف رائے پر جھگڑا کھڑا ہو گیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے شور وغل سنا تو اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے صحابہ کو ڈانٹ دیا۔ "اللہ کے نبی ﷺ کے بستر کے سرہانے کھڑے ہو کر یوں جھگڑنا کوئی مناسب بات نہیں لگتی۔ آپ لوگ چلے جائیں!"

ناقابل برداشت درد سے افاقہ حاصل کرنے کیلئے آنحضور ﷺ پاس رکھے ہوئے ٹھنڈے پانی کے برتن میں اپنے ہاتھ ڈبو کر اپنے چہرہ مبارک کو تر کرتے تھے جیسے اسے دھو رہے ہوں پھر پیغمبر خدا کی زبان سے یہ آواز آئی: "اے میرے اللہ! اس جان کنی میں میری مدد فرما!"

آپ ﷺ کی لخت جگر حضرت فاطمہؓ کو دو مرتبہ حضور ﷺ کے پاس لایا گیا دونوں مرتبہ آنحضور ﷺ نے اپنی پیاری بیٹی کے کان میں کوئی بات کہی پہلی بار حضرت فاطمہؓ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھے۔ جبکہ دوسری مرتبہ آپکا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا تھا ہم نے حضرت فاطمہؓ کے چہرے کے ان مختلف تاثرات کا سبب پوچھا تو بتایا گیا کہ پہلی بار میرے پیارے ابا نے مجھے بتایا کہ یہ بیماری عنقریب جان لیوا ثابت ہو گی اور میں یہ سن کر آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی۔

دوسری بار رسول اللہ ﷺ نے مجھے بتایا کہ خاندان میں سے میں سب سے پہلے حضور ﷺ سے دوسری دنیا میں جا کر ملوں گی۔ یہ خوشخبری سن کر میں اپنے دل کی کیفیت کو نہ چھپا سکی اور میرے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

۱۲ ربیع الاول بروز پیر جس وقت حضرت ابو بکرؓ مسلمانوں کے ہمراہ مسجد میں نماز ادا کر رہے تھے۔ اس وقت حضرت عائشہ کے حجرے کا وہ دروازہ جو مسجد کے اندر کھلتا تھا کھلا' آنحضور ﷺ جناب علیؓ اور خباب فضلؓ کے سہارے مسجد میں داخل ہوئے آپ ﷺ کا عمامہ آپ کے سر کے گرد کس کر بندھا ہوا تھا۔ آپ ﷺ اپنے سن ہو جانے والے پاؤں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے چل رہے تھے۔ رسول اللہ کو دیکھ کر مومنین کو کچھ حوصلہ ہوا اور وہ سب کے سب جذباتی ہو گئے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ جو اس وقت امامت کرا رہے تھے وہ سمجھ گئے کہ یقیناً پیغمبر خدا ﷺ تشریف لائے ہیں آپ نے آنحضرت ﷺ کے لئے جگہ خالی کی اور خود حضور ﷺ کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کے لئے نمازیوں کی صف میں آ گئے۔ لیکن رسول اللہ نے حضرت ابو بکرؓ کو واپس امامت کے لئے چلے جانے کا اشارہ فرمایا:

"امامت کے فرائض کی انجام دہی جاری رکھو۔"

آنحضور ﷺ اب ابو بکرؓ صدیق کے دائیں طرف منبر سے نیچے تشریف فرما تھے۔ آپ

کا چہرہ مسلمانوں کو نماز ادا کرتے دیکھ کر خوشی و مسرت سے دمک اٹھا تھا۔ نماز ادا ہو چکی تو اللہ کے رسول نے آخری بار مسلمانوں سے خطاب فرمایا آپ کی آواز مسجد سے باہر بھی سنائی دے رہی تھی۔ وہ مسلمانوں کو مستقبل میں پیش آنے والی مشکلات سے آگاہ فرما رہے تھے اور تاکید فرما رہے تھے کہ قرآن کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھامے رکھیں کیونکہ نجات کا یہی ایک راستہ تھا۔ کھجور کے درخت کے تنے سے بنے ہوئے ایک ستون کے ساتھ سہارا لیتے ہوئے حضور ﷺ چند ساتھیوں سے گفتگو فرما رہے تھے۔ پھر واپس اپنے حجرے میں تشریف لے گئے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں: "اس آخری کوشش کے بعد آنحضور ﷺ شدید درد میں مبتلا تھے سیاہ چادر سے چہرہ ڈھانپ لیا تھا لیکن اس سے رسول اللہ کا دم گھٹنے لگا تو آپ ﷺ نے اسے منہ سے اتار کر پھینک دیا تھا۔

عین اس وقت عبدالرحمٰن ابن ابو بکرؓ اندر داخل ہوئے آپ کے ہاتھ میں سبز مسواک تھی جس سے وہ دانتوں میں مسواک کر رہے تھے۔ حضور ﷺ نے مسواک کی طرف اشارہ فرمایا تو میں سمجھ گئی کہ پیغمبر خدا مسواک کرنا چاہتے ہیں میں نے عبدالرحمٰن کے ہاتھ سے مسواک لے لی اسے سرے سے کاٹا اور دانتوں میں چبا کر نرم کرنے کے بعد مسواک اللہ کے رسول کو پیش کی۔ آپ نے پہلے سے کہیں زیادہ محتاط طریقے سے مسواک استعمال کی۔ مسواک استعمال فرما چکے تو یہ آپ کی کانپتی ہوئی انگلیوں سے گر گئی۔ آنحضور ﷺ نے نظریں آسماں کی طرف اٹھائیں اور تین بار یہ الفاظ دہرائے:

"اے اللہ: تو بڑا رحیم و کریم ہے:" اور میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ کا سر جو میرے کندھے اور ٹھوڑی کے درمیان ٹکا ہوا تھا میرے بازو پر آگرا تھا۔

میں سمجھ گئی تھی کہ اللہ کا نبی ﷺ اپنے سفر آخرت پر روانہ ہو چکا ہے اور حضرت عزرائیل ابھی ابھی پیغمبر خدا ﷺ کی روح لے کر گئے ہیں۔ میں نے اپنا سر تکیہ پر رکھ کر رنج و غم سے چور چیخ ماری۔

تمام ازواج مطہرات دوڑتی ہوئی اندر آئیں۔ ہم سب اپنے گھٹنوں پر جھک گئیں اور اپنے ناخنوں سے چہرے لہولہان کر لئے تھے۔

ازواج مطہرات نے چلا چلا کر کہا: "رسول اللہ ﷺ کیسے انتقال فرما گئے؟ کیا ہم سب آپ ﷺ پر ایمان نہیں رکھتی تھیں۔ کہ یوم محشر وہ ہماری شہادت دیں گے۔ آپ کی وفات نہیں ہوئی بلکہ آپ بھی حضرت عیسیٰ کی طرح عرش پر اٹھا لئے گئے ہیں۔ اور پھر دروازہ سے چلا کر کہنے لگیں: "خبردار کہیں آنحضور ﷺ کو دفن نہ کر دینا!"

حضرت عمرؓ نے بھی اس بات کی تصدیق یہ کہہ کر کی : نہیں بیشک اللہ کے رسول کا انتقال نہیں ہوا: وہ تو اپنے خالق حقیقی سے ملنے تشریف لے گئے ہیں جس طرح موسیٰ گئے تھے اور پھر چالیس یوم کے بعد واپس اپنی قوم کے لوگوں میں آگئے تھے بالکل اسی طرح محمد ﷺ ہمیں واپس مل جائیں گے۔

وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ محمد ﷺ انتقال فرما گئے وہ اسلام سے غداری کر رہے ہیں ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جانے چاہئیں۔"

اس موقعہ پر حضرت ابو بکرؓ اپنے گھر سے بلوائے گئے تھے۔ وہ سُخ سے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے پہنچے تھے۔ نہایت اضطراب کی حالت میں ابو بکر صدیق مجمع کے اندر سے راستہ بناتے ہوئے بغیر کسی سے کوئی بات کئے مسجد کے اندر پہنچے پھر مسجد سے اپنی بیٹی عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لے گئے تاکہ پیغمبر خدا ﷺ کو دیکھ سکیں۔ دھاریدار اور کپڑے کی ایک چادر سے رسول اللہ ﷺ کا جسم مبارک ڈھکا ہوا تھا۔ ابو بکرؓ نے چادر سرکائی اور آنحضور کے چہرہ مبارک کو بوسہ دیا۔ پھر روتے روتے گہرے رنج و غم سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔

حضرت ابو بکرؓ نے چلا کر کہا: "یا رسول اللہ آپ کی خاطر تو میں نے اپنے ماں باپ قربان کر دیئے ہوتے آپ کا مشن پورا ہو گیا:"

گہرے رنج و غم سے باہر نکلتے ہوئے ابو بکرؓ نے آنحضور ﷺ کا چہرہ مبارک دوبارہ چادر سے ڈھانپ دیا تھا وہ سیدھے حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے جو لوگوں سے پر جوش خطاب فرما رہے تھے۔ پھر عمر فاروقؓ سے فرمایا: "اے عمرؓ بیٹھ جاؤ: حضرت عمرؓ نے انکار کر دیا تھا۔ اس دوران مومنین حضرت عمرؓ کو چھوڑ کر ابو بکر صدیقؓ کے گرد جمع ہو گئے تھے ابو بکرؓ نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: "اے مومنو: اگر تم محمد ﷺ کی پرستش کرتے ہو تو وہ انتقال فرما گئے لیکن اگر تم ایک خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہو تو تمہیں تو معلوم ہے کہ اللہ تو زندہ ہے کیونکہ موت تو صرف انسانوں کے لئے ہے اللہ کے لئے نہیں: تم یقیناً قرآن پاک کی یہ آیات فراموش کر چکے ہو:

"اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں البتہ گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول پھر اگر وہ وفات پالیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر (الٹے پاؤں) لوٹ جاؤ گے"؟ (۳: ۱۴۴)

"بے شک تم مرنے (انتقال کرنے) والے ہو اور وہ بھی مرنے والے ہیں" (۳۹: ۳۰)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: "اللہ کی قسم! میں نے بمشکل یہ آیات ابو بکرؓ کو تلاوت فرماتے سنا

ہی تھا کہ میری ٹانگیں کانپنے لگ گئی تھیں۔ میں گرنے ہی والا تھا کہ یہ بات میری سمجھ میں آنی شروع ہو گئی تھی کہ آنحضور ﷺ واقعی انتقال فرما چکے ہیں "

حضرت ابو بکر صدیقؓ کا بطور خلیفہ اول انتخاب

آنحضور ﷺ کی تجہیز و تکفین سے زیادہ ضروری بات یہ تھی کہ اسلام کو جو خطرہ در پیش تھا اس سے بچاؤ کے بارے میں انتظامات کئے جائیں۔اس کے ہادی ورہبر کے انتقال فرما جانے سے بہت بڑا خطرہ سامنے کھڑا تھا۔ جس پیغمبر نے مذہبی برادری اور اخوت و بھائی چارہ کے ذریعے ان خاندانوں اور قبیلوں کو اکھٹا کر دیا تھا جو برسوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے چلے آرہے تھے۔وہ اب اس دنیا میں نہیں تھا اب سوال یہ تھا کہ وہ اخوت و بھائی چارہ کی فضا کیسے قائم رہ سکے گی؟ فوری طوری پر کسی کو خلیفہ نامزد کر کے رسول اللہ کے کام کو مزید آگے بڑھانے کی ضرورت تھی۔ اسی سے ملی یکجہتی کو قائم رکھا جاسکتا تھا۔اس فوری ضرورت نے قبائل میں ایک ہلچل پیدا کر دی تھی۔ انصار اور مہاجرین کے درمیان تصادم کا خطرہ بڑھ گیا تھا ہر دو کا خیال تھا کہ خلیفہ ان میں سے نامزد کیا جائے۔خوش قسمتی سے حضرت عمرؓ کے جاہ و جلال اور قوت فیصلہ نے بڑا کام کر دکھایا تھا۔انہوں نے مومنین کو یاد دلایا کہ آنحضور ﷺ نے زندگی کے آخری ایام میں حضرت ابو بکرؓ کو امامت کے لئے نامزد کیا اور ہجرت مدینہ میں ابو بکر صدیقؓ ہی آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھے۔اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور ﷺ نے بیشک حضرت ابو بکرؓ ہی کو خلیفہ چنا تھا۔

اس رائے سے سبھی مسلمان متفق تھے اور جب اگلی صبح کا سورج طلوع ہوا تو تمام مسلمانوں نے اپنے اپنے اختلافات بھلا دیئے تھے۔ وہ حضرت ابو بکرؓ کی خلافت کو قبول کرتے ہوئے اطاعت کا حلف اٹھا چکے تھے۔

پیغمبر خدا ﷺ کی تجہیز و تکفین

خلافت کا یہ اہم مسئلہ طے ہو گیا تو مسلمان آنحضور ﷺ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔وہ ایک عجیب روحانی کرب سے گزر رہے تھے۔

مروجہ رسم و رواج کے مطابق دفنانے سے قبل متوفی کے جسم کو غسل دینے سے پہلے بے لباس کر دیا جاتا تھا مومنین تذبذب میں تھے کہ آنحضور ﷺ کے جسم اطہر کو غسل دینے سے پہلے بے لباس کریں یا نہ کریں۔ پیغمبر خدا کا ادب مانع تھا اور مسلمان آنحضور ﷺ کو بے لباس کر کے غسل دینے کو بے ادبی و گستاخی تصور کرتے تھے۔ طویل بحث مباحثہ کے بعد مومنین اونگھنے لگ گئے تھے نیند کے غلبے نے انہیں آلیا تھا۔اچانک ایک آواز اس کمرے سے آئی جس میں آنحضور ﷺ کا جسد خاکی رکھا ہوا تھا۔انہیں ان کے مسئلہ کا حل مل گیا تھا۔ آواز آئی:"آنحضور ﷺ کو غسل بے

لباس کئے بغیر دیا جائے۔" بغیر مزید وقت ضائع کئے اس تجویز پر عمل کیا گیا۔ دھاریدار یمنی کپڑے کو تان کر سیدنا عباس نے کمرے میں ایک خیمہ کھڑا کر دیا تھا تاکہ مجمع کو دور رکھا جا سکے۔ قبا کے کنویں سے سات مشکیں پانی کی منگوائی گئیں اور غسل دینے کے لئے درج ذیل حضرات آگے آئے۔

علیؓ، اسامہؓ، عباسؓ اور ان کے فرزندگان اور شقران آزاد کردہ غلام، حضرت عباسؓ کی مدد ان کے بیٹے سیدنا فضلؓ اور قثم نے کی اور پیغمبر خدا ﷺ کے جسم اطہر کو غسل دیتے وقت ادھر ادھر پھیرا۔

اسامہؓ اور شقرانؓ نے جسم مبارک پر پانی ڈالا اور حضرت علیؓ نے قمیض اتارے بغیر جسم کو دھو کر پونچھا۔

جسم اطہر کو پہلا غسل سادہ پانی سے دیا گیا۔ دوسرا کنول کے پھول پانی میں ڈال کر اس سے اور تیسرا اور آخری غسل کافوری پانی سے دیا گیا تھا۔ حضرت عباس اور حضرت علیؓ نے جسم کے ہر حصے کو عطر لگایا' خاص طور پر پیشانی ناک ہاتھ گھٹنوں اور پاؤں کو۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: "یا رسول اللہ! آپ ﷺ کے جسم اطہر کی خوشبو کس قدر مسحور کن ہے۔ روح کے جسد خاکی سے پرواز کر جانے کے باوجود جسم اطہر جیسا تھا ویسا ہی رہا۔ صرف ناخن ہلکے نیلے پڑ گئے تھے۔

کفن کی چادر کے بجائے آنحضور ﷺ کے جسم کو ان کپڑوں میں دفن کیا گیا جو دم واپیں آپ نے پہن رکھے تھے۔ ایک قمیض تھی جو غسل کے بعد نچوڑ کر خشک کر لی گئی تھی۔ نجران کی بنی ہوئی دوہری چادر تھی۔ اب حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے محمد ﷺ کو دوسری چارپائی پر لٹا کر لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی تھی۔

ہجرہ پورا بھر گیا تھا اور مومنین نے کہا: "اے اللہ کے رسول آپ پر اللہ کی رحمت ہو اور سلامتی ہو وہ آپ ﷺ پر اپنا فضل و کرم کرے:" اب مسلمانوں نے "امام" کے بغیر نماز جنازہ ادا کرنے کی تیاری کی کیونکہ اصل "امام" جو اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے ابھی ان کے درمیان موجود تھے۔

ابو بکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ نمازیوں کی سب سے اگلی صف میں تھے۔ انہوں نے نماز کے بعد دعا فرمائی۔ "اے اللہ! ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو نے اپنے رسول کو جو مشن سونپا تھا اسے وہ مکمل کر گئے اے اللہ ہم میں سے ان سب پر سلامتی فرما جو ان احکامات پر خلوص نیت سے عمل کرتے ہیں جو تو نے اپنے نبی ﷺ پر وحی فرمائے اور ہمیں اس اپنے محبوب سے جلد ملا دے آمین!" سب لوگوں نے جو دل کی گہرائی سے اس دعا میں شریک تھے دوبار دہرایا "آمین: آمین"۔

مسلمانوں کے سامنے اب اگلی مشکل کھڑی تھی کہ آنحضور ﷺ کی تدفین کہاں ہو۔ کچھ مسلمان چاہتے تھے کہ قبر مبارک مسجد کے اندر بنائی جائی۔ کچھ گورستان جنت البقیع کے حق میں تھے کہ تدفین وہاں ہو جہاں رسول اللہ کے خاندان کے کچھ افراد پہلے دفن تھے۔ چند ایسے بھی تھے جن کے خیال میں تدفین آنحضرت ﷺ کے آبائی شہر مکہ میں ہونی چاہیے تھی جو رسول اللہ کی جائے پیدائش بھی تھی۔ ابو بکرؓ نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کرادیا تھا کہ میں نے محمد ﷺ کو یہ کہتے سنا تھا۔ اللہ اپنے نبی ﷺ کو اسی جگہ سے اپنے پاس واپس بلالیتا ہے جہاں اسے مدفون ہونا ہو۔

چارپائی ہٹا کر اسی جگہ قبر مبارک تیار کی گئی یہ کام مدینے کے گورکن طلحہؓ کے سپرد کیا گیا تھا۔ طلحہؓ نے قبر کے کنارے تو پکی اینٹوں سے مضبوط بنا دیئے تھے اور قبر کے اندر زمین پر وہ سرخ کمبل بچھا دیا گیا تھا جو پیغمبر خدا ﷺ سفر کے دوران اپنی اونٹنی پر ڈالتے تھے اور جس کمبل کو اب آنحضور ﷺ کے بعد کوئی اور استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے جسد خاکی کو جناب علیؓ، جناب فضلؓ قثمؓ اور شقرانؓ نے لحد میں اتارا۔

مغیرہؓ ابن شعبہ کا دعویٰ ہے کہ وہ آخری شخص تھا جسے یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی قبر مبارک پر مٹی ڈالنے سے قبل آپ کا رخ اقدس دیکھ سکے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے بڑی نرمی کے ساتھ اپنی انگلیاں قبر مبارک میں داخل کیں۔ تاکہ جب انہیں باہر نکالوں تو میں آنحضرت ﷺ کو الوداعی سلام پیش کرنے والوں میں آخری شخص ہونے کا شرف حاصل کر سکوں۔

منگل اور بدھ کی درمیانی شب نصف گزر چکی تھی کہ تجہیز و تکفین مکمل ہوئی۔ اگلی صبح جب حضرت بلالؓ نے مؤذن کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے یہ الفاظ زبان سے ادا کئے۔

"کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں" تو محمد ﷺ کا اسم مبارک زبان پر لاتے وقت وہ سسکیاں لے رہے تھے پورے شہر نے شکستہ دل کے ساتھ جواب دیا جیسے کوئی ایسی آواز گونجتی ہو جو ہر گھر سے بلند ہوئی اور گونج عرش تک گئی ہو گی۔

اس دن کے بعد ۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ (۸ جون ۶۳۲ء) کو اس غیر معمولی انسان کی یاد منائی جاتی ہے جو شاہ مرسلین تھے جن کے سامنے قیصر و کسریٰ کے شہنشاہوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ جو فنون حرب سے پوری طرح واقف ایک آزمودہ کار سپہ سالار بے مثل عالم دین بہترین قانون دان اور ایسے فلسفی تھے جن کی مثال نہ ہو اور جن کے ماننے والے آج تیس کروڑ (موجودہ تعداد ایک ارب پچیس کروڑ۔ مترجم) انسان دنیا میں بستے ہوں اور جو اس جگہ محو استراحت ہوں جہاں آپ ﷺ کی روح جسم سے جدا ہوئی تھی۔

جہاں رسول اللہ ﷺ نے انتقال فرمایا اس جگہ ایک عالیشان مسجد تعمیر ہوئی۔ یہ مسجد اسی جگہ ہے جہاں کچی اینٹوں اور کھجور کے تنوں سے آنحضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی۔ آج بھی مکہ مکرمہ جانے والے زائرین مکہ اور مدینے کے درمیان قافلوں کے بارہ دن کا سفر طے کر کے ("جو آج موٹر گاڑیوں میں چار گھنٹے کا سفر بنتا ہے۔ مترجم") روضہ رسول مقبول ﷺ پر حاضری دیتے ہیں اس حاضری کے وقت عاشقان رسول ﷺ کے جذبات واحساسات کو محسوس تو کیا جاسکتا ہے مگر انہیں دنیا کی کسی زبان میں قلمبند نہیں کیا جاسکتا۔

اب تو یورپ کے پڑھے لکھے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بھی مذہبی تعصبات سے بالاتر ہو کر سوچنے لگے ہیں وہ بھی اسلام کے بانی کو خراج تحسین پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ڈاکٹر جی لی بون پیغمبر خدا ﷺ کی تعریف کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہے: "اگر کسی انسان کی قدر و منزلت کا اندازہ اس کے کام کی عظمت سے لگایا جاتا ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ تاریخ عالم میں محمد ﷺ سب سے عظیم انسان تھے۔"

اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں البتہ گزر چکے ہیں ان سے پہلے
بہت سے رسول پھر اگر وہ وفات پالیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اپنی
ایڑیوں پر الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ (۳ : ۱۴۴)

تعارف مترجم

ڈاکٹر تصدق حسین راجا۔

تاریخ پیدائش : ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء

آبائی وطن : بادشاہ پور، ضلع چکوال (پنجاب)

تعلیم : ایم اے (انگریزی) ایم اے (اردو) پی ایچ ڈی (اردو)

مطبوعہ و غیر مطبوعہ کام

۱- پتھر کی آنکھ (افسانے)

۲- جادۂ حیات

۳- نسیم حجازی - ایک مطالعہ

۴- لائف اینڈ ورک آف نسیم حجازی (تحقیقی مقالہ ڈاکٹریٹ (انگریزی میں غیر مطبوعہ)

۵- اقبال - پیامبر امید

۶- نوادرات عرشی امرتسری

۷- یوسف ظفر کی بات

۸- جیلانی بی - اے کی کہانی

۹- سید مودودی - مرد عصر و صورت گر مستقبل

۱۰- اقبال - اے کاسموپولٹن پوئٹ (بزبان انگریزی)

۱۱- داستان میری (آپ بیتی)

۱۲- سر تسلیم خم ہے (ترجمہ - سٹر گلنگ ٹو سرینڈر : جیفرے لینگ) سروسز بک کلب نے بھی شائع کی۔

۱۳- سید مکی مدنی العربی ﷺ (ترجمہ : دی لائف آف محمد ﷺ دی پرافٹ آف اللہ : اے دینے و سلیمان بن ابراہیم)

۱۴۔ واصف علی واصف سوانح و افکار (زیر طبع)

اعزاز : گولڈ میڈل ایوارڈ پشاور یونیورسٹی ۱۹۶۹ء

- گولڈ میڈل ایوارڈ انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۶۹ء

- انٹر نیشنل گرافرز میں نام کی شمولیت ۱۹۹۸ء

خدمات : لکچرار محکمہ تعلیم پنجاب۔

-چیف کو آرڈینیٹر' وزارتِ ترقی خواتین
-ناظم' دارالترجمہ مقتدرہ قومی زبان

سبحان ربی الاعلیٰ